Courtesy www.pdfbooksfree.pk
فضائلِ حج
تالیف
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس اللہ سرہ
۱۳۱۵ - ۱۴۰۲ھ
۱۸۹۸ - ۱۹۸۲ء
مکتبۃ البشریٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ

حج اور عمرہ کو خالص اللہ جلّ شانہٗ کے لیے پورا کیا کرو۔

فضائل حج

مؤلفہ

حضرت مولانا الحافظ الحاج المحدث محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جس میں حج، عمرہ، زیارت کے فضائل و آداب اور

عاشقانِ خدا کے بہت سے واقعات شرح و بسط

سے بیان کیے گئے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

حَامِدًا وَّمُصَلِّيًا وَّمُسَلِّمًا

امابعد! اس سیہ[1] کار کے قلم سے تبلیغی سلسلہ میں پہلے بھی چند رسالے شائع ہو چکے ہیں اور اللہ جَلَّ شانُہٗ کے فضل سے ان کے دینی منافع کے متعلق اَکابر اور اَحباب کی طرف سے تحریری اور زبانی پیامات بھی خلافِ توقع[2] اتنی کثرت سے پہونچے، جو موجبِ تعجُّب[3] ہیں۔ اپنی نااَہلیت کی وجہ سے نہ ان سے اس قدر نفع کی توقع تھی، نہ اپنی بداَعمالیوں اور کم مائیگی[4] کی وجہ سے وہ اس قابل تھے کہ ان سے اتنا نفع مخلوق کو پہونچے، کیونکہ جو شخص خود عامل[5] نہ ہو، اس کی تحریر وتقریر سے بھی نفع کم پہونچتا ہے۔ میں اب تک بھی ان منافع کو اپنے چچا جان حضرت مولانا مولوی محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو اپنی تبلیغی مساعی[6] میں نہ صرف ہندوستان کے ہر گوشہ[7] میں بلکہ بیرونِ ہند بھی بہت مشہور ہیں) کی توجہ کا اثر سمجھتا رہا اور سمجھتا ہوں۔ اسی وجہ سے ان کے وصال[8] کے بعد سے جس کو چار سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا، یہ سلسلہ بند کر دیا تھا، حالاں کہ حضرت موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی حیات[9] کے آخری اَیام میں دو رسالوں کی باصرار فرمائش کی تھی، اوّلاً تجارت اور کمائی کے فضائل میں ایک رسالہ کا حکم فرمایا تھا، جس کا فوری طور پر ایک اجمالی نقشہ بھی اسی بیماری کی شدت میں لکھ کر پیش کر دیا تھا، مگر مرض کی شدت کی وجہ سے اس کو ملاحظہ فرمانے کی نوبت نہ آئی، دوسرے انفاق فی سبیل اللہ، یعنی اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے متعلق جس کا تقاضا اخیر زمانۂ حیات میں ان پر شدت سے تھا؛ اور اس مضمون کا آخری اَیام میں بہت زیادہ اہتمام تھا، اس کے متعلق ایک رسالہ فضائل میں لکھنے کا بار بار حکم فرمایا حتیٰ کہ ایک بار نماز کھڑی ہو رہی تھی، دوسرا شخص امام تھا، تکبیر ہو چکی تھی، صف سے آگے کو منہ نکال کر فرمایا: ''دیکھنا اس رسالہ کو بھول نہ جانا''، مگر اس کے باوجود اب تک کوئی سے رسالہ کے لکھنے کی نوبت نہیں آئی اور جب بھی ان حالات سے واقف[10] احباب[11] کی طرف سے ان کے لکھنے کا تقاضہ ہوا اپنی نااہلیت کا تصور غالب ہو کر سدِّراہ[12] بنتا رہا، کئی مرتبہ ان دونوں رسالوں کے متعلق چچا جان رحمۃ اللہ علیہ کا اِصرار یاد آ کر خیال پیدا ہوا، پھر اپنی حالت اور دنیا کی رفتار نے اس خیال کو دبا دیا۔

حل لغات: (۱) گنہگار۔ (۲) امید۔ (۳) سبب۔ (۴) بے حیثیتی۔ (۵) عمل کرنے والا۔ (۶) کوشش۔ (۷) حصہ، علاقہ۔ (۸) انتقال۔ (۹) زندگی۔ (۱۰) جان کار۔ (۱۱) دوست۔ (۱۲) رکاوٹ۔

میرے چچازاد بھائی عزیزی الحافظ الحاج مولوی محمد یوسف سَلَّمَہٗ، جو ''اَلْوَلَدُ سِرٌّ[1] لِأَبِيْهِ[2]'' کے ضابطہ کے موافق اس ایمانی تحریک کی دعوت میں اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قدم بہ قدم اور اس جذبہ میں ان کے صحیح اور حقیقی وارث ہیں، ان پر دو سال سے حجاز میں اس تحریک کو فروغ دینے کا جذبہ ہے، خود چچا جان پر بھی اس کا تقاضا تھا، اسی جذبہ کے ماتحت وہ دو مرتبہ صرف اسی مقصد کے لیے حجاز تشریف لے جا چکے تھے، جس کو حضرت مولانا الحاج ابوالحسن علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مختصراً ان کی سوانح میں تحریر فرمایا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ عرب ہی وہ برگزیدہ[3] جماعت ہے، جس نے ابتداء[4] میں تمام دنیا میں اسلام کو پھیلایا، وہ حضرات اگر اپنے اسلاف[5] کے نقش قدم پر چلیں تو یقیناً اب بھی ان شاء اللہ تعالیٰ دنیا میں اسلام اسی طرح چمک سکتا ہے، جس طرح ابتداءِ زمانہ میں چمکا تھا۔ اس کے علاوہ حجاج کی جماعت جو ہر سال ہزاروں کی تعداد میں حج کو جاتی ہے، وہ حج کے فضائل اور ثمرات و برکات سے ناواقفیت اور آدابِ حج کے نامعلوم ہونے کی وجہ سے جس دینی جذبہ اور جن برکات کے ساتھ اس کو واپس آنا چاہیے، اس سے اکثر خالی ہاتھ واپس آتی ہے، ان وجوہ سے عزیز موصوف کا دو سال سے اصرار[6] تھا کہ حج و زیارت کے فضائل میں بھی چند احادیث کا ترجمہ اُمت کے سامنے پیش کروں تاکہ حج کو جانے والے حضرات ان احادیث کی برکت سے اسی ذوق و شوق کے ساتھ جائیں، جو اُن کی شان کے مناسب ہو اور حج سے واپسی بھی انہیں دینی جذبات کے ساتھ ہو، جو اس مبارک اور نہایت اہم عمل کے مناسب ہوں، نیز ذوق و شوق کے ساتھ جانے والے حجاج کی کثرت ہو، جو خود بھی دین کا جذبہ اپنے اندر پیدا کریں اور وہاں کے قیام میں اہلِ عرب سے بھی ان کے اصلی اور جدّی[7] کاموں میں اشتغال[8] کی اور انہماک[9] کی اِستدعا[10] اور درخواست کریں، عزیز موصوف دو سال سے اس کی ضرورت کا اظہار اور تکمیل پر اصرار کر رہے تھے، مگر اِدھر سے وعدہ سے آگے بڑھنے کی نوبت نہ آئی۔

لیکن حق سبحانہٗ و تقدّس جب کسی کام کا ارادہ فرماتے ہیں، تو اس کے لیے اَسباب بھی غیب سے پیدا ہو جاتے ہیں، چچا جان رحمۃ اللہ علیہ کے وصال[11] کے بعد سے اب تک ہر سال رمضان المبارک کا مہینہ اس ناکارہ کو نظام الدین میں گزارنے کی نوبت آتی رہی اور اپنے مشاغل[12] کے ہجوم کی وجہ سے ۲۹ رشعبان کو آ کر ۲ رشوال کو ہمیشہ واپسی ہو جاتی تھی۔ امسال بعض مجبوریوں کی وجہ سے عید کے بعد بھی

حل لغات: (۱) مولانا موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۹ ذی القعدہ ۱۳۸۴ھ کو لاہور میں وصال فرمایا۔ (۲) بچہ اپنے باپ کی اصل ہوتا یا طریقہ پر ہوتا ہے۔ (۳) پسندیدہ۔ (۴) شروع۔ (۵) پہلے کے بزرگ۔ (۶) بار بار تقاضہ کرنا، ضد۔ (۷) باپ دادا کی طرف سے ملے ہوئے کام۔ (۸) مشغول ہونا۔ (۹) پوری طرح سے لگنا۔ (۱۰) خواہش کرنا۔ (۱۱) انتقال۔ (۱۲) کام۔

یہاں قیام کرنا پڑا، تو عزیز موصوف کو اصرار کا زیادہ موقع مل گیا۔

اِدھر عید کی رات سے عُشَّاق کی دارِ محبوب[1] پر حاضری کا زمانہ شروع ہوجانے سے اس دِیار[2] کی یاد نے بھی طبیعت پر اثر کیا، جو ہر سال شوال سے وسط ذی الحجہ تک اکثر آتا رہتا ہے اور جوں جوں حج کا زمانہ قریب آتا ہے، یہ تصور کہ خوش قسمت عاشق اس وقت کیا کررہے ہوں گے، اپنی طرف بے اختیار متوجہ کرتا رہتا ہے، اس لیے مُتَوَکِّلًا عَلَی اللہ[3]۔ آج تین شوال ۱۳۶۶ھ چہار شنبہ[4] کو یہ رِسالہ شروع کرتا ہوں اور دس فصلوں اور ایک خاتمہ میں مختصر طور پر چند احادیث کا ترجمہ اور کچھ مُتَفَرِّق[5] مضامین پیش کرتا ہوں۔

فصل اول : ترغیب حج میں۔

فصل دوم : حج نہ کرنے کی وعید میں

فصل سوم : اس سفر میں مَشَقَّتوں کے تحمل میں

فصل چہارم : حج کی حقیقت میں

فصل پنجم : حج کے آداب میں

فصل ششم : مکہ مکرمہ کے آداب وفضائل میں

فصل ہفتم : عمرہ کے بیان میں

فصل ہشتم : روضۂ مُطَہَّرہ کی زیارت اور مسجد نبوی کی حاضری میں

فصل نہم : زیارت کے آداب میں

فصل دہم : مدینہ طیبہ کے آداب وفضائل میں

خاتمہ : میں حضور اقدس ﷺ کے حج کا مُفَصَّل واقعہ ہے اور بعض دوسرے جاں نثاروں کے حج کے مختصر قصے ہیں۔

حل لغات: (۱) محبوب کا گھر یعنی بیت اللہ شریف۔ (۲) علاقہ۔ (۳) اللہ پر بھروسہ کرکے۔ (۴) بدھ کا دن۔ (۵) الگ الگ۔

پہلی فصل: حج کی ترغیب میں

حج کے فضائل اور اس کے احکام میں قرآن پاک کی بہت سی آیات نازل ہوئی ہیں اور احادیث تو لاتعداد[1] وارد ہوئی ہیں، جن میں سے نمونہ کے طور پر تھوڑی سی اس رسالہ میں ذکر کی جائیں گی، میں اپنے ہر رسالہ میں اختصار[2] کی بہت کوشش کرتا ہوں کہ دینی چیزوں کے لیے نہ پڑھنے والوں کے پاس وقت زیادہ ہے، نہ رسالہ کے بڑے ہوجانے کی وجہ سے قیمت میں اضافہ ہوجانے کے بعد خریدنے والوں کے پاس پیسہ زائد ہے، ہاں! سینما دیکھنے کے لیے، بیاہ شادیوں میں خرچ کرنے کے لیے غریب سے غریب کے پاس بھی پیسہ کی کمی نہیں، یہ اللہ کی شان ہے، اس لیے اوّل مختصراً چند آیات ذکر کی جاتی ہیں، اس کے بعد چند احادیث ذکر کی جائیں گی۔

آیات

① وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ۙ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ۔ الاٰية [سورۂ حج:۲۷]	ترجمہ: ’’لوگوں میں حج (کے فرض ہونے) کا اعلان کردو (اس اعلان سے) لوگ تمہارے پاس (یعنی تمہاری اس عمارت

کے پاس حج کے لیے) چلے آئیں گے، پاؤں چل کر بھی اور ایسی اونٹنیوں پر (سوار ہوکر) بھی جو دُور دراز راستوں سے چل کر آئی ہوں (اور سفر کی وجہ سے) دُبلی ہوگئی ہوں تاکہ یہ آنے والے اپنے منافع[3] حاصل کریں‘‘۔

فائدہ: بیت اللہ شریف کی سب سے پہلی بناء[4] میں اختلاف ہے کہ حضرت آدم علٰی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنایا، یا اس سے پہلے فرشتوں نے بنایا تھا، حتّٰی کہ بعض نے کہا ہے کہ زمین کی سب سے پہلی ابتداء اسی جگہ سے ہوئی کہ پانی پر ایک بُلبُلہ کی شکل تھی، جس سے پھر بقیہ زمین کا حصہ پھیلایا گیا، لیکن حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں جب طوفان آیا تو یہ مکان اُٹھالیا گیا تھا، اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی مدد سے اس کی تعمیر کی جس کا ذکر پہلے پارہ میں ﴿وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ﴾ [سورۂ بقرہ:۱۲۷] میں ہے۔ اس آیت شریفہ سے پہلی آیت میں اسی کا بیان ہے کہ اس گھر کی جگہ کا نشان ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو بتایا تھا، اللہ جَلّ شانُہٗ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس مکان کی اَز سرِ نو[5] تعمیر کی۔

حل لغات: ① بے حساب۔ ② مختصر کرنا۔ ③ فائدہ۔ ④ بنیاد۔ ⑤ نئے سرے سے، پھر سے۔

ایک حدیث میں آیا کہ جب اللہ جَلَّ شانُہٗ نے حضرت آدم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو جنت سے اُتارا، تو ان کے ساتھ اپنا گھر بھی اُتارا اور فرمایا کہ اے آدم! میں تیرے ساتھ اپنا گھر اُتارتا ہوں، اس کا طواف اسی طرح کیا جائے گا، جس طرح میرے عرش کو طواف کیا جاتا ہے اور اس کی طرف نماز اسی طرح پڑھی جائے گی، جس طرح میرے عرش کی طرف نماز پڑھی جاتی ہے۔

اس کے بعد طوفانِ نوح کے زمانہ میں یہ مکان اُٹھالیا گیا، اس کے بعد انبیاء کرام علیہم السلام اس جگہ کا طواف کرتے تھے، مکان نہ تھا، اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ جَلَّ شانُہٗ نے اس جگہ مکان بنانے کا حکم فرمایا اور جگہ کی تعیینؔ[1] خود فرمادی۔ [ترغیب منذری]

حدیث میں آتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ شریف کی تعمیر سے فارغ ہوئے، تو بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا کہ تعمیر سے فراغت ہوچکی ہے، اس پر اللہ جَلَّ شانُہٗ کی طرف سے حکم ہوا کہ لوگوں میں حج کا اعلان کرو، جس کا اوپر کی آیت میں ذکر ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا اللہ! میری آواز کس طرح پہونچے گی، اللہ جَلَّ شانُہٗ نے فرمایا کہ آواز کا پہونچانا ہمارے ذمہ ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اعلان فرمایا، جس کو آسمان و زمین کے درمیان ہر چیز نے سنا۔ آج اس میں کوئی اشکال نہیں رہا کہ لاسلکی[2] سے ایک ملک سے دوسرے ملک تک آواز پہونچ رہی ہے، تو لاسلکیوں کے بنانے والوں کا بنانے والا، جب آواز پہونچانے کا ارادہ کرے تو اس میں کیا اشکال ہوسکتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ اس آواز کو ہر شخص نے سنا اور لبّیک کہا، جس کے معنی ہیں کہ میں حاضر ہوں، یہی وہ لبّیک ہے جس کو حاجی احرام کے بعد سے شروع کرتا ہے، جس شخص کی قسمت میں اللہ جَلَّ شانُہٗ نے حج کی سعادت لکھی تھی، وہ اس آواز سے بہرہ ور[3] ہوا اور لَبَّیْكَ کہا۔ [اتحاف]

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ جس شخص نے بھی خواہ وہ پیدا ہو چکا تھا یا ابھی تک عالمِ اَرواح[4] میں تھا، اس وقت لبّیک کہا، وہ حج ضرور کرتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جس نے ایک مرتبہ لبّیک کہا، وہ ایک حج کرتا ہے، جس نے اس وقت دو مرتبہ لبّیک کہا، وہ دو مرتبہ حج کرتا ہے اور اسی طرح جس نے اس سے زیادہ جتنی مرتبہ لبّیک کہا، اتنے ہی حج اس کو نصیب ہوتے ہیں۔ [درمنثور] کس قدر خوش نصیب ہیں وہ رُوحیں جنہوں نے اس وقت دَمًا دَم لبّیک کہا ہوگا، بیسیوں حج ان کو نصیب ہوئے یا ہوں گے۔

﴿۲﴾ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ	ترجمہ: حج (کا زمانہ) چند مہینے ہیں، جو (مشہور و) معلوم ہیں (یعنی یکم شوّال[5] سے دس ذی الحجہ تک)

حل لغات: ① مقرر کرنا، متعین کرنا۔ ② بغیر تار کی بجلی، وائرلس۔ ③ فائدہ اُٹھانے والا۔ ④ وہ جگہ جہاں روحیں رہتی ہیں۔ ⑤ ایک شوال۔

وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ [سورۂ بقرہ:۱۹۷]	پس جو شخص ان ایام میں اپنے اوپر حج مقرر کر لے (کہ حج کا احرام باندھ لے) تو پھر نہ کوئی فحش

بات جائز ہے اور نہ عدول حکمی درست ہے اور نہ کسی قسم کا جھگڑا زیبا ہے (بلکہ اس کو چاہیے کہ ہر وقت نیک کام میں لگا رہے) اور جو نیک کام کرو گے حق تعالیٰ شانہٗ اُس کو جانتے ہیں (ان کو ہر شخص کی ہر بات کا ہر وقت علم رہتا ہے، اس کے موافق اس کو جزا یا سزا دیتے ہیں، اس لیے ان نیکیوں کا بہت بدلہ عطا فرمائیں گے جو اُن مبارک اوقات میں کی جائیں گی)۔

فائدہ: فحش بات دو طرح کی ہوتی ہے، ایک وہ جو پہلے سے بھی ناجائز تھی، اس کا گناہ حج کی حالت میں کرنے سے زیادہ ہو جاتا ہے، دوسرے وہ جو پہلے سے جائز تھی، جیسا کہ اپنی بیوی سے بے حجابی کی بات کرنا، حج میں وہ بھی جائز نہیں رہتی۔ اسی طرح حکم عدولی بھی دو طرح کی ہے: ایک وہ جو پہلے ہی سے ناجائز تھی، جیسا کہ سارے گناہ، ان کی معصیت حج کی حالت میں زیادہ سخت ہو جائے گی، دوسرے وہ اُمور جو پہلے سے جائز تھے، اب حج کی وجہ سے ناجائز ہو گئے، جیسا کہ خوشبو لگانا، یہ اب ناجائز ہو گیا، ایسے ہی لڑنا جھگڑنا پہلے سے بھی بُرا ہے، مگر حج میں اور بھی زیادہ بُرا ہے۔ [بیان القرآن]

اگرچہ عدُول حکمی میں جھگڑا کرنا بھی داخل ہے، مگر چونکہ حج میں اکثر ساتھیوں میں نزاع ہو ہی جاتا ہے، اس لیے اہتمام کی وجہ سے اس کو خاص طور سے ذکر فرمایا، جیسا کہ آئندہ پہلی حدیث کے ذیل میں بھی اس کا ذکر آ رہا ہے۔

③ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ [سورۂ مائدہ:۳]	ترجمہ: آج کے دن تمہارے لیے تمہارے دین کو میں نے (ہر طرح) کامل و مکمل بنا دیا اور تم پر اپنا انعام (آج) پورا کر دیا اور

میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لیے (ہمیشہ کو) پسند کر لیا (کہ قیامت تک تمہارا یہی دین رہے گا، اس کو منسوخ کر کے دوسرا دین تجویز نہ کیا جائے گا)۔

فائدہ: حج کے اہم فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ یہ آیتِ شریفہ جس میں تکمیلِ دین کا مژدہ ہے، حج کے موقع پر نازل ہوئی۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء میں لکھا ہے کہ حج اسلام کے بنیادی ارکان میں ہے، اسی پر ارکان کا اختتام ہوا ہے اور اسی پر اسلام کی تکمیل و تتمیم ہوئی ہے، اسی میں آیت ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ﴾ نازل ہوئی ہے۔

حل لغات: ① بے شرمی کی بات۔ ② حکم توڑنا۔ ③ مناسب۔ ④ بے تکلفی۔ ⑤ لڑائی جھگڑا۔ ⑥ ختم کرنا۔ ⑦ طے کرنا۔ ⑧ خوشخبری۔ ⑨ مکمل کرنا، پورا کرنا۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ یہود کے بعض علماء نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ تم قرآن پاک میں ایک آیت پڑھتے ہو، اگر وہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید کا دن بناتے (یعنی سالگرہ کے طور پر اس دن کی خوشی مناتے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ وہ کون سی آیت ہے؟ انہوں نے عرض کیا: ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ﴾ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ یہ کس دن اور کہاں نازل ہوئی، بحمد اللہ ہمارے یہاں اس وقت دو عیدیں جمع تھیں، ایک جمعہ کا دن (کہ وہ بھی مسلمان کے لیے بمنزلہ عید کے دن کے ہے) دوسرے عَرَفَہ[1] کا دن (کہ وہ بھی بالخصوص حاجی کے لیے عید کا دن ہے)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت جمعہ کے دن شام کے وقت عصر کے بعد جب کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عرفات کے میدان میں اپنی اونٹنی پر تشریف فرما تھے نازل ہوئی، درحقیقت یہ بڑا مژدہ[2] ہے جو اس آیت شریفہ میں سنایا گیا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اس آیتِ شریفہ کے بعد حلت وحُرمت[3] کے بارہ میں کوئی جدید[4] حکم نازل نہیں ہوا، جب آدمی حج میں یہ خیال کرے کہ اس فریضہ سے دین کی تکمیل قرار دی گئی اور دین مکمل ہونے کا یہ ذریعہ ہوا ہے، تو کتنے ذوق شوق سے اس فریضہ کو ادا کرنا چاہیے؛ وہ ظاہر ہے۔

جب یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر تھے، وہ اونٹنی بوجھ کی وجہ سے بیٹھ گئی، کھڑی نہ ہو سکی، وحی کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں وزن بہت بڑھ جاتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر ہوتے اور وحی نازل ہوتی، تو وہ اونٹنی اپنی گردن گرا دیتی اور جب تک وحی ختم نہ ہوتی حرکت نہ کرسکتی تھی۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جب وحی نازل ہوتی ہے، تو مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ میری جان نکل جائے گی۔ [درمنثور] حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آیتِ شریفہ ﴿ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ ﴾ [سورۂ نساء:۹۵] نازل ہوئی، تو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر غشی[5] سی طاری ہوئی تو آپ کی ران میری ران پر رکھی گئی، اس کے وزن سے میری ران ٹوٹی جارہی تھی۔ [درمنثور] یہ اللہ پاک کے پاک کلام کی عظمت وہیبت تھی، جس کو ہم لوگ ایسا سرسری اور لاپرواہی سے پڑھتے ہیں، جیسا کہ ایک معمولی کلام ہو۔ یہاں تک چند آیات کا ذکر تھا، آگے چند احادیث کا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

حل لغات: (۱) ذی الحجہ کی نویں تاریخ۔ (۲) خوشخبری۔ (۳) حلال وحرام۔ (۴) نیا۔ (۵) بے ہوشی کی حالت۔

احادیث

① عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ۔ [متفق علیہ. مشکوٰۃ]	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ کے لیے حج کرے، اس طرح کہ اس حج میں نہ رَفَث ہو (یعنی فحش بات) اور نہ فسق ہو، (یعنی حکم عدولی) وہ حج سے ایسا واپس ہوتا ہے جیسا اس دن تھا، جس دن ماں کے پیٹ سے نکلا تھا۔

فائدہ: جب بچہ پیدا ہوتا ہے، وہ معصوم[1] ہوتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ، کوئی لغزش[2]، کسی قسم کی دار گیر[3] کچھ نہیں ہوتی۔ یہی اثر ہے اس حج کا، جو اللہ کے واسطے کیا جائے، فضائل نماز کے شروع میں یہ مضمون گزر چکا ہے کہ علماء کے نزدیک اس قسم کی احادیث سے صغیرہ گناہ مراد ہوا کرتے ہیں، اگرچہ حج کے بارہ میں جو روایات بکثرت وارد ہوئی ہیں، ان کی وجہ سے بعض علماء کی یہ تحقیق ہے کہ حج سے صغائر، کبائر سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

اس حدیث پاک میں تین مضمون ذکر فرمائے ہیں: اوّل یہ کہ اللہ کے واسطے حج کیا جائے، یعنی اس میں کوئی دنیوی غرض، شہرت، رِیا وغیرہ شامل نہ ہو، بہت سے لوگ شہرت اور عزت کی وجہ سے حج کرتے ہیں، وہ اتنا حرج اور خرچ ثواب کے اعتبار سے بے کار ضائع کرتے ہیں، اگرچہ حج فرض اس طرح بھی ادا ہوجائے گا، لیکن اگر محض اللہ کی رضا کی نیت ہو، تو فرض ادا ہونے کے ساتھ کس قدر ثواب ملے، اتنی بڑی دولت کو محض چند لوگوں میں عزت کی نیت سے ضائع کر دینا کس قدر نقصان اور خسارہ[4] کی بات ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے قریب میری اُمت کے اُمیر[5] لوگ تو حج محض سیر و تفریح کے ارادہ سے کریں گے (گویا لندن و پیرس کی تفریح نہ کی، حجاز کی تفریح کر لی) اور میری اُمت کا مُتوسّط[6] طبقہ تجارت کی غرض سے حج کرے گا کہ تجارتی مال کچھ اِدھر سے لے گئے، کچھ اُدھر سے لے آئے اور علماء رِیاء و شہرت کی وجہ سے حج کریں گے (کہ فلاں مولانا صاحب نے پانچ حج کیے، دس حج کیے) اور غُرَباء بھیک مانگنے کی غرض سے جائیں گے۔ [کنز العمال]

علماء نے لکھا ہے کہ جو لوگ اُجرت[7] کے ساتھ حج بدل کرتے ہیں کہ اس حج سے کچھ دنیوی نفع

حل لغات: ① گناہوں سے پاک۔ ② غلطی۔ ③ پکڑ دھکڑ۔ ④ گھاٹا۔ ⑤ مالدار۔ ⑥ درمیانی درجہ کے لوگ۔ ⑦ مزدوری، کرایہ۔

حاصل ہوجائے ،وہ بھی اس میں داخل ہیں کہ گویا حج کے ساتھ تجارت کر رہا ہے، جیسا کہ حدیث نمبر پندرہ[۱۵] کے ذیل میں آ رہا ہے۔

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ سلاطین اور بادشاہ تفریح کی نیت سے حج کریں گے اور غنی[۱] لوگ تجارت کی غرض سے اور فقراء سوال کی غرض سے اور علماء شہرت کی وجہ سے۔ [اتحاف] ان دونوں حدیثوں میں کچھ تعارض[۲] نہیں۔

پہلی حدیث میں جو غنی بتائے گئے ان سے اعلیٰ درجہ کے غنی مراد ہیں، جن کو دوسری حدیث میں سلاطین سے تعبیر کیا ہے اور جس کو اس حدیث میں غنی سے تعبیر کیا ہے، وہ سلاطین سے کم درجہ مراد ہے، جس کو پہلی حدیث میں متوسط طبقہ سے تعبیر کیا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صفا مروہ کے درمیان ایک مرتبہ تشریف فرما تھے، ایک جماعت آئی جو اپنے اونٹوں سے اُتری اور بیت اللہ شریف کا طواف کیا، صفا مروہ کے درمیان سعی[۳] کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن سے دریافت کیا، تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ عراق کے لوگ ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہاں کیسے آنا ہوا؟ انہوں نے عرض کیا: حج کے لیے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کوئی اور غرض تو نہ تھی، مثلاً اپنی میراث کا کسی سے مطالبہ ہو یا کسی قرض دار سے روپیہ وصول کرنا ہو یا کوئی اور تجارتی غرض ہو؟ انہوں نے عرض کیا: نہیں، کوئی دوسری غرض نہ تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اَز سرِ نَو اعمال کرو، یعنی پہلے سارے گناہ تمہارے معاف ہو چکے۔ دوسری چیز حدیث[۴] بالا میں یہ ہے کہ اس میں رَفث یعنی فحش بات نہ ہو، اس سے قبل قرآنِ پاک کی آیت شریفہ میں بھی یہ لفظ ﴿فَلَا رَفَثَ﴾ گزر چکا ہے، علماء نے لکھا ہے کہ یہ ایک ایسا جامع کلمہ ہے، جس میں ہر قسم کی لغو[۵] اور بیہودہ بات داخل ہے، حتیٰ کہ بیوی کے سامنے صحبت کا ذکر کرنا بھی داخل ہے، حتیٰ کہ اس قسم کی بات کا آنکھ سے یا ہاتھ سے اشارہ کرنا بھی داخل ہے کہ اس قسم کا ذکر شہوت کو اُبھارتا ہے۔ تیسری چیز جو اس حدیث پاک میں ذکر کی گئی، وہ فُسوق یعنی حکم عُدولی[۶] نہ ہونا ہے، یہ بھی قرآنِ پاک کی آیت مذکورہ میں گزر چکا ہے، علماء نے لکھا ہے کہ یہ بھی ایک جامع کلمہ ہے، جو اللہ جَلَّ شانُہٗ کی ہر قسم کی نافرمانی کو شامل ہے، اس میں جھگڑا کرنا بھی داخل ہے کہ یہ بھی حکم عُدولی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث پاک میں ارشاد فرمایا کہ حج کی خوبی: نَرم کلام کرنا اور لوگوں کو کھانا کھلانا ہے۔ لہٰذا کسی سے سختی سے گفتگو کرنا، نَرم کلام کے مُنافی[۷] ہے، اس لیے ضروری ہے کہ آدمی

حل لغات: ① مالدار۔ ② ٹکراؤ۔ ③ دوڑنا۔ ④ اوپر والی حدیث۔ ⑤ بے کار۔ ⑥ حکم توڑنا۔ ⑦ خلاف۔

اپنے ساتھیوں پر بار بار اعتراض نہ کیا کرے، بدّووں[1] سے سختی سے پیش نہ آئے، ہر شخص کے ساتھ تواضع سے اور خوش خُلقی[2] سے پیش آئے۔ علماء نے لکھا ہے کہ خوش خلقی یہ نہیں ہے کہ دوسرے کو تکلیف نہ پہونچائے، بلکہ خوش خلقی یہ ہے کہ دوسرے کی اَذِیّت[3] کو برداشت کرے۔ سفر کے معنی لغت میں ظاہر کرنے کے ہیں، علماء نے لکھا ہے کہ سفر کو سفر اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس میں آدمی کے اخلاق ظاہر ہوتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے دریافت کیا کہ تم فلاں کو جانتے ہو کہ کیسا آدمی ہے؟ انہوں نے عرض کیا: جی جانتا ہوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ تم نے کبھی کوئی سفر اس کے ساتھ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ سفر تو نہیں کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پھر تم اس کو نہیں جانتے۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک صاحب نے کسی کی تعریف کی کہ بہت اچھے آدمی ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ تم نے ان کے ساتھ کوئی سفر کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ سفر تو نہیں کیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: تمہارا ان کے ساتھ کوئی معاملہ پڑا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ معاملہ بھی نہیں پڑا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پھر تمھیں ان کے حال کی کیا خبر۔ [اتحاف]

حق یہ ہے کہ آدمی کا حال ایسی ہی چیزوں سے ظاہر ہوتا ہے، ویسے دیکھنے میں تو سب ہی اچھے معلوم ہوتے ہیں، مگر سفر میں اکثر کَشِیدگی[4] ہو ہی جاتی ہے، اس لیے قرآن پاک میں حج کے ساتھ وَلَاجِدَالَ کو خاص طور سے ذکر کیا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نیکی والے حج کا بدلہ جنت کے سوا کچھ نہیں۔	(۲) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهٗ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةَ۔ [متفق عليه. مشكوٰة]

فائدہ: بعض علماء نے کہا ہے ''نیکی والے حج'' کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کی معصِیَت[5] نہ ہو، اسی واسطے اکثر حضرات اس کا ترجمہ ''حج مقبول'' سے کرتے ہیں کہ جب آداب وشرائط کی رعایت ہوگی، کوئی لغزش[6] اس میں نہ ہوگی تو وہ حج ان شاء اللہ مقبول ہی ہوگا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حج کی نیکی لوگوں کو کھانا کھلانا اور نرم گفتگو کرنا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ حج کی نیکی کھانا کھلانا اور لوگوں کو کثرت سے سلام کرنا ہے۔ [ترغیب]

ایک حدیث میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نیکی والے حج کا بدلہ جنت کے سوا

حل لغات: (۱) گاؤں کے رہنے والے۔ (۲) اچھے اخلاق۔ (۳) تکلیف دینا۔ (۴) رنجش۔ (۵) گناہ۔ (۶) غلطی۔

کچھ نہیں، تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا کہ حضور! نیکی والا حج کیا چیز ہے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھانا کھلانا اور سلام کثرت سے کرنا۔ [کنز]

⑶ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا مِنْ يَوْمٍ أَكْثَرَ مِنْ أَنْ يُّعْتِقَ اللّٰهُ فِيْهِ عَبْدًا مِّنَ النَّارِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ. وَإِنَّهٗ لَيَدْنُوْ ثُمَّ يُبَاهِيْ بِهِمُ الْمَلٰئِكَةَ فَيَقُوْلُ: مَا أَرَادَ هٰؤُلَاءِ۔ [رواہ مسلم. مشکوٰۃ وبمعناہ عن جابر]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں جس میں اللہ تعالیٰ عرفہ⁽¹⁾ کے دن سے زائد⁽²⁾، بندوں کو جہنم سے نجات دیتے ہوں، یعنی جتنی کثیر⁽²⁾ مقدار کو عرفہ کے دن خلاصی⁽³⁾ ہوتی ہے، اتنی کثیر تعداد کسی اور دن کی نہیں ہوتی، حق تعالیٰ شانہٗ (دنیا کے) قریب ہوتے ہیں، پھر فخر کے طور پر فرشتوں سے فرماتے ہیں: ''یہ بندے کیا چاہتے ہیں؟''۔

فائدہ: اللہ جَلَّ شانہٗ کا قریب ہونا، یا نیچے کے آسمان پر اُترنا، یا اس قسم کے اور جو مضامین ذکر کیے گئے ہیں، ان کی اصل حقیقت تو اللہ جَلَّ شانہٗ ہی کو معلوم ہے کہ وہ ہر وقت قریب ہے، اُترنے چڑھنے کی ظاہری معنی سے بالاتر⁽⁴⁾ ہے، علماء اس قسم کے مضامین کو رحمتِ خاصہ⁽⁵⁾ کے قریب ہونے سے تعبیر⁽⁶⁾ فرمایا کرتے ہیں، جو مضمون حدیث بالا میں مذکور ہے، اس قسم کے مضامین بہت سی احادیث میں وارد ہوئے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جب عرفہ کا دن ہوتا ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ سب سے نیچے کے آسمان پر اُتر کر فرشتوں سے فخر کے طور پر فرماتے ہیں کہ میرے بندوں کو دیکھو کہ میرے پاس ایسی حالت میں آئے ہیں کہ سَر کے بال بکھرے ہوئے ہیں، بدن پر اور کپڑوں پر سفر کی وجہ سے غُبار پڑا ہوا ہے، لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ کا شور ہے، دُور دُور سے چل کر آئے ہیں، میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کے گناہ معاف کر دیے، فرشتے عرض کرتے ہیں کہ یا اللہ! فلاں شخص گناہوں کی طرف منسوب ہے اور فلاں مرد اور فلاں عورت (تو بس کیا کہا جائے)، حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہوتا ہے کہ میں نے ان سب کی مغفرت کر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس دن سے زیادہ کسی دن بھی لوگ جہنم کی آگ سے آزاد نہیں ہوتے۔ [مشکوٰۃ]

ایک اور حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں: یہ میرے بندے بکھرے ہوئے بالوں والے میرے پاس آئے ہیں، میری رحمت کے اُمیدوار ہیں (اس کے بعد بندوں سے خطاب فرماتے ہیں) اگر تمہارے گناہ ریت کے ذروں کے برابر ہوں اور آسمان کی بارش کے قطروں کے برابر ہوں

حل لغات: ⑴ نویں ذی الحجہ کا دن۔ ⑵ زیادہ، بڑی۔ ⑶ جہنم سے آزادی۔ ⑷ اونچا، بلند۔ ⑸ خاص قسم کی رحمت۔ ⑹ بیان کرنا۔

اورتمام دنیا کے درختوں کے برابر ہوں تب بھی بخش دیے جاؤ، بخشے بخشائے اپنے گھر چلے جاؤ۔ [کنز]

ایک اور حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ فخر کے طور پر فرشتوں سے فرماتے ہیں، دیکھو! میں نے ان بندوں کی طرف اپنا رسول بھیجا، یہ اس پر ایمان لائے، میں نے ان پر کتاب نازل کی، یہ اس پر ایمان لائے، تم گواہ رہو کہ میں نے ان کے سارے گناہ معاف کردیے۔ [کنز]

غرض بہت کثرت سے روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے، ان ہی جیسی احادیث کی بناء پر بعض علماء نے کہا ہے کہ حج کی معافی صغیرہ گناہوں کے ساتھ مخصوص نہیں، کبیرہ گناہ بھی اس سے معاف ہوجاتے ہیں، وہ بااختیار بادشاہ ہے، اس کی نافرمانیوں کا نام گناہ ہے، وہ کسی آدمی کو یا کسی جماعت کو اپنے فضل سے بالکل ہی معاف کردے تو نہ اس کے لطف وکرم سے بعید[1] ہے، نہ کسی دوسرے کا اس میں اجارہ[2] ہے۔

شفاء قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک جماعت سَعدون خولانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئی اور ان سے یہ قصہ بیان کیا کہ قبیلۂ کَتامہ کے لوگوں نے ایک آدمی کو قتل کیا اور اس کو آگ میں جلانا چاہا، رات بھر اس پر آگ جلاتے رہے، مگر آگ نے اس پر ذرا بھی اثر نہ کیا، بدن ویسا ہی سفید رہا، سعدون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شاید اس شہید نے تین حج کیے ہوں گے، لوگوں نے کہا: جی ہاں! تین حج کیے ہیں، سعدون رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: مجھے یہ حدیث پہونچی ہے کہ جس شخص نے ایک حج کیا، اس نے اپنا فریضہ ادا کیا اور جس نے دوسرا حج کیا، اس نے اللہ کو قرض دیا اور جو تین حج کرتا ہے تو اللہ جَلَّ شانہٗ اس کی کھال کو، اس کے بال کو آگ پر حرام کردیتا ہے۔

④ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ كَرِيْزٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَارُئِيَ الشَّيْطَانُ يَوْمًا هُوَ فِيْهِ أَصْغَرُ وَلَا أَدْحَرُ وَلَا أَحْقَرُ وَلَا أَغْيَظُ مِنْهُ فِيْ يَوْمِ عَرَفَةَ، وَمَا ذَاكَ إِلَّا لِمَا يَرٰى مِنْ تَنَزُّلِ الرَّحْمَةِ وَتَجَاوُزِ اللهِ عَنِ الذُّنُوْبِ الْعِظَامِ إِلَّا مَارُئِيَ يَوْمَ بَدْرٍ۔ [رواه مالك مرسلًا، مشكوٰة]	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ غزوۂ بدر کا دن تو مستثنیٰ[1] ہے، اس کو چھوڑ کر کوئی دن عرفہ کے دن کے علاوہ ایسا نہیں، جس میں شیطان بہت ذلیل ہورہا ہو، بہت راندہ[2] پھر رہا ہو، بہت حقیر ہورہا ہو، بہت زیادہ غصہ میں بھر رہا ہو اور یہ سب کچھ اس وجہ سے کہ عرفہ کے دن میں اللہ کی رحمتوں کا کثرت سے نازل ہونا، بندوں کے بڑے بڑے گناہوں کا معاف ہونا، دیکھتا ہے۔

حل لغات: (۱) دور۔ (۲) ٹھیکہ، قابو۔ (۳) الگ، جدا۔ (۴) دھتکارا ہوا۔

فائدہ: شیطان کو اس دن میں جتنا بھی غصہ ہو، جتنا بھی اس پر رنج و ملال کا اثر ہو، جتنا بھی وہ پریشان حال ہو، قرینِ قیاس[1] ہے، کیونکہ اس کی عمر بھر کی محنت کہ بڑی مشقتوں اور محنتوں سے اس نے لوگوں سے گناہ کرائے، وہ آج ایک رحمت کے جھونکے میں سب صاف ہو گئے، اس پر جتنا بھی اس کو غصہ اور رنج ہو، وہ ظاہر ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ شیطان اپنے شریر لشکر کو اس پر مامور[2] کرتا ہے کہ وہ حاجیوں کے راستہ میں بیٹھ کر ان کو راستہ سے بے راہ[3] کریں۔ [کنز]

صوفیہ میں سے ایک صاحبِ کشف کا قصہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ان کو عرفہ کے دن شیطان نظر آیا کہ بہت ہی کمزور ہو رہا ہے، چہرہ زرد[4] پڑا ہے، آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، کمر سے سیدھا کھڑا نہیں ہوا جاتا، وہ جھک رہی ہے، ان بزرگ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تُو کیوں رو رہا ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے یہ چیز رُلا رہی ہے کہ حاجی لوگ بلا (کسی دنیوی غرض) تجارت وغیرہ کے اس کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے، مجھے یہ ڈر اور رنج ہے کہ وہ پاک ذات ان لوگوں کو نامراد نہیں رکھے گی، اس غم میں رو رہا ہوں، وہ فرماتے ہیں: پھر میں نے اس سے پوچھا کہ تو دُبلا کیوں ہو گیا؟ اس نے کہا کہ گھوڑوں کی آواز سے جو ہر وقت اللہ کے راستوں میں (حج، عمرہ، جہاد وغیرہ میں) پھرتے رہتے ہیں، کاش یہ سواریاں میرے راستے (لہو ولعب[5]، بدکاری، حرام کمائی وغیرہ) میں پھرتیں، تو مجھے کیسی اچھی لگتیں، انہوں نے فرمایا کہ تیرا رنگ ایسا زرد کیوں پڑ گیا؟ اس نے کہا کہ لوگ ایک دوسرے کو نیکیوں پر آمادہ[6] کرتے ہیں، اس کام میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں، اگر یہ آپس کی امداد و اعانت گناہوں کے کرنے میں ہوتی تو میرے لیے کس قدر مسرّت[7] کا سبب ہوتی، تو انہوں نے فرمایا کہ تیری کمر کیوں جھک گئی؟ اس نے کہا کہ بندہ ہر وقت یہ کہتا ہے کہ یا اللہ! خاتمہ بالخیر[8] عطا کر، ایسا شخص جس کو اپنے خاتمہ کا ہر وقت فکر رہے کب اپنے کسی نیک عمل پر گھمنڈ کرے گا۔

⑤ عَنِ ابْنِ شَمَاسَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: حَضَرْنَا عَمْرَو ابْنَ الْعَاصِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَهُوَ فِيْ سِيَاقَةِ الْمَوْتِ. فَبَكٰى طَوِيْلًا وَقَالَ: فَلَمَّا جَعَلَ اللهُ الْإِسْلَامَ فِيْ قَلْبِيْ. أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ! أُبْسُطْ يَمِيْنَكَ لِأُبَايِعَكَ. فَبَسَطَ يَدَهٗ. فَقَبَضْتُ يَدِيْ. فَقَالَ:

ابن شماسہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے، اُن کا آخری وقت تھا، انتقال ہو رہا تھا، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ اس وقت بہت دیر تک روتے رہے، اس کے بعد اپنے اسلام لانے کا قصہ سنایا اور فرمانے لگے کہ

حل لغات: ① وہ بات جسے عقل قبول کرے۔ ② مقرر، متعین۔ ③ گمراہ۔ ④ پیلا۔ ⑤ کھیل کود۔ ⑥ اُبھارنا، ترغیب دینا۔ ⑦ خوشی۔ ⑧ ایمان والی موت۔

مَالَكَ يَا عَمْرُو! قَالَ: أَرَدْتُ أَنْ أَشْتَرِطَ. قَالَ: تَشْتَرِطُ مَاذَا؟ قَالَ: أَنْ يُغْفَرَلِيْ. قَالَ: أَمَا عَلِمْتَ يَاعَمْرُو! أَنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ، وَأَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا، وَأَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ۔ [رواه ابن خزيمة في صحيحه هكذا مختصراً، ورواه مسلم وغيره أطول منه كذا في الترغيب]

جب اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے میرے دل میں اسلام لانے کا جذبہ پیدا کر دیا، تو میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور حاضر ہو کر عرض کیا کہ بیعت کے لیے ہاتھ دے دیجیے، میں مسلمان ہوتا ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ[1] مبارک پھیلایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کیا؟ میں نے عرض کیا کہ حضور! میں پہلے ایک شرط کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ میرے پچھلے گناہ معاف کر دے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمرو! تجھے یہ بات معلوم نہیں کہ اسلام ان سب گناہوں کو ختم کر دیتا ہے، جو کفر کی حالت میں کیے گئے ہوں اور ہجرت اُن سب لغزشوں[2] کو ختم کر دیتی ہے، جو ہجرت سے پہلی کی ہوں اور حج ان سب قصوروں کا خاتمہ کر دیتا ہے، جو حج سے پہلے کیے ہوں۔

فائدہ: اس حدیث شریف میں اس چیز سے قطعِ[3] نظر کہ گناہِ صغیرہ مراد ہیں یا کبیرہ، جیسا کہ سب سے پہلی حدیث میں گزر چکا ہے، یہ امر قابلِ لحاظ[4] ہے کہ ایک کسی کا حق ہوتا ہے اور ایک اس کا گناہ، حج وغیرہ سے گناہ تو معاف ہوتے ہیں، مگر حقوق معاف نہیں ہوتے، مثلاً کسی شخص کا مال چُرا لیا، اس میں ایک تو وہ مال ہے جو چُرایا ہے، دوسرے اس چوری کا گناہ ہے، گناہ کے معاف ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ جس کا مال چُرایا ہے، وہ بھی واپس کرنا نہ پڑے گا، اس کا واپس کرنا تو ضروری ہے۔ البتہ اس چوری کرنے کا جو گناہ ہوا، وہ معاف ہو سکتا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کی شام کو عرفات کے میدان میں، اُمت کی مغفرت کی دعا مانگی اور بہت الحاح[5] وزاری سے دیر تک مانگتے رہے، رحمتِ الٰہی جوش میں آئی اور اللہ جَلَّ جلالُہٗ کا ارشاد ہوا کہ میں نے تمہاری دعا قبول کر لی اور جو گناہ بندوں نے میرے کیے ہیں، وہ معاف کر دیے، البتہ جو ایک دوسرے پر ظلم کیے ہیں؛ اُن کا بدلہ لیا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر درخواست کی اور بار بار یہ درخواست کرتے رہے کہ یا اللہ! تو اس پر بھی قادر ہے کہ مظلوم کے ظلم کا بدلہ تو عطا فرما دے اور ظالم کے قصور کو معاف فرما دے، مزدلفہ کی صبح کو اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے یہ دعا بھی قبول فرمالی، اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسُّم[6] فرمایا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ آپ نے ایسی حالت میں (الحاح وزاری کی) تبسُّم فرمایا کہ ایسے وقت تبسُّم کی عادت شریفہ نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

حل لغات: (۱) ہاتھ۔ (۲) غلطیاں۔ (۳) چھوڑ کر۔ (۴) دھیان کے قابل۔ (۵) رونا گڑگڑانا۔ (۶) مسکرانا۔

جب اللہ جَلّ شانُہٗ نے میری یہ دعا قبول فرمائی اور شیطان کو اس کا پتہ چلا تو آہ ووا وَیلا سے چلانے لگا اور مٹی اپنے سر پر ڈالنے لگا۔ [ترغیب]

(۶) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يُّلَبِّيْ إِلَّا لَبّٰى مَنْ عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَشِمَالِهٖ: مِنْ حَجَرٍ أَوْ شَجَرٍ أَوْ مَدَرٍ حَتّٰى تَنْقَطِعَ الْأَرْضُ مِنْ هٰهُنَا وَهٰهُنَا۔ [رواه الترمذي وابن ماجه كذا في المشكوٰة]	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب حاجی لبیک کہتا ہے، تو اس کے ساتھ اس کے دائیں اور بائیں جو پتھر، درخت، ڈھیلے وغیرہ ہوتے ہیں، وہ بھی لبیک کہتے ہیں اور اسی طرح سلسلۂ زمین کے منتہا تک یہ سلسلہ چلتا ہے۔

فائدہ: مُتعَدّد احادیث میں آیا ہے کہ لبیک کہنا حج کا شعار ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب لبیک کہتے تھے، تو حق تعالیٰ شانُہٗ جواب میں فرماتے تھے: لبیک یا موسیٰ! [کنز] حاجی کی ایک لبیک ہی نہیں اس کی ہر ہر چیز میں مستقل اجر اور فضیلت ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں منیٰ کی مسجد میں حاضر تھا کہ دو شخص ایک انصاری اور ایک ثقفی حاضر خدمت ہوئے اور سلام کے بعد عرض کیا کہ حضور! ہم کچھ دریافت کرنے آئے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا دل چاہے تو تم دریافت کر لو اور تم کہو تو میں بتاؤں کہ تم کیا دریافت کرنا چاہتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ آپ ہی ارشاد فرما دیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم حج کے متعلق دریافت کرنے آئے ہو کہ حج کے ارادہ سے گھر سے نکلنے کا کیا ثواب ہے؟ اور طواف کے بعد دو رکعت پڑھنے کا کیا فائدہ، اور صفا مروہ کے درمیان دوڑنے کا کیا ثواب ہے؟ اور عرفات پر ٹھہرنے اور شیطانوں کے کنکریاں مارنے کا، اور قربانی کرنے کا، اور طوافِ زیارت کرنے کا کیا ثواب ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ اس پاک ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجا ہے، یہی سوالات ہمارے ذہن میں تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حج کا ارادہ کر کے گھر سے نکلنے کے بعد تمہاری (سواری) اونٹنی جو ایک قدم رکھتی ہے یا اُٹھاتی ہے، وہ تمہارے اعمال میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور ایک گناہ معاف ہوتا ہے، اور طواف کے بعد دو رکعتوں کا ثواب ایسا ہے جیسا ایک عربی غلام کو آزاد کیا ہو، اور صفا مروہ کے درمیان سعی کا ثواب ستر غلاموں کو آزاد کرانے کے برابر ہے اور عرفات کے میدان میں جب لوگ جمع ہوتے ہیں، تو حق تعالیٰ شانُہٗ دنیا کے آسمان پر اُتر کر فرشتوں سے فخر کے طور پر فرماتے ہیں کہ میرے بندے دور دور سے پراگندہ بال آئے ہوئے

حل لغات: (۱) رونا پیٹنا۔ (۲) آخری حد، کنارہ۔ (۳) علامت، نشانی۔ (۴) دوڑنے۔ (۵) بکھرے ہوئے۔

ہیں، میری رحمت کے اُمیدوار ہیں، اگر تم لوگوں کے گناہ ریت کے ذرّوں کے برابر ہوں یا بارش کے قطروں کے برابر ہوں یا سمندر کے جھاگوں کے برابر ہوں، تب بھی میں نے معاف کر دیے، میرے بندو! جاؤ، بخشے بخشائے چلے جاؤ، تمہارے بھی گناہ معاف ہیں اور جن کی تم سفارش کرو، ان کے بھی گناہ معاف ہیں۔

اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا کہ شیطانوں کے کنکریاں مارنے کا حال یہ ہے کہ ہر کنکری کے بدلہ ایک بڑا گناہ جو ہلاک کر دینے والا ہو، معاف ہوتا ہے اور قربانی کا بدلہ اللہ کے یہاں تمہارے لیے ذخیرہ ہے اور احرام کھولنے کے وقت سر منڈانے میں ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی ہے اور ایک گناہ معاف ہوتا ہے، اس سب کے بعد جب آدمی طوافِ زیارت کرتا ہے تو ایسے حال میں طواف کرتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا اور ایک فرشتہ مونڈھوں کے درمیان ہاتھ رکھ کر کہتا ہے کہ آئندہ از سرِ نو[1] اعمال کر، تیرے پچھلے سب گناہ تو معاف ہو چکے۔ [ترغیب] لیکن یہ ضروری ہے کہ حج وہی حجِ مبرور[2] ہو، جو حقیقتاً حج کہلانے کا مستحق ہے۔

مشائخ نے لکھا ہے کہ لبیک اس نداء[3] کا جواب ہے، جو اللہ تعالیٰ جَلَّ شانُہٗ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمائی تھی، جس کا ذکر قرآن پاک کی آیت ﴿وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ﴾ میں گزر چکا ہے، اس لیے جیسا کہ حاکم کی پکار پر دربار کی حاضری میں اُمید وخوف کی حالت ہوتی ہے، ایسا ہی حال ہونا چاہیے، اس سے ڈرتے رہنا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ کہیں اپنی بداعمالیوں سے حاضری ہی قبول نہ ہو۔

مُطَرِّف بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ عرفات کے میدان میں یہ دعا کر رہے تھے کہ یا اللہ! ان سب کو میری نحوست کی وجہ سے محروم نہ فرما۔ بکر مُزَنی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک بزرگ عرفات کے میدان میں حُجّاج کو دیکھ کر کہتے تھے کہ مجھے یہ خیال ہو رہا ہے کہ میں اگر نہ ہوں تو ان سب کی مغفرت ہو جاتی۔ [اتحاف]

حضرت علی زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ نے جب حج کے لیے احرام باندھا تو چہرہ زرد[4] ہو گیا اور بدن پر کپکپی آ گئی اور لبیک نہ کہہ سکے، کسی نے عرض کیا کہ آپ نے احرام کے شروع میں لبیک نہیں کہی، تو فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس کے جواب میں ''لا لبیک'' نہ کہا جائے یعنی تیری حاضری معتبر نہیں، اس کے بعد بڑی مشکل سے لبیک کہا، تو غشی[5] آ گئی اور اونٹنی پر سے گر گئے، اس کے بعد جب لبیک کہتے، یہی حال ہوتا، سارا حج اسی طرح پورا کیا۔ احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں ابو سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حج کو گیا، جب احرام باندھنا شروع کیا تو انہوں نے لبیک نہ کہی، یہاں تک کہ ہم ایک میل چلے، اس کے بعد ان کو غشی آ گئی، جب غشی سے اِفاقہ[6] ہوا، تو مجھ سے کہنے لگے کہ احمد! حق تعالیٰ شانُہٗ نے حضرت

حلِ لغات: (۱) نئے سرے سے۔ (۲) مقبول۔ (۳) آواز، پکار۔ (۴) پیلا۔ (۵) بیہوشی۔ (۶) آرام۔

موسیٰ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام کی طرف یہ وحی بھیجی تھی کہ ظالموں سے کہہ دو کہ میرا ذکر کم کیا کریں (اس لیے کہ جب آدمی اللہ جَلَّ شَانُهٗ کا ذکر کرتا ہے تو اللہ جَلَّ شَانُهٗ کے ارشاد ﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ﴾ ''تم مجھے یاد کرو میں تمھیں یاد کروں گا'' کی بناء پر حق تعالیٰ شَانُهٗ بھی اس ظالم کا ذکر کرتے ہیں، اس بنا پر فرمایا کہ میں اس ظالم کا ذکر لعنت سے کرتا ہوں) اس کے بعد ابوسلیمان رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ نے کہا کہ احمد مجھے یہ بتایا گیا کہ جو شخص ناجائز امور کے ساتھ حج کرتا ہے اور لَبَّيْكَ کہتا ہے تو حق تعالیٰ شَانُهٗ فرماتے ہیں: لَا لَبَّيْكَ، تیری لَبَّيْكَ مقبول نہیں، جب تک ان ناجائز امور کو نہ چھوڑے۔ [اتحاف] ترمذی شریف میں حضرت شَدَّاد بن اَوس رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سے روایت کی ہے کہ عقل مند شخص وہ ہے جو اپنے نفس سے حساب کرتا رہے اور آخرت کے لیے عمل کرتا رہے، اور عاجز و بیوقوف ہے وہ شخص جو اپنے نفس کو خواہشوں کی طرف لگائے رکھے اور اپنی آرزوؤں کے پورا ہونے کی اُمیدیں باندھے رہے۔ [نزہۃ] لیکن اس سب کے باوجود اللہ کے لطف① و کرم کا اُمیدوار بھی رہنا چاہیے کہ اس کا فضل اور کرم ہمارے گناہوں سے کہیں زیادہ ہے۔ حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی دعا کے الفاظ ہیں: ''اَللّٰهُمَّ مَغْفِرَتُكَ أَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِيْ وَرَحْمَتُكَ أَرْجٰى عِنْدِيْ مِنْ عَمَلِيْ''۔ یا اللہ! تیری مغفرت میرے گناہوں سے بہت زیادہ وسیع② ہے اور تیری رحمت میرے اعمالِ حسنہ سے زیادہ امید کے قابل ہے۔

ایک بزرگ مکّہ مکرّمہ میں ستّر برس رہے اور برابر حج اور عمرے کرتے رہے، لیکن جب وہ حج یا عمرہ کا احرام باندھتے اور لَبَّيْكَ کہتے تو جواب ''لَا لَبَّيْكَ'' ملتا، ایک مرتبہ ایک نوجوان نے ان کے ساتھ ہی احرام باندھا اور ان کو جب ''لَا لَبَّيْكَ'' کا جواب ملا، تو اس نے بھی سنا، تو وہ کہنے لگا: چچا جان! آپ کو تو لَا لَبَّيْكَ کہا، کہنے لگے کہ بیٹا! تو نے بھی سنا؟ اس نے کہا: میں نے بھی سنا ہے، اس پر شیخ روئے اور کہنے لگے کہ بیٹا میں تو ستّر برس سے یہی جواب سنتا ہوں، جوان نے کہا: پھر کیوں آپ اتنی مُشَقَّت ہمیشہ اُٹھاتے ہیں؟ شیخ نے کہا: بیٹا! اس کے سوا اور کونسا دروازہ ہے جس کو پکڑلوں اور اس کے سوا اور کون میرا ہے، جس کے پاس جاؤں، میرا کام تو کوشش ہے، وہ چاہے رد کرے یا قبول کرے، بیٹا! غلام کو یہ زیبا③ نہیں کہ وہ اتنی بات کی وجہ سے آقا کے در کو چھوڑ دے، یہ کہہ کر شیخ رو پڑے، حتیٰ کہ آنسو سینے تک بہنے لگے، اس کے بعد پھر لَبَّيْكَ کہی، تو جوان نے سنا کہ جواب میں کہا گیا کہ ہم نے تیری پکار کو قبول کرلیا اور ہم ایسا ہی کرتے ہیں، ہر ایک شخص کے ساتھ جو ہمارے ساتھ حُسنِ ظن④ رکھے بخلاف اس کے جو اپنی خواہشات کا اتباع کرے اور ہم پر امیدیں باندھے، جوان نے جب یہ جواب سنا، تو کہنے لگا: چچا تم نے بھی یہ جواب سنا؟ شیخ یہ کہہ کر کہ میں نے بھی سُن لیا، اتنے روئے کہ چیخیں نکل گئیں۔

حل لغات: ① مہربانی۔ ② کشادہ، پھیلی ہوئی۔ ③ مناسب۔ ④ اچھا گمان۔

ابو عبداللہ جلاء رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں ذُوالحُلَیْفَہ میں تھا، ایک نوجوان نے احرام باندھنے کا ارادہ کیا اور وہ بار بار یہ کہہ رہا تھا، اے میرے رب! مجھے یہ ڈر ہے کہ میں لَبَّیْكَ کہوں اور تو لَا لَبَّیْكَ کہہ دے، کئی مرتبہ یہی کہتا رہا، آخر ایک مرتبہ اس نے زور سے لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ کہا اور اسی میں روح نکل گئی۔ [مسامرات]

علی بن مُوَفَّق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں عرفہ کی شب میں منیٰ کی مسجد میں ذرا سویا، تو میں نے خواب میں دیکھا کہ دو فرشتے سبز[1] لباس پہنے ہوئے آسمان سے اُترے، ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ اس سال کتنے آدمیوں نے حج کیا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا کہ مجھے تو معلوم نہیں، تو اس پوچھنے والے نے خود ہی کہا کہ چھ لاکھ آدمی ہیں، اس نے پھر سوال کیا کہ تمہیں معلوم ہے کہ ان میں سے کتنے آدمیوں کا حج قبول ہوا؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے تو معلوم نہیں، اس نے خود ہی بتایا کہ ان میں سے صرف چھ آدمیوں کا حج قبول ہوا، یہ کہہ کر وہ دونوں آسمان کی طرف چلے گئے۔ ابن مُوَفَّق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس خواب کی وجہ سے گھبرا کر میری آنکھ کھل گئی اور مجھے بڑا سخت فکر و غم سوار ہو گیا، خود اپنے بارہ میں سوچ میں پڑ گیا کہ چھ آدمی کُل ہیں جن کا حج قبول ہوا، میں بھلا ان میں کیسے ہو سکتا ہوں؟ اس کے بعد عرفات سے واپسی پر بھی میں مجمع کو دیکھ رہا تھا اور سخت فکر میں تھا کہ اتنا بڑا مجمع اور اس میں سے صرف چھ آدمیوں کا حج قبول ہوا ہے، مُزدلفہ میں اسی سوچ میں میری آنکھ لگ گئی تو وہی دو فرشتے پھر نظر آئے اور وہی سوال و جواب جو اوپر گذرے آپس میں کیے، اس کے بعد اس فرشتے نے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ نے اس میں کیا حکم فرما دیا؟ دوسرے نے کہا: مجھے تو معلوم نہیں، تو اس نے کہا: یہ فیصلہ ہوا ہے کہ ان چھ میں سے ہر ایک کے طُفَیل میں ایک ایک لاکھ کا حج قبول کر لیا جائے۔ ابنِ مُوَفَّق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ پھر جو میری آنکھ کھلی، تو مجھے اتنی خوشی ہو رہی تھی کہ بیان سے باہر ہے۔

انہی بزرگ کا ایک اور قصّہ لکھا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک سال حج کیا، اس کے بعد مجھے ترس[2] آیا کہ بعض آدمی ایسے بھی ہوں گے جن کا حج قبول نہ ہوا ہو، تو میں نے دعا کی کہ یا اللہ! میں نے اپنا حج اس کو بخشا جس کا حج قابلِ قبول نہ ہو۔ رَوضُ الرّیاحین میں اس قصّہ میں کچھ الفاظ کی کمی بیشی[3] ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ میں نے پچاس (۵۰) سے زیادہ حج کیے اور ان سب کا ثواب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور اپنے والدین کو بخشتا رہا، ایک حج رہ گیا، میں نے عرفات کے میدان میں لوگوں کے رونے کی آوازیں سن کر اس کو بخش دیا، جس کا حج قبول نہ ہوا ہو، اس کے بعد مزدلفہ میں مجھے خواب میں اللہ جَلَّ شانُہٗ کی زیارت ہوئی، حق تعالیٰ شانُہٗ نے فرمایا کہ اے علی! تُو مجھ سے زیادہ سخی بننا

حل لغات: (۱) ہرا۔ (۲) رحم۔ (۳) زیادتی۔

چاہتا ہے؟ میں نے سخاوت پیدا کی اور میں نے سخی لوگوں کو پیدا کیا، میں تمام سخی لوگوں سے زیادہ سخی، سارے کریموں سے زیادہ کریم، سارے بخشش کرنے والوں سے زیادہ بخشش کرنے والا، میں نے ہر اس شخص کا حج جو قابلِ قبول نہ تھا، اس کے طفیل قبول کرلیا جس کا حج مقبول تھا۔ [اتحاف] اور رَوض میں ہے کہ میں نے ان سب کو بخش دیا اور ان کے ساتھ ان سے کئی چند لوگوں کو اور ان میں سے ہر شخص کی سفارش اس کے گھر والوں میں، اس کے دوستوں میں اور اس کے پڑوسیوں میں قبول کی۔

ابوعبداللہ جوہری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک قصہ اس قسم کا رسالہ کے ختم پر حکایات میں نمبر تیرہ [۱۳] پر آرہا ہے اور حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے لَبَّیْك نہ کہہ سکنے کا قصہ حکایات میں نمبر سترہ [۱۷] پر آرہا ہے، ان واقعات سے معلوم ہوا کہ اللہ جلّ شانُہٗ کے لطف وکرم سے یہ اُمید رکھنا چاہیے کہ وہ محض [۱] اپنے کرم سے نواز دے گا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ وہ شخص بہت بڑا گنہگار ہے جو عرفات کے میدان میں بھی یہ سمجھے کہ میری مغفرت نہیں ہوئی۔ [اتحاف]

⑦ عَنْ أَبِيْ مُوْسٰى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ رَفَعَهٗ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْحَاجُّ يَشْفَعُ فِيْ أَرْبَعِ مِائَةٍ مِّنْ أَهْلِ بَيْتٍ أَوْ قَالَ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهٖ وَيَخْرُجُ مِنْ ذُنُوْبِهٖ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهٗ۔ [رواه البزار وفيه راو لم يسم كذا في الترغيب]	حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حاجی کی سفارش چار سو [۴۰۰] گھرانوں میں مقبول ہوتی ہے، یا یہ فرمایا کہ اس کے گھرانے میں سے چار سو [۴۰۰] آدمیوں کے بارہ میں قبول ہوتی ہے، راوی کو شک ہوگیا کہ کیا الفاظ فرمائے تھے، اور یہ بھی فرمایا کہ حاجی اپنے گناہوں سے ایسا پاک ہوجاتا ہے جیسا کہ پیدائش کے دن تھا۔

فائدہ: چار سو [۴۰۰] آدمیوں کے بارہ میں سفارش قبول ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اتنے لوگوں کی مغفرت کا تو گویا اللہ جَلَّ شانُہٗ کی طرف سے وعدہ ہے اور اس سے زیادہ میں کوئی مانع [۲] نہیں۔ بہت سی روایتوں میں یہ وارد ہوا ہے کہ حاجی جن کے لیے دعائے مغفرت کرتا ہے وہ قبول ہوتی ہے۔

حضرت فُضَیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ جو مشہور صوفیہ میں ہیں، ایک مرتبہ عرفات کے میدان میں ارشاد فرمانے لگے کہ تم لوگوں کا کیا خیال ہے اگر یہ سارا کا سارا مجمع کسی کریم کے دروازہ پر جا کر ایک چھدام [۳] اس سے مانگے، کیا وہ کریم انکار کردے گا؟ لوگوں نے کہا: کبھی بھی انکار نہیں کرسکتا، فرمانے لگے: خدا کی قسم! اللہ جَلَّ شانُہٗ کے نزدیک ان سب کی مغفرت کردینا اس کریم کے چھدام دینے سے بھی زیادہ آسان ہے، اللہ تعالیٰ کے کرم کے مقابلہ میں یہ کچھ بھی نہیں۔ [روض الریاحین]

حل لغات: ① صرف۔ ② روکنے والی چیز۔ ③ کوڑی، تھوڑی چیز۔

(۸) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا لَقِيْتَ الْحَاجَّ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَصَافِحْهُ وَمُرْهُ أَنْ يَّسْتَغْفِرَ لَكَ قَبْلَ أَنْ يَّدْخُلَ بَيْتَهٗ، فَإِنَّهٗ مَغْفُوْرٌ لَّهٗ۔ [رواه أحمد كذا في المشكوٰة]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب کسی حاجی سے ملاقات ہو تو اس کو سلام کرو، اس سے مصافحہ کرو اور اس سے پہلے کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہو، اپنے لیے دعائے مغفرت کی اس سے درخواست کرو کہ وہ اپنے گناہوں سے پاک صاف ہو کر آیا ہے۔

فائدہ: ایک حدیث میں آیا ہے کہ مجاہد اور حاجی اللہ کا وفد[۱] ہیں، جو مانگتے ہیں وہ ان کو ملتا ہے، جو دعا کرتے ہیں وہ قبول ہوتی ہے۔ اور دوسری احادیث میں بھی مختلف الفاظ سے یہ مضمون وارد ہوا ہے۔ ایک حدیث میں خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا آئی ہے کہ یا اللہ! تُو حاجی کی بھی مغفرت کر اور جس کی مغفرت کی حاجی دعا کرے اس کی بھی مغفرت فرما۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ یہ دعا کی، اس سے اور بھی زیادہ تاکید معلوم ہوتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا کہ حاجی کی بھی اللہ کے یہاں سے مغفرت ہے اور حاجی ۲۰؍ ربیع الاوّل تک جس کے لیے دعائے مغفرت کرے؛ اس کی بھی مغفرت ہے۔

سلف[۲] کا معمول تھا کہ وہ حُجّاج کی مُشایَعت[۳] بھی کرتے تھے اور ان کا استقبال بھی کرتے تھے اور ان سے دعا کی درخواست کرتے تھے۔ [اتحاف]

(۹) عَنْ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلنَّفَقَةُ فِي الْحَجِّ كَالنَّفَقَةِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِسَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ۔ [رواه أحمد و الطبراني والبيهقي. وإسناد أحمد حسن كذا في الترغيب]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حج میں خرچ کرنا، جہاد میں خرچ کرنے کی طرح سے ایک[۱] (روپیہ) کا بدلہ سات سو[۲] (روپیہ) ہے۔

فائدہ: ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا کہ تیرے عمرہ کا ثواب تیرے خرچ کی بقدر ہے یعنی جتنا زیادہ اس میں خرچ کیا جائے گا، اتنا ہی ثواب ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے کہ حج میں خرچ کرنا اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا ہے، جس کا ثواب سات سو درجہ اَضْعَاف[۴] ہوتا ہے۔ [کنز]

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حج میں خرچ کرنا ایک درم، چار کروڑ درم کے برابر ہے۔ یعنی ایک روپیہ چار کروڑ روپیہ خرچ کرنے کے برابر ہے، اس کے بعد بھی اگر مسلمان وہاں جا کر روپیہ خرچ کرنے

حل لغات: (۱) مخصوص جماعت۔ (۲) بزرگوں۔ (۳) رخصت کرنے کے لیے چند قدم ساتھ چلنا۔ (۴) دوگنا، زیادہ۔

میں بخل اور کنجوسی کا خیال کرے، تو کس قدر خسارہ[1] کی بات ہے۔

مشائخ نے حج کے آداب میں "خرچ کرنے میں تنگی نہ کرنا" خاص طور سے ذکر کیا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسراف[2] سے مراد اچھے اچھے لذیذ چیزوں کے کھانے اور پینے میں خرچ کرنا مراد ہے، لیکن وہاں کے لوگوں پر خرچ کرنے میں کوئی اسراف ہے ہی نہیں۔ میرے مشائخ کا ارشاد ہے کہ اگر کھانے پینے کی چیزوں میں بھی وہاں کے تاجروں کی اِعانت[3] کا ارادہ کرلے، تو یہ بھی پھر اپنی ذات پر خرچ کے بجائے وہاں کے اہلِ ضرورت پر خرچ بن جاتا ہے، اس کا خصوصیت سے خیال رکھنا چاہیے۔

مجھے اپنے آقا و مُرشِد حضرت اَقدَس مولانا خلیل احمد صاحب نَوَّرَاللہُ مَرْقَدَہٗ کی ہمرکابی[4] میں دو مرتبہ اس پاک زمین پر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، میں نے ہمیشہ حضرت کا یہ معمول بڑی خصوصیت سے دیکھا کہ وہاں کے قیام میں ہند کے واقف جانے والے اگر کوئی ہدیہ پیش کرتے تو اوّل تو حضرت بڑے اِصرار[5] سے اس کو یہ کہہ کر واپس فرماتے کہ یہاں کے لوگ زیادہ مستحق ہیں، ان کی خدمت میں پیش کیا جائے، مخصوص اہلِ فضل و کمال کا پتہ بھی بتا دیتے، اس کے بعد اگر کوئی اِصرار کرتا تو مجبوراً حضرت قبول فرما کر اس ناکارہ کو اس ارشاد کے ساتھ مرحمت فرما دیتے: اس کی کوئی چیز بازار سے منگا لینا کہ یہاں کے تاجروں کی بھی مدد کرنا چاہیے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ آدمی کے کریم[6] ہونے کے آثار[7] میں سے ہے کہ اس کے سفر کا توشہ[8] عمدہ ہو۔ علماء نے لکھا ہے کہ توشہ کے عمدہ ہونے سے خود اس کا بہتر ہونا بھی مراد ہوسکتا ہے اور خرچ کرنے میں طبیعت پر بار[9] نہ ہو؛ یہ بھی مراد ہوسکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دوسرا ارشاد ہے کہ بہترین حاجی وہ ہے جس کی نیت میں اخلاص ہو، نفقہ[10] بہتر ہو اور اللہ کے ساتھ یقین کامل ہو۔ [اتحاف] ایک ضعیف حدیث میں آیا ہے کہ "جو شخص اللہ کی رضا کی جگہ خرچ کرنے میں بخل[11] کرتا ہے، اس کو اس سے کئی گنا زیادہ اللہ کی ناراضی میں خرچ کرنا پڑتا ہے، اور جو شخص کسی دنیوی غرض سے حج فرض کو تاخیر کرتا ہے اس کی یہ غرض اس وقت تک مؤخر کردی جاتی ہے، جب تک لوگ حج سے فارغ ہو کر نہ آجائیں، اور جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی مدد کرنے سے پہلوتہی[12] کرتا ہے اس کو کسی گناہ کی چیز میں اعانت کرنا پڑتی ہے۔ [ترغیب وفي الكنز برواية الطبراني عن أبي جحيفة رضي الله عنه]

(۱۰) عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ رَفَعَهُ قَالَ: مَا أَمْعَرَ حَاجٌّ قَطُّ۔ قِيْلَ لِجَابِرٍ: مَا الْإِمْعَارُ؟ قَالَ: مَا افْتَقَرَ۔ [رواه الطبراني في	حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ

حل لغات: (۱) نقصان۔ (۲) فضول خرچی۔ (۳) مدد۔ (۴) ساتھ۔ (۵) ضد، بار بار تقاضہ کرنا۔ (۶) شریف۔ (۷) علامت۔ (۸) سامان۔ (۹) بوجھ، بھاری پن۔ (۱۰) خرچہ۔ (۱۱) کنجوسی۔ (۱۲) کترانا، ٹال مٹول کرنا۔

الأوسط والبزار. ورجاله رجال الصحيح. كذا في الترغيب]	حاجی فقیر ہرگز نہیں ہوسکتا۔

فائدہ: ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ حج اور عمرہ کی کثرت فقر کو روکتی ہے۔ [کنز] ایک اور حدیث میں ہے کہ لگا تار حج وعمرہ برے خاتمہ سے بھی حفاظت کا سبب ہے، اور فقر کو بھی روکتے ہیں۔ [کنز] ایک حدیث میں ہے کہ حج کرو غنی[1] بنو گے، سفر کرو صحت یاب ہوگے۔ [کنز] یعنی تبدیل آب وہوا اکثر صحت کا سبب ہوتی ہے اور بہت کثرت سے اس کا تجربہ ہوا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ لگا تار حج وعمرہ فقر اور گناہوں کو ایسا دُور کرتے ہیں، جیسا آگ کی بھٹی لوہے کے میل کو دور کرتی ہے۔ [کنز]

(۱۱) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: اِسْتَأْذَنْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْجِهَادِ، فَقَالَ: جِهَادُكُنَّ الْحَجُّ. [متفق عليه، مشكوٰة]	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد میں شرکت کی اجازت مانگی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا جہاد حج ہے۔

فائدہ: ایک اور حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا عورتوں پر بھی جہاد ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں ایسا جہاد ہے جس میں قتال نہیں اور وہ حج اور عمرہ ہے۔ [مشکوۃ] حضرت حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: میں ضعیف[2] بھی ہوں اور کم ہمت بھی ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آؤ میں تمہیں ایسا جہاد بتاؤں جس میں کوئی کانٹا بھی نہیں چبھتا (یعنی زخم ذرا بھی نہیں) اور وہ حج ہے۔ [ترغیب] ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے، انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم دیکھتے ہیں کہ جہاد سب اعمال سے افضل ہے، کیا ہم عورتیں جہاد نہ کیا کریں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے لیے افضل جہاد حجِ مقبول ہے۔ [ترغیب] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بوڑھے اور ضعیف لوگوں کا اور عورتوں کا جہاد حج ہے۔ [ترغیب] ایک اور حدیث میں ہے کہ بچے اور بوڑھے اور ضعیف آدمیوں کا اور عورتوں کا جہاد حج اور عمرہ ہے۔ [کنز]

اس قسم کے بہت سے ارشادات احادیث میں وارد ہیں اور ان سب کے علاوہ ایک ارشاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا احادیث میں آیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حج کے موقع پر عورتوں سے ارشاد فرمایا کہ "یہ حج ہے جس کو تم کر رہی ہو، اس کے بعد اپنے گھر کے بوریوں پر رہنا۔ اس حدیث پاک کی وجہ سے اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہن میں سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے تو کوئی حج اس کے بعد نہیں کیا اور یہ فرمایا کرتی تھیں کہ جب ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خود یہ ارشاد سنا ہے

حل لغات: (۱) مالدار۔ (۲) کمزور، بوڑھا۔

پھر کیسے گھر سے سفر کے لیے نکلیں، لیکن اور باقی ازواجِ مطہّرات رضی اللہ عنہن پہلی احادیث کی بناء پر حج اور عمرہ کے لیے تشریف لے جاتی رہیں۔ [ترغیب]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ارشاد اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہیں اور ان میں کوئی تعارُض[1] نہیں، اصل یہ ہے کہ عورتوں کا مسئلہ بڑا نازک ہے ان کا سفر بڑی شرائط کو چاہتا ہے، اس لیے جہاں تک حج اور عمرہ اور اس کی فضیلت کا تعلق ہے، عورتوں کے لیے وہ بہترین جہاد اور بہترین عبادت ہے، لیکن چونکہ اس میں کچھ شرائط اور پابندیاں ہیں جن کا حاصل ہونا اکثر دشوار[2] ہوجاتا ہے، اس لیے احتیاطاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمادیا۔ وہ پابندی احتیاط کی اور مَحرَم[3] کے وجود کی ہے۔ بہت سی احادیث میں یہ ارشاد ہے کہ عورت کے لیے سفر ناجائز ہے، اس وقت تک کہ اس کے ساتھ کوئی مَحرَم نہ ہو۔ ایک حدیث میں ہے کہ کوئی مرد ہرگز کسی اجنبی عورت کے ساتھ تنہا مکان میں نہ رہے اور کوئی عورت ہرگز بغیر محرم کے سفر نہ کرے۔ [مشکوٰۃ] ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ عورت پردہ کی چیز ہے، جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کے پیچھے لگ جاتا ہے اور اس کی فکر میں رہتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جس جگہ تنہا اجنبی مرد وعورت ہوں گے، تیسرا شخص وہاں شیطان ہوگا۔ [مشکوٰۃ] ایک حدیث میں ہے کہ (نامحرم) عورتوں کے پاس جانے سے بہت بچو، کسی نے عرض کیا کہ حضور! اگر دیور ہو؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیور تو موت ہے۔ [مشکوٰۃ]

موت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے لیے ہلاکت کے اسباب بوجہ ہر وقت کی قُرب[4] کے بہت زیادہ پیدا ہوسکتے ہیں۔ اس قسم کی بہت سی وعیدیں احادیث میں وارد ہیں۔ اور سفر میں بسا اوقات[5] اجنبی مردوں کے ساتھ تنہا مکان میں رہ جانے کی نوبت آجاتی ہے اور بغیر محرم کے تو سفر جائز ہی نہیں، چاہے تنہا رہنے کی نوبت آئے یا نہ آئے، پس اس صورت میں ''نیکی برباد گناہ لازم'' کا قصہ ہوجاتا ہے۔

(۱۲) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَرَادَ الْحَجَّ فَلْيَتَعَجَّلْ۔ [رواه أبوداؤد وفي الترغيب بلفظ اٰخر عن الأصبهاني]	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو حج کا ارادہ کرے اس کو جلدی کرنا چاہیے۔

فائدہ: دوسری حدیث میں یہ ارشاد ہے کہ فرض حج میں جلدی کرو، نہ معلوم کیا یات پیش آجائے۔ [ترغیب] ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ حج میں جلدی کرو، کسی کو بعد کی کیا خبر ہے کہ کوئی مرض پیش آجائے یا کوئی اور ضرورت درمیان میں لاحق[6] ہوجائے۔ [کنز] ایک اور حدیث میں ہے کہ حج نکاح سے

حل لغات: (۱) ٹکراؤ۔ (۲) مشکل۔ (۳) جس سے کسی صورت میں نکاح نہیں ہوسکتا۔ (۴) نزدیکی۔ (۵) اکثر۔ (۶) پیش آجانا۔

مُقدَّم[1] ہے۔ [کنز] ایک حدیث میں ہے کہ جس کو حج کرنا ہے جلدی کرنا چاہیے، کبھی آدمی بیمار ہو جاتا ہے کبھی سواری کا انتظام نہیں رہتا کبھی اور کوئی ضرورت لاحق ہو جاتی ہے۔ [کنز] ایک حدیث میں ہے حج کرنے میں جلدی کرو، نہ معلوم کیا عذر پیش آ جائے۔ [کنز]

ان احادیث کی بناء پر ائمہ میں سے ایک بڑی جماعت کا مذہب یہ ہے کہ جب کسی شخص پر حج فرض ہو جائے، تو اس کو فوراً ادا کرنا واجب ہے، تاخیر کرنے سے گنہگار ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ فرض حج ادا کرو، وہ بیس[20] مرتبہ جہاد کرنے سے بڑھا ہوا ہے۔ [کنز] ایک حدیث میں ہے کہ حج کرنا جہاد ہے اور عمرہ کرنا نفل ہے۔ [کنز]

(۱۳) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ خَرَجَ حَاجًّا فَمَاتَ كُتِبَ لَهُ أَجْرُ الْحَاجِّ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ، وَمَنْ خَرَجَ مُعْتَمِرًا فَمَاتَ كُتِبَ لَهُ أَجْرُ الْمُعْتَمِرِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ، وَمَنْ خَرَجَ غَازِيًا فَمَاتَ كُتِبَ لَهُ أَجْرُ الْغَازِيْ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔ [رواه أبويعلى من رواية ابن إسحق. وبقية رواته ثقات كذا في الترغيب]	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص حج کے لیے جائے اور راستہ میں انتقال کر جائے، اس کے لیے قیامت تک حج کا ثواب لکھا جائے گا، اور اسی طرح جو شخص عمرہ کے لیے جائے اور راستہ میں انتقال کر جائے اس کو قیامت تک عمرہ کا ثواب ملتا رہے گا، اور جو شخص جہاد کے لیے نکلے اور راستہ میں انتقال کر جائے اس کے لیے قیامت تک مجاہد کا ثواب لکھا جائے گا۔

فائدہ: ایک اور حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص حج یا عمرہ کے لیے نکلے اور مر جائے، نہ اس کی عدالت میں پیشی[2] ہے، نہ حساب کتاب، اس سے کہہ دیا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جا۔ [ترغیب] ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ بیت اللہ اسلام کے ستونوں میں سے ایک ستون ہے، جو شخص حج یا عمرہ کے لیے نکلے اور راستہ میں مر جائے، تو جنت میں داخل ہو جائے گا اور جو فراغت کے بعد واپس ہو، وہ اَجر[3] اور غنیمت کے ساتھ واپس ہوگا۔ [ترغیب] غنیمت کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں بھی اس خرچ کا بدلہ ملتا ہے جو حج میں خرچ کیا، جیسا کہ حدیث نمبر دس[10] کے ذیل میں گذر چکا۔ ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ جو مکہ کے راستہ میں جاتے ہوئے یا واپسی میں مر جائے، اس کی نہ پیشی ہے، نہ حساب کتاب ہے۔ [ترغیب] ایک حدیث میں ہے: جو شخص حج یا عمرہ کے ارادہ سے مکہ کے راستہ میں مر جائے، نہ اس

حل لغات: (۱) پہلے۔ (۲) حاضر ہونا۔ (۳) ثواب۔

کی پیشی ہے، نہ حساب کتاب ہے، وہ سیدھا جنّت میں داخل ہو جائے گا۔ [کنز] ایک حدیث میں ہے کہ آدمی کے مرنے کی بہترین حالت یہ ہے کہ حج سے فراغت پر یا رمضان کے روزے رکھ کر مرے۔ [کنز] یعنی یہ دونوں حالتیں ایسی ہیں کہ گناہوں سے پاک صاف ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو احرام کی حالت میں مرے گا، وہ حشر میں لبیک کہتا ہوا اُٹھے گا۔ [کنز]

(۱۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: إِنَّ امْرَأَةً مِّنْ خَثْعَمَ قَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّ فَرِيْضَةَ اللّٰهِ عَلٰى عِبَادِهٖ فِي الْحَجِّ أَدْرَكَتْ أَبِيْ شَيْخًا كَبِيْرًا لَا يَثْبُتُ عَلَى الرَّاحِلَةِ. أَفَأَحُجُّ عَنْهُ؟ قَالَ: نَعَمْ. وَذٰلِكَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ۔

[متفق عليه. مشكوٰة]

ایک صحابی عورت رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ حضور! اللہ کے فریضۂ حج نے میرے باپ کو ایسی حالت میں پایا کہ وہ بوڑھے ہیں، سواری پر بھی سوار نہیں ہو سکتے، کیا میں اُن کی طرف سے حج بدل کروں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! ان کی طرف سے حج کرو۔

فائدہ: ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ایک صحابی مرد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میری ہمشیرہ[۱] نے حج کی نذر[۲] کی تھی، اب ان کا انتقال ہو گیا کیا کرنا چاہیے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ان کے ذمہ کسی کا قرض ہوتا تو تم ادا کرتے یا نہ کرتے؟ انہوں نے عرض کیا: جی حضور! ادا کرتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اللہ کا قرض ہے، اس کو ادا کرو۔ [مشکوۃ] ایک اور صحابی رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے، انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے والد بہت بوڑھے ہیں، نہ حج کر سکتے ہیں، نہ عمرہ کر سکتے ہیں، نہ سفر کر سکتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے والد کی طرف سے حج بھی کرو، عمرہ بھی کرو۔ [مشکوۃ] ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نوع[۳] کے سوال کے جواب میں فرمایا: اگر تیرے باپ کے ذمہ قرضہ ہوتا اور تو ادا کرتا، تو وہ ادا ہو جاتا یا نہیں؟ انہوں نے عرض کیا: ادا ہو جاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر تو اللہ بڑے رحم والے ہیں (یعنی وہ قرض کیوں نہ قبول کریں گے) اپنے باپ کی طرف سے حج کر۔ [کنز]

ایک حدیث میں ارشاد ہے: جو شخص اپنے والدین کی طرف سے ان کے انتقال کے بعد حج کرے، اس کے لیے جہنم کی آگ سے خلاصی[۴] ہے اور والدین کے لیے پورا حج لکھا جاتا ہے، اس کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی اور کسی اپنے قریبی رشتہ دار کے لیے اس سے بڑھ کر صلہ رحمی نہیں کہ اس کے مرنے کے بعد اس کی طرف سے حج کر کے اس کی قبر میں پہونچائے۔ [کنز] ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے

حل لغات: (۱) بہن۔ (۲) منت ماننا۔ (۳) قسم۔ (۴) آزادی، چھٹکارا۔

دریافت کیا: یارسول اللہ! جب میرے والدین زندہ تھے، تو میں ان کے ساتھ حُسنِ سلوک کیا کرتا تھا، اب ان کا انتقال ہوگیا، اب میں ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا چاہتا ہوں تو اس کا کیا طریقہ ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اپنے لیے نماز پڑھو، تو ان کے لیے بھی نماز پڑھو (یعنی نماز پڑھ کر اس کا ثواب ان کو پہونچاؤ) اور جب اپنے لیے روزے رکھو تو ان کے لیے بھی روزے رکھو۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہم اپنے مُردوں کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں، حج کرتے ہیں، ان کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں، یہ ان تک پہونچتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہونچتا ہے اور وہ اس سے ایسے خوش ہوتے ہیں جیسا کہ تمہارے پاس طَبَاق میں کوئی ہدیہ پیش کیا گیا ہو۔ [مناسک قاری]

دوسرے کی طرف سے حج دو طرح کیا جاتا ہے۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ کسی کی طرف سے حج نفل کرے، اس کے لیے تو کوئی شرط نہیں، جس کا دل چاہے جس کی طرف سے چاہے حج نفل یا عمرہ یا طواف کرسکتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جس کی طرف سے حج بدل کرے اس کے ذمہ حج فرض ہو اور اس کے لیے کچھ شرائط ہیں، جن کو وقت پر علماء سے تحقیق کر لینا چاہیے۔

﴿۱۵﴾ إِنَّ اللّٰهَ لَيُدْخِلُ بِالْحَجَّةِ الْوَاحِدَةِ ثَلٰثَةَ نَفَرٍ الْجَنَّةَ : اَلْمَيِّتَ وَالْحَاجَّ عَنْهُ وَالْمُنَفِّذَ لِذٰلِكَ۔

[عب هب عن جابر رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ. كذا في الكنز]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ (حج بدل میں) ایک حج کی وجہ سے تین آدمیوں کو جنت میں داخل فرماتے ہیں: ایک مُردہ (جس کی طرف سے حجِ بدل کیا جارہا ہے) دوسرا حج کرنے والا، تیسرا وہ شخص (وارث وغیرہ) جو اَب حج کرا رہا ہے (یعنی حِج بدل کے لیے روپیہ دے رہا ہے)۔

فائدہ: ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی کی طرف سے حج کرے، اس حج کرنے والے کو بھی اتنا ہی ثواب ہوتا ہے، جتنا اس شخص کو ہو جس کی طرف سے حج کیا جاتا ہے۔ [کنز]

ابن مُوَفَّق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے متعدّد حج کیے، ایک مرتبہ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابن المُوَفَّق! تُو نے میری طرف سے حج کیے؟ میں نے عرض کیا کہ جی حضور! کیے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تُو نے میری طرف سے لبیک کہا؟ میں نے عرض کیا کہ جی حضرت! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن اس کا بدلہ دوں گا

حل لغات: ① اچھا برتاؤ۔ ② بڑی تھالی۔

کہ حشر کے میدان میں تیرا ہاتھ پکڑ کر جنّت میں داخل کردوں گا اور لوگ اپنا حساب کتاب کرتے رہیں گے۔ [اتحاف]

ایک حدیث میں آیا ہے کہ کسی دوسرے کی طرف سے حج کرنے میں چار شخصوں کو حج کا ثواب ملتا ہے: ایک وصیّت کرنے والے کو، دوسرے اس کو جو اس وصیّت کو لکھے، تیسرے روپیہ خرچ کرنے والے کو، چوتھے حج کرنے والے کو۔ [کنز] لیکن ایک بات کا نہایت اہتمام سے خیال رکھنا چاہیے، وہ یہ کہ حجِ بدل میں نیت خالص رکھنے کی اہتمام سے کوشش کرے، مقصد محض حج و زیارت اور دوسرے کی اِعانت[1] ہو، اس حج کی وجہ سے کوئی دُنیوی مَنفَعَت[2] مقصود نہ ہو، اگر ایسا ہوا تو حج کرانے والے کو تو ثواب مل ہی جائے گا، مگر اس حج کرنے والے کا ثواب تو ختم ہوا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جو شخص اجرت کے ساتھ حجِ بدل کرتا ہے، وہ دین کے عمل سے دُنیا کما رہا ہے، اس لیے بہتر یہ ہے کہ اس کو مُستقِل مشغلہ اور تجارت نہ بنائے کہ اللہ جلّ جلالہٗ دین کے طفیل دنیا تو عطا فرما دیتے ہیں، لیکن دنیا کے بدلہ دین عطا نہیں فرماتے۔ یعنی اس کی غرض تو دنیا کا ایندھن جمع کرنا ہوا اور اس کو ثواب مل جائے، یہ نہیں ہوتا۔ [اتحاف]

حل لغات: (۱) مدد۔ (۲) نفع۔

دوسری فصل: حج نہ کرنے کی وعید میں

حج ارکانِ اسلام میں ایک اہم رکن ہے اور اسی پر ارکان کی تمامی[۱] ہوئی ہے، جیسا کہ پہلی فصل میں گذر چکا ہے، اس لیے اس میں کوتاہی پر جتنی سختی ہو، وہ قرینِ قیاس[۲] ہے۔ اللہ جَلَّ شانُہٗ کا ارشاد ہے:

آیات

(۱) وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾ [سورۂ آل عمران: ۹۷]

ترجمہ: اور اللہ جَلَّ شانُہٗ کے (خوش کرنے کے) واسطے لوگوں کے ذمّہ اس مکان (یعنی بیت اللہ) کا حج (فرض) ہے، اس شخص کے ذمّہ ہے جو وہاں جانے کی سبیل[۳] رکھتا ہو اور جو منکر[۴] ہو تو (اللہ جَلَّ شانُہٗ کا کیا نقصان ہے) اللہ تعالیٰ تمام جہان سے غنی ہیں (ان کو کیا پروا)۔

فائدہ: علماء نے لکھا ہے کہ حج کی فرضیت کی ابتداء اسی آیت شریفہ کے نزول سے ہوئی۔ [عینی] اس آیت شریفہ میں بہت سی تاکیدیں جمع ہوگئیں، اوّل ﴿لِلّٰهِ﴾ کا لام ایجاب کے لیے ہے، جیسا کہ علامہ عینی رَحمَۃُ اللہِ عَلَیہِ نے لکھا، دوسرے ﴿عَلَى النَّاسِ﴾ کا لفظ جو نہایت لزوم پر دلالت کرتا ہے، یعنی لوگوں کی گردنوں پر یہ حق لازم ہے، تیسرے ﴿عَلَى النَّاسِ﴾ کے بعد ﴿مَنِ اسْتَطَاعَ﴾ کو ذکر کرنا، جس میں دو طرح کی تاکید ہے: ایک بدل کی، دوسرے اجمال[۵] کے بعد تفصیل کی، چوتھے حج نہ کرنے والے کو ﴿مَنْ كَفَرَ﴾ سے تعبیر[۶] کیا، پانچویں اس پر اپنے استغناء[۷] اور بے پروائی کا ذکر فرمایا، جو بڑے غصّہ کی علامت ہے اور اس کی رسوائی پر دلالت کرتا ہے، چھٹے اس کے ساتھ سارے جہان سے استغناء کا ذکر فرمایا، جس سے اور بھی زیادہ غصہ کا اظہار ہوتا ہے۔ [اتحاف]

اس میں کئی نمبر ایسے ہیں جو عربی سے تعلق رکھتے ہیں، میرا مقصد ان کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ اس ایک ہی آیتِ شریفہ میں کئی وجہ سے تاکید اور حج نہ کرنے والوں پر عتاب[۸] ہے۔ حضرت ابنِ عمر رَضِیَ اللہُ عَنہُمَا سے نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص تندرست ہو اور پیسہ والا ہو کہ حج کو جا سکے اور پھر بغیر حج کیے مر جائے؛ قیامت میں اس کی پیشانی پر ''کافر'' کا لفظ لکھا ہوا ہوگا۔ اس کے بعد انہوں نے یہ آیتِ شریفہ ﴿وَمَنْ كَفَرَ﴾ آخر تک پڑھی۔ [درمنثور]

حل لغات: (۱) مکمل ہونا۔ (۲) وہ بات جسے عقل قبول کرے۔ (۳) وسعت وطاقت۔ (۴) انکار کرنے والا۔ (۵) مختصر بات کہنا۔ (۶) بیان۔ (۷) بے نیازی۔ (۸) ناراضگی، غصہ۔

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ، ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ، طاؤس رحمۃ اللہ علیہ جو تابعین علماء میں مشہور ہیں، ان حضرات میں سے ہر ایک سے یہ نقل کیا گیا کہ اگر مجھے کسی شخص کے متعلق معلوم ہو جائے کہ وہ غنی تھا، اس پر حج واجب تھا پھر بغیر حج کیے مر گیا تو میں اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھوں۔ [اتحاف]

اگرچہ ائمہ اربعہ کے نزدیک حج نہ کرنے سے آدمی کافر نہیں ہوتا، جب تک کہ حج کا انکار نہ کرے؛ لیکن جو وعیدیں اوپر ذکر کی گئیں وہ کیا کم ہیں؟ اور آئندہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اس بارہ میں آرہے ہیں وہ مزید برآں۔

۲ وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ [سورۂ بقرہ: ۱۹۵]	ترجمہ: اور تم لوگ خرچ کیا کرو اللہ کے راستہ میں اور اپنے ہی ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

فائدہ: ایک جماعتِ مفسّرین سے یہ نقل کیا گیا کہ اس آیتِ شریفہ میں اللہ کے حقوقِ واجبہ میں خرچ نہ کرنے پر وعید ہے، اور ظاہر ہے کہ جب حج جیسے اہم فریضہ میں کوئی شخص اللہ کے دیے ہوئے مال کو خرچ نہیں کرے گا، تو اس کی اپنے ہاتھوں ہلاکت میں کیا شک ہے۔

احادیث

۱ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ مَّلَكَ زَادًا وَّرَاحِلَةً تُبَلِّغُهٗ إِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ وَلَمْ يَحُجَّ، فَلَا عَلَيْهِ أَنْ يَّمُوْتَ يَهُوْدِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا وَ ذٰلِكَ أَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَقُوْلُ: وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا۔ [رواه الترمذي وقال: هٰذا حديث غريب وفي إسناده مقال. كذا في المشكوٰة]	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص کے پاس اتنا خرچ ہو اور سواری کا انتظام ہو کہ بیت اللہ شریف جا سکے اور پھر وہ حج نہ کرے، تو کوئی فرق نہیں اس بات میں کہ وہ یہودی ہو کر مر جائے یا نصرانی ہو کر۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد کی تائید میں وہ آیت پڑھی جو اوپر گذری: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ﴾۔

فائدہ: مُحدِّثین کے قواعد کے موافق اس حدیث کی سند میں کلام ہے، لیکن اوپر کی آیتِ شریفہ اور دوسری روایات سے اس حدیث شریف کی تائید ہوتی ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کتنی اہم عبادت ہے کہ اس کا چھوڑنے والا گمراہی میں یہود اور نصاریٰ کے برابر شمار ہوتا ہے۔

حل لغات: ① اس کے علاوہ۔

② عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ لَّمْ يَمْنَعْهُ مِنَ الْحَجِّ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ أَوْ سُلْطَانٌ جَائِرٌ أَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ فَمَاتَ وَلَمْ يَحُجَّ فَلْيَمُتْ إِنْ شَاءَ يَهُوْدِيًّا وَ إِنْ شَاءَ نَصْرَانِيًّا۔	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص کے لیے کوئی واقعی مجبوری حج سے مانع نہ ہو، ظالم بادشاہ کی طرف سے روک نہ ہو یا ایسا شدید مرض نہ ہو، جو حج سے روک دے، پھر وہ بغیر حج کیے مرجائے، تو اس کو اختیار ہے کہ چاہے یہودی ہوکر مرے یا نصرانی مرے۔

[رواه الدّارمي كذا في المشكوٰة. وفي الاتحاف روي الحديث بألفاظ مختلفة وكذا بسط طرقه السيوطي في الدرّ]

فائدہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی یہ مضمون نقل کیا گیا کہ انھوں نے تین دفعہ فرمایا کہ ایسا شخص چاہے یہودی ہوکر مرے، چاہے نصرانی مرے۔ دوسری حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا گیا کہ جو شخص حج کی طاقت رکھتا ہو اور حج نہ کرے، قسم کھا کر کہہ دو کہ وہ نصرانی مرا ہے یا یہودی مرا ہے۔ [کنز] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ممکن ہے کہ ان کی یہی تحقیق ہو، ورنہ علماء کے نزدیک حج نہ کرنے سے کافر نہیں ہوتا، انکار سے کافر ہوتا ہے۔ ایک اور حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ تمام شہروں میں اعلان کرادوں کہ جو شخص باوجود قدرت کے حج نہ کرے، اس پر جزیہ[۲] مقرر کر دیا جائے، یہ مسلمان نہیں، مسلمان نہیں۔ [کنز و اتحاف] جزیہ کافروں پر مقرر کیا جاتا ہے مسلمان پر جزیہ نہیں ہوتا۔

③ مَنْ كَانَ لَهُ مَالٌ يُبَلِّغُهُ حَجَّ بَيْتِ رَبِّهِ. أَوْ تَجِبُ عَلَيْهِ فِيْهِ الزَّكٰوةُ فَلَمْ يَفْعَلْ. سَأَلَ الرَّجْعَةَ عِنْدَ الْمَوْتِ۔ [ت عن ابن عباس كنز]	حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس شخص کے پاس اتنا مال ہو جو حج کر سکے اور حج نہ کرے یا اتنا مال ہو جس پر زکوٰۃ واجب ہو اور زکوٰۃ ادا نہ کرے؛ وہ مرتے وقت دنیا میں واپس آنے کی تمنا کرے گا۔

فائدہ: تمنا کرنے سے قرآن پاک کی اس آیت شریفہ کی طرف اشارہ ہے، جس میں ارشاد ہے: ﴿حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝ لَعَلِّيْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝﴾ [سورۂ مومنون: ۹۹، ۱۰۰] ترجمہ: حتیٰ کہ جب ان میں

حل لغات: ① رکاوٹ۔ ② اسلامی حکومت میں غیر مسلم پر سالانہ ٹیکس۔

سے کسی کو موت آنے لگتی ہے، اس وقت کہتا ہے کہ اے میرے رب! مجھ کو دنیا میں واپس کردیجیے، تاکہ میں جس (مال ومتاع) کو چھوڑ آیا ہوں، اس میں پھر نیک کام کروں، (اللہ جلَّ شانُہٗ فرماتے ہیں) ایسا ہرگز نہیں ہوگا، یہ اس کی ایک بات ہے جس کو وہ کہے جارہا ہے اور ان کے آگے برزخ کا عالَم (یعنی قبر میں رہنا) ہے قیامت تک کے لیے''۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ گنہگاروں کے لیے قبروں میں ہلاکت ہے کہ کالے سانپ اس کے سر سے اور پاؤں سے ڈسنا شروع کرتے ہیں، یہاں تک کہ ڈستے ڈستے بیچ کے حصہ میں سر اور پاؤں والے مل جاتے ہیں، یہی وہ برزخ کا عذاب ہے جس کا اس آیتِ شریفہ میں ذکر ہے۔ [درِّ منثور] ایک حدیث میں آیا ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس حج کو جانے کا سامان ہو اور حج نہ کرے یا اس کے پاس مال ہو اور زکوٰۃ ادا نہ کرے، وہ مرتے وقت دنیا میں واپس کیے جانے کی درخواست کرے گا۔ کسی شخص نے عرض کیا کہ دنیا میں واپسی کی تمنا کافر کریں گے، یعنی یہ آیتِ شریفہ مسلمانوں کے لیے نہیں ہے وہ دنیا میں واپسی کی تمنا نہیں کریں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں قرآن پاک کی دوسری آیتیں سناتا ہوں جس میں مسلمانوں ہی کا ذکر ہے، اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سورۂ منافقین کے آخر کی آیتیں: ﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ﴾ [سورۂ منافقون:۹] آخر سورت تک پڑھیں، جن کا ترجمہ یہ ہے: ''اے ایمان والو! تم کو تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کرنے پائیں اور جو ایسا کرے گا (کہ اس کے مال، اولاد اس کو اللہ کی یاد سے غافل کردیں) یہی لوگ خسارہ[1] والے ہیں، اور ہم نے جو کچھ مال دیا ہے اس میں سے اس سے پہلے پہلے (اللہ کے کاموں میں) خرچ کرلو کہ تم میں سے کسی کے (سر پر) موت آجائے اور وہ (حسرت اور تمنّا سے) کہنے لگے: اے میرے رب! مجھ کو تھوڑے دن کی اور مہلت کیوں نہ دی کہ میں خیرات دے لیتا اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہوجاتا (اب یہ تمنا بے کار ہے، اس لیے کہ) اللہ جلَّ شانُہٗ جب کسی کی عمر ختم ہوجائے تو ہرگز مہلت نہیں دیتے اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کاموں کی پوری خبر ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہی آیتِ شریفہ ﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ [سورۂ منافقون:۹] پڑھی اور فرمایا کہ یہ مسلمان کا ذکر ہے کہ جب اس کو موت آتی ہے اور اس کے پاس مال ہو جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی ہو یا حج نہ کیا ہو اور اللہ کے حق ادا نہ کیے ہوں، وہ موت کے

حل لغات: (۱) نقصان۔

وقت دنیا میں واپس آنے کی درخواست کرتا ہے، لیکن اللہ جَلَّ شانُہٗ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللهُ نَفْسًا﴾ الآيةَ۔ [سورۂ منافقون: ۱۱] اللہ جَلَّ شانُہٗ اس کو ہرگز مہلت نہیں دیتے، جس کی عمر کی میعاد[1] ختم ہو چکی ہو۔ [درمنثور]

④ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَقُوْلُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: إِنَّ عَبْدًا صَحَّحْتُ لَهٗ جِسْمَهٗ وَوَسَّعْتُ عَلَيْهِ فِي الْمَعِيْشَةِ تَمْضِيْ عَلَيْهِ خَمْسَةُ أَعْوَامٍ لَا يَفِدُ إِلَيَّ لَمَحْرُوْمٌ۔	حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ جَلَّ جَلالُہٗ کا فرمان ہے کہ جو بندہ ایسا ہو کہ میں نے اس کو صحت عطا کر رکھی ہو اور اس کی روزی میں وسعت[2] دے رکھی ہو اور اس کے اوپر پانچ[5] سال ایسے گذر جائیں کہ وہ میرے دربار میں حاضر نہ ہو، وہ ضرور محروم ہے۔

[رواه ابن حبان في صحيحه وقال عليّ بن المنذر: أخبرني بعض أصحابنا كان حسن بن حُيَيّ يُعجبه هٰذا الحديث. وبه يأخذ. ويُحِبُّ للرّجل الموسر الصحيح أن لا يترك الحج خمسَ سنين. كذا في الترغيب وفي الباب عن جناب وأبي هريرة رضي الله عنهما كما في الكنز۔]

فائدہ: اس مضمون کی کئی حدیثیں روایت کی گئی ہیں۔ اس حدیث کا تقاضا یہ تھا کہ ہر صاحبِ[3] ثروت پر اگر اس میں حج کی طاقت ہو تو ہر پانچ سال میں ایک مرتبہ حج فرض ہوتا، لیکن چوں کہ دوسری احادیث میں حضورِ اقدس ﷺ سے صاف لفظوں میں یہ ثابت ہو گیا کہ حج عمر بھر میں ایک ہی مرتبہ فرض ہے، اس لیے اس حدیث کو فرض پر تو حَمل[4] نہیں کیا جاتا؛ لیکن خیر و برکت کی محرومی سے کیا انکار ہے؟ جب کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ کا ارشاد بھی ہے، اور اس کی عطا کی ہوئی صحت اور رزق کی وسعت بھی ہے، ایسی حالت میں اگر کوئی دوسری دینی ضرورت مقدَّم[5] نہ ہو تو پھر حاضر ہونا ہی چاہیے، البتہ اگر کوئی دوسری دینی ضرورت راجح[6] ہو تو وہ مقدَّم ہو گی اور اسی طرح اگر فقراء کی کثرت ہو تو صدقہ حجِ نفل سے افضل ہو گا۔

⑤ رُوِيَ عَنْ أَبِيْ جَعْفَرٍ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ عَبْدٍ وَلَا أَمَةٍ يَضِنُّ	حضورِ اقدس ﷺ سے نقل کیا گیا کہ جو کوئی بھی مرد یا عورت کسی ایسے خرچ میں بُخل[7] کرے، جو اللہ کی رضا کا سبب ہو، تو وہ اس

حلِ لغات: ① مقررہ وقت۔ ② کشادگی، خوش حالی۔ ③ مالدار۔ ④ مراد لینا۔ ⑤ پہلے۔ ⑥ افضل بہتر۔ ⑦ کنجوسی۔

بِنَفَقَةٍ يُنْفِقُهَا فِيمَا يُرْضِي اللهَ إِلَّا أَنْفَقَ أَضْعَافَهَا فِيمَا يُسْخِطُ اللهَ. وَمَا مِنْ عَبْدٍ يَدَعُ الْحَجَّ لِحَاجَةٍ مِّنْ حَوَائِجِ الدُّنْيَا إِلَّا رَأَى الْمُخَلِّفِيْنَ قَبْلَ أَنْ تُقْضٰى تِلْكَ الْحَاجَةُ يَعْنِيْ حَجَّةَ الْإِسْلَامِ. وَمَا مِنْ عَبْدٍ يَدَعُ الْمَشْيَ فِيْ حَاجَةِ أَخِيْهِ الْمُسْلِمِ قُضِيَتْ أَوْلَمْ تُقْضَ إِلاَّ ابْتُلِيَ بِمَعُوْنَةِ مَنْ يَّأْثَمُ عَلَيْهِ وَلَا يُؤْجَرُ فِيْهِ۔

سے بہت زیادہ ایسی جگہ خرچ کرے گا، جو اللہ کی ناراضی کا سبب ہو اور جو شخص کسی دنیوی غرض سے حج کو جانا ملتوی[1] کرے گا، وہ اپنی اس غرض کے پورا ہونے سے پہلے دیکھ لے گا کہ لوگ حج سے فارغ ہو کر آ گئے اور جو شخص کسی مسلمان کی مدد میں پاؤں ہلانے سے گریز[2] کرے گا، اس کو کسی گناہ کی اعانت[3] میں مبتلا ہونا پڑے گا، جس میں کچھ بھی ثواب نہ ہو۔

[رواه الأصبهاني وفيه نكارة كذا في الترغيب، رواه في مجمع الزوائد برواية الطبراني في الكبير عن أبي جحيفة وقال: فيه عبيد بن القاسم الأسدي وَهُوَ متروک ـ قلت: وهو من رواة ابن ماجه وذكره صاحب الكنز]

فائدہ: مُحَدِّثین رحمہم اللہ کے قواعد کے موافق یہ روایت ضعیف ہے، لیکن ایسے امور میں ضعیف روایت ذکر کی جاتی ہے، اس لیے مُحَدِّثین اس کو ذکر فرماتے ہیں۔ اس سے قطع[4] نظر تجربہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، جو لوگ امورِ خیر سے بچا بچا کر رکھتے ہیں خواہ مخواہ مُقدّمات وغیرہ میں، رشوتوں میں اور ان سے بڑھ کر بعض اوقات حرام کاریوں میں، ناچ گانوں اور سینماؤں میں خرچ ہونے لگتا ہے، اگر اللہ کی اس عطاء فرمائی ہوئی دولت کو خیر کے کاموں میں آدمی خرچ کرے تو پھر ان بلاؤں سے حفاظت رہے۔

یہ امر ضرور قابلِ لحاظ ہے کہ یہ وعیدیں اسی وقت ہیں جب کہ استطاعت[5] کے باوجود حج فرض ادا نہ کرے اور اس کے بالمقابل ناداری[6] کی حالت میں بالخصوص جب کہ دوسروں کے حقوق اپنے ذمہ ہوں؛ ان کے حقوق کی ذمہ داری حجِ نفل سے کہیں زیادہ ہے۔

ابن امیر الحاج مدخل میں لکھتے ہیں کہ بعض آدمی اپنے اہل وعیال کو ضیاع میں (یعنی ان کا کوئی انتظام کیے بغیر) چھوڑ کر حج کو چلے جاتے ہیں، حالاں کہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ آدمی کے گناہ کے لیے یہی کافی ہے کہ جس کا کھانا اپنے ذمہ ہے، اس کو ضائع کر دے۔

حل لغات: (۱) دیری کرنا۔ (۲) بچنا۔ (۳) مدد۔ (۴) ہٹ کر۔ (۵) حیثیت وطاقت۔ (۶) غربت، مفلسی۔

تیسری فصل: اس سفر کی مَشَقَّت کے تحمّل[1] میں

سفر خواہ کیسا ہی ہو وہ فی نفسہٖ[2] مشقّت کا سبب ہے، اسی وجہ سے شریعت نے اس میں خصوصی رعایت یہاں تک فرمائی کہ فرض نمازیں چار رکعت کی جگہ دو رکعت کردیں۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ اَلسَّفَرُ قِطْعَةٌ مِّنَ النَّارِ ''سفر آگ کا ایک ٹکڑا ہے'' پس مشقّت تو اس میں ہوتی ہی ہے اور پھر یہ سفر تو خصوصیت سے عاشقانہ سفر ہے، عُشّاق ہی کی طرح اس کو طے کرنا چاہیے کہ ان کو کوئی بُرا کہے، گالیاں دے، پتھر مارے، جو چاہے کرے، وہ اپنے خیالات میں مست اور اپنے ذوق شوق میں شاداں[3] اور فرحاں رہتے ہیں اور ہر مشقّت کا بشرطیکہ کسی دوسری دینی مصلحت یا صحت کے خلاف نہ ہو، تحمّل کرنا زیادتی اجر کا سبب ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس سفر میں آدمی جو کچھ خرچ کرے، اس کو نہایت خوش دلی سے کرے اور جو نقصان جانی یا مالی پہونچے، اس کو طیبِ[4] خاطر سے برداشت کرے کہ یہ اس کے حج کے قبول ہونے کی علامت ہے۔ حج کے راستہ میں مصیبت، جہاد میں خرچ کرنے کے برابر ہے کہ ایک درم کے بدلہ میں سات سو درم ملتے ہیں۔ اور حج کے راستہ میں تکلیف کا اٹھانا، جہاد میں تکلیف اٹھانے کے برابر ہے، اس لیے جو مشقّت یا نقصان برداشت کرے گا، اللہ کے یہاں اس کا بڑا اجر ہے، وہ ضائع نہیں ہے۔ [اتحاف]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد صحیح حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا کہ (لٰكِنَّ أَجْرَكِ عَلٰى قَدْرِ نَصَبِكِ) تیرے عمرہ کا ثواب بقدر تیری مشقّت کے ہے، اس لیے یہ بات تو ظاہر ہے کہ اس سفر میں جتنی مشقّت ہوگی اتنا ہی اجر ہوگا، مگر یہ بات ضرور قابلِ لحاظ ہے کہ وہی مشقّت باعثِ اجر ہے جو ممدوح[5] ہو، بے وجہ کی مشقّت ممدوح نہیں۔

بخاری شریف میں ایک حدیث ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ایک شخص پر ہوا، جس کے ہاتھ میں رسّی بندھی ہوئی تھی اور دوسرا شخص اس رسی سے اس کو کھینچ کر طواف کرا رہا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رسی کو کاٹ دیا اور فرمایا کہ ہاتھ پکڑ کر کھینچو، بظاہر یہ شخص نابینا تھے، یا کوئی اور عارضہ[6] ایسا تھا جس کی وجہ سے دوسرے شخص کی ضرورت تھی۔ اسی طرح ایک اور قصّہ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا

حل لغات: (۱) برداشت کرنا۔ (۲) اپنی ذات میں، دراصل۔ (۳) خوش خوش۔ (۴) خوشی، رضامندی۔ (۵) جس کی تعریف بیان کی گئی ہو۔ (۶) بیماری، دکھ۔

کہ دو شخص کسی رسّی وغیرہ سے بندھے ہوئے چل رہے ہیں، حضور ﷺ نے دریافت فرمایا: یہ کیا؟ انھوں نے عرض کیا کہ ہم نے یہ مَنّت مانی ہے کہ اسی طرح آپس میں بندھے ہوئے کعبہ تک جائیں گے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس رسّی کو توڑ دو، یہ مَنّت صحیح نہیں ہے مَنّت نیک کام میں ہوتی ہے یہ شیطانی حرکت ہے۔ [عینی علی البخاری]

البتہ پیدل چلنا اس راستہ میں ممدوح اور پسندیدہ ہے، جس قدر تحمّل[1] ہو سکے اس کو برداشت کرنا چاہیے۔ بعض علماء نے تو اس آیتِ شریفہ کی بناء پر جو رسالہ کے شروع میں ﴿وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا﴾ الآية [سورۂ حج: ۲۷] گذری ہے اور اس میں ﴿رِجَالًا﴾ یعنی پیدل چلنے والوں کو سواری پر چلنے والوں سے پہلے ذکر کیا ہے، یہ فرما دیا کہ پیدل سفر کرنا سواری پر حج کرنے سے افضل ہے اور بعض علماء نے یہاں تک فرما دیا کہ جو لوگ پیدل سفر کرنے کے عادی ہیں، ان پر حج فرض ہونے کے لیے سواری کے خرچ کی ضرورت نہیں، جب بدن میں طاقت ہو، راستہ مامون[2] ہو، تو ان پر حج فرض ہو جاتا ہے۔ [عینی]

نبی کریم ﷺ کے پاک ارشادات میں بھی حج کے لیے پیدل چلنے کی فضیلتیں کثرت سے وارد ہوئی ہیں، جن میں سے چند یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔

① عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا مَرْفُوْعًا: مَنْ حَجَّ إِلَى مَكَّةَ مَاشِيًا حَتّٰى رَجَعَ، كُتِبَ لَهُ بِكُلِّ خُطْوَةٍ سَبْعُ مِائَةِ حَسَنَةٍ مِنْ حَسَنَاتِ الْحَرَمِ. قِيْلَ: وَمَا حَسَنَاتُ الْحَرَمِ؟ قَالَ: كُلُّ حَسَنَةٍ بِمِائَةِ أَلْفِ حَسَنَةٍ.	حضور ﷺ سے نقل کیا گیا کہ جو شخص حج کے لیے پیدل جائے اور آئے، اس کے لیے ہر ہر قدم پر حرم کی نیکیوں میں سے سات سو نیکیاں لکھی جائیں گی، کسی نے عرض کیا کہ حرم کی نیکیوں کا کیا مطلب؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر نیکی ایک لاکھ نیکی کے برابر ہے۔

[صححه الحاكم كذا في العيني. قلت: وفي المستدرك بلفظ: مَنْ حَجَّ مِنْ مَكَّةَ مَاشِيًا حَتّٰى يَرْجِعَ إِلَى مَكَّةَ۔ الحديث۔ وهٰكذا في الكنز وقال قط: في الأفراد طب،ك. وتعقب هب ق وضعفه]

فائدہ: اس حساب سے سات سو نیکیاں سات کروڑ کے برابر ہو گئیں اور ہر ہر قدم پر یہ ثواب ہے، تو سارے راستہ کے ثواب کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے انتقال کے وقت اپنی اولاد کو

حلِ لغات: ① برداشت۔ ② محفوظ۔

وصیت فرمائی کہ پیدل حج کیا کرو، پھر اوپر کی حدیث بیان کی۔ [اتحاف السادۃ] نبی کریم ﷺ سے مُتعدّد روایات میں نقل کیا گیا کہ مسجدِ حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حرم میں ایک روزہ ایک لاکھ روزوں کا ثواب رکھتا ہے، اور ایک درم صدقہ ایک لاکھ درم کا ثواب رکھتا ہے، اور اسی طرح ہر نیکی جو حرم میں کی جائے غیر حرم کی ایک لاکھ کے برابر ہے۔ [اتحاف]

یہاں ایک اہم بات یہ بھی قابلِ لحاظ ہے کہ جیسا حرمِ محترم میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ نیکی کے برابر ہے، وہاں گناہ کا وبال بھی بہت زیادہ ہے۔ اسی وجہ سے بعض علماء نے مکہ مکرمہ میں قیام کو مکروہ لکھا ہے کہ گناہ آدمی سے ہو ہی جاتا ہے اور وہاں گناہ کرنا بہت سخت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں رَکْیَہ (ایک جگہ کا نام ہے جو حرم سے باہر ہے) میں ستر گناہ کرلوں، یہ اس سے بہتر ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک گناہ کروں۔ [اتحاف] چھٹی فصل کی ساتویں حدیث کے ذیل میں یہ مضمون تفصیل سے آرہا ہے۔

③ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا مَرْفُوْعًا : إِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتُصَافِحُ رُكْبَانَ الْحَاجِّ وَتَعْتَنِقُ الْمُشَاةَ [أخرجه ابن الجوزي في مثير العزم. كذا في الاتحاف وفي الدر أخرجه البيهقي عنها وضعفه]	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ سے نقل فرماتی ہیں کہ فرشتے ان حاجیوں سے جو سواری پر آتے ہیں، مصافحہ کرتے ہیں اور جو پیدل چل کر آتے ہیں، اُن سے معانقہ① کرتے ہیں۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا کہ وہ جب بیمار ہوئے تو فرمایا کہ مجھے کسی چیز کا اتنا افسوس نہیں ہے، جتنا اس بات کا ہے کہ میں نے پیدل حج نہیں کیا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جلَّ شانُہٗ نے ﴿ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ ﴾ الأية [سورۂ حج: ۲۷] اس آیت شریفہ میں پیدل چلنے والوں کو پہلے ذکر فرمایا ہے۔ [درمنثور] یہ آیت شریفہ اور اس کا ترجمہ رسالہ کے شروع میں گذر چکا ہے۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے پیدل حج کیا۔ [درمنثور] ایک روایت میں نقل کیا گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ہندوستان سے پیدل چل کر ایک ہزار حج کیے ہیں۔ [ترغیب] دوسری حدیث میں آیا ہے کہ چالیس حج پیدل کیے ہیں۔ [اتحاف] ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا معمول پیدل حج کرنے کا تھا۔ [اتحاف] ملّا علی

حل لغات: ① گلے ملنا۔

قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ افضل یہ ہے کہ جب حرم میں داخل ہو تو اس وقت پیدل چلے۔ [اتحاف]

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جو شخص قادر ہو، اس کے لیے افضل یہ ہے کہ پیدل چلے؛ اس لیے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے بیٹوں کو اپنے انتقال کے وقت اس کی وصیت فرمائی اور یہ فرمایا کہ پیدل چلنے والے کے لیے ہر قدم پر سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور ہر نیکی ایک لاکھ کے برابر ہے؛ اس لیے جو لوگ چلنے کے عادی ہیں اور راستہ کا امن حاصل ہو، ان کے لیے پیدل چلنا افضل ہے، البتہ یہ شرط ضروری ہے کہ راستہ پیدل چلنے کے لیے مامون① ہو، اور کم از کم مکہ مکرمہ سے جب عرفات پر حج کرنے جائیں، اس وقت تو جوانوں کو اور پیدل چلنے پر قادر لوگوں کو پیدل ہی چلنا چاہیے کہ اس میں علاوہ ثواب کے ہر جگہ پر مستحبات کی رعایت قابو میں رہتی ہے، سواری کے پابند ہونے سے ہر جگہ بے بس ہونا پڑتا ہے اور بہت سے مستحبات ترک ہو جاتے ہیں اور یہ سفر کچھ طویل② بھی نہیں ہے، آٹھویں تاریخ کو مکہ مکرمہ سے منیٰ تک جانا ہے جو صرف تین میل ہے، نویں کی صبح کو منیٰ سے عرفات پر جانا ہے جو پانچ چھ میل ہے، یہ معمولی معمولی منزلیں ایسی نہیں کہ نوجوانوں کے اور چلنے پر قادر لوگوں کے لیے بار③ ہوں اور ثواب اتنا زیادہ کہ ہر قدم پر سات کروڑ نیکیاں ملیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت میں جو اوپر ذکر کی گئی ہے، ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ جب انھوں نے اپنی اولاد کو پاؤں چلنے کی وصیت فرمائی تو انھوں نے دریافت کیا کہ کہاں سے پاؤں چلا کریں؟ انھوں نے ارشاد فرمایا کہ مکہ مکرمہ سے جب چلو تو پاؤں چلو۔ ایک حدیث میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا کہ جو شخص منیٰ سے عرفات تک پاؤں پر جائے، اس کو ایک لاکھ نیکیاں حرم کی نیکیوں میں سے ملیں گی۔ علی بن شعیب رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا کہ انھوں نے نیساپور سے پاؤں چل کر ساٹھ سے زیادہ حج کیے ہیں۔ اور مغیرہ بن حکیم سے نقل کیا گیا کہ انھوں نے مکہ سے چل کر پچاس سے زیادہ حج پیدل کیے اور ابو العباس رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا کہ انھوں نے اسّی حج پیدل کیے ہیں۔ اور ابو عبد اللہ مغربی رحمۃ اللہ علیہ نے ستانوے حج پیدل کیے ہیں۔ [اتحاف]

کیا اندازہ ہے ان حضرات کے ثوابوں کا کہ ہر قدم پر ستر کروڑ نیکیاں ان کو ملی ہوں گی۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے شفا میں لکھا ہے کہ ایک بزرگ نے حج کا تمام راستہ پیدل قطع④ کیا، لوگوں نے جب مشقت کا ذکر کیا تو فرمایا کہ جو غلام اپنے آقا سے بھاگا ہوا ہو، کیا وہ سواری پر سوار ہو کر حاضر ہو؟ اگر میں اس کی قدرت پاتا کہ سر کے بل چل کر حاضر ہوں تو اسی طرح حاضر ہوتا۔ یہ ایک معمولی سی مثال ہے اس

حل لغات: ① امن والا، محفوظ۔ ② لمبا۔ ③ بوجھ، بھاری۔ ④ طے کیا، پورا کیا۔

سفر میں مشقت برداشت کرنے کی۔ اسی طرح ہر اس چیز میں ہے جو خلافِ طبع[1] پیش آئے کہ حضورِ اقدس ﷺ کا وہ ارشاد جو اس فصل کے شروع میں ہے، جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ "تیرا اجر بقدر تیری مشقت اٹھانے کے ہے،" ہر تکلیف کو شامل ہے لہٰذا جتنا بھی تکالیف کا تحمل[2] ہو سکے، اس کو نہایت بشاشت[3] اور خندہ پیشانی سے برداشت کرنا چاہیے، شکوے شکایات اور بدکلامی[4]، بدگوئی[5] سے اپنے حج کے کثیر اجر و ثواب کو ضائع نہ کرنا چاہیے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ ہرگز مناسب نہیں کہ اپنے ساتھیوں پر بار بار اعتراض کرتا رہے، اسی طرح اپنے اونٹ والے پر اور دوسرے لوگوں پر، بلکہ سب کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرے اور خوش خلقی[6] کو مضبوط پکڑے رہے، اور خوش خلقی یہ نہیں ہے کہ دوسروں کو اذیت[7] نہ پہونچائے، بلکہ خوش خلقی یہ ہے کہ اذیت کا تحمل کرے، اسی وجہ سے بعض علماء نے سواری پر حج کو افضل بتایا ہے کہ پاؤں چلنے سے بسا اوقات آدمی میں ہیجان[8] اور غصہ پیدا ہوجاتا ہے اور حج میں اس سے بہت احتیاط رکھنا چاہیے، لہٰذا جن لوگوں کے پیدل چلنے سے اخلاق خراب ہوجاتے ہوں، دل میں تنگی اور ملال[9] پیدا ہوتا ہو، ان کو پیدل نہ چلنا چاہیے۔ [اتحاف]

ذوق شوق اور رغبت و اشتیاق[10] اس عبادت کی خصوصیت سے جان ہے، جس طرح ایک عاشق محبوب کے شہر کی طرف سراپا شوق و اضطراب[11] کے ساتھ چلتا ہے کہ نہ دھوپ کی پرواہ، نہ بارش کی، نہ راحت کی، نہ تکلیف کی، نہ کسی کے طعن تشنیع[12] کی، نہ بُرا بھلا کہنے کی، اسی طرح یہ سفر بھی طے کرنا چاہیے۔

ہے ریت[13] عاشقوں کی تن من نثار کرنا　　　　رونا ستم اٹھانا دل سے نیاز کرنا

حل لغات: (۱) طبیعت یا مزاج کے خلاف۔ (۲) برداشت کرنا۔ (۳) خوشی۔ (۴) بُری بات کہنا۔ (۵) بُری بات کہنا۔ (۶) اچھے اخلاق۔ (۷) تکلیف۔ (۸) جوش، چڑچڑاپن۔ (۹) رنج، غم۔ (۱۰) تمنا، شوق۔ (۱۱) بیقراری، بے چینی۔ (۱۲) بُرا بھلا کہنا۔ (۱۳) دستور، طریقہ۔

چوتھی فصل: حج کی حقیقت میں

حج درحقیقت دو منظروں کا نمونہ ہے اور اس کی ہر ہر چیز میں دو حقیقتیں پنہاں[1] ہیں، اگرچہ اللہ جلّ شانہٗ کے ہر حکم میں لاکھوں مصلحتیں اور حکمتیں ایسی ہیں کہ جن تک ہر شخص کے خیال کی بھی رسائی[2] نہیں ہوتی، لیکن بعض مصالح ایسی کھلی ہوئی اور ظاہر ہوتی ہیں جو ہر شخص کے ذہن میں آجاتی ہیں، اسی طرح حج کے ہر ہر رکن میں بہت سی مصالح تو ایسی ہیں جن تک ذہن کی رسائی بھی نہیں، لیکن یہ دو چیزیں اس کے ہر ہر رکن میں، ہر ہر جُز میں بالکل عیاں[3] ہیں۔

ایک یہ کہ نمونہ ہے موت کا اور مرنے کے بعد کے حالات کا، دوسرا نمونہ ہے عشق اور محبت کے اظہار کا اور روح کو حقیقی عشق اور حقیقی محبت سے رنگنے کا۔

نمونہ کے طور پر دونوں منظروں کی طرف مختصر طریقہ سے تنبیہ کی جاتی ہے اور اس نمونہ پر غور کرنے سے سب چیزوں میں یہ امور ظاہر اور واضح ہو جائیں گے۔

پہلا نمونہ موت اور اس کے مابعد کا منظر ہے کہ آدمی جس وقت گھر سے چلتا ہے، سب عزیز اور اَقارِب[4]، گھر باہر، وطن احباب کو ایک لخت[5] چھوڑ کر دوسرے ملک، گویا دوسرے[6] عالم کا سفر اختیار کرتا ہے، جن چیزوں کے ساتھ دل مشغول تھا، گھر باہر، کھیتی باغ، احباب کی مجلسیں سب ہی اس وقت چھوٹ رہی ہیں، جیسا کہ مرنے کے وقت سب کو بیک وقت خیر باد کہنا پڑتا ہے، حج کو روانگی کے وقت یہی چیز قابلِ غور وفکر اور قابلِ عبرت و اعتبار ہے کہ جیسا آج عارضی[7] مدت کے لیے یہ سب کچھ چھوٹ رہا ہے، بہت جلد وہ وقت بھی آنے والا ہے کہ ہمیشہ کے لیے یہ سب چیزیں چھوٹنے والی ہیں۔ اس کے بعد سواری پر سوار ہونا اگر عبرت اور غور کی نگاہ سے دیکھا جائے تو جنازہ پر سوار ہو کر چل دینے کی یاد تازہ کرتا ہے۔ گاڑی میں بیٹھنے کے بعد وہ بھی ہر قدم پر وطن اور احباب سے دُوری اور جدائی بڑھاتی رہتی ہے اور جنازہ اٹھانے والے بھی ہر قدم پر سب اَعزّہ[8] اور گھر بار، ساز و سامان سے دور لے جاتے ہیں، کچھ لوگ ضرور جنازہ کی نماز تک ساتھ دیتے ہیں اور کچھ قبر تک بھی پہونچا دیتے ہیں اور کچھ قبر میں رکھنے اور مٹی ڈالنے تک بھی ساتھ دیتے ہیں، یہ سارے منظر حاجی کے ساتھ بھی پیش آتے ہیں کہ کچھ لوگ گھر ہی سے مصافحہ کر کے ''فی امانِ اللہ'' کہہ دیتے ہیں، کچھ اسٹیشن تک تکلیف فرما لیتے ہیں اور کچھ بہت ہی خواص[9] ہوتے ہیں جو آگے جہاز تک بھی پہونچا دیتے ہیں، جہاز (اور قبر) میں جانے والے صرف وہی رفیق

حل لغات: (۱) چھپی ہوئی۔ (۲) پہونچ۔ (۳) ظاہر۔ (۴) رشتہ دار۔ (۵) فوراً۔ (۶) آخرت۔ (۷) تھوڑی، وقتی۔ (۸) رشتہ دار۔ (۹) قریبی۔

اورساتھی ہوتے ہیں جو اس عالَم تک ساتھ دینے والے ہوں، چاہے وہ عزیز واقارب ہوں یا مال و متاع[1] ہو، ان میں بعض رفیقِ سفر[2] ایسے مخلص، غمگسار، راحت رَساں[3] ہوں گے جو ہر ہر قدم پر راحت پہونچاتے ہیں اور بعض رفیق ایسے بدخُلق[4]، کج مزاج[5]، ضدی، جھگڑالو ہوتے ہیں جو سفر کی ہر منزل میں بجائے راحت کے اور مصیبت کا سبب بنتے ہیں۔

بعینہٖ[6] یہی ساری صورت آخرت کے سفر میں پیش آتی ہے کہ قبر میں ساتھ جانے والے وہی رفیقِ سفر ہیں جو آخرت تک ساتھ رہنے والے ہیں، ان میں اعمالِ حَسَنہ[7] ہر قسم کی راحت اور آرام کا سبب ہیں اور اعمال سَیِّئہ[8] ہر قسم کی اذیت اور تکلیف کا سبب ہیں، اعمالِ حَسَنہ نہایت حسین وجمیل آدمی کی صورت میں قبر میں ساتھ رہتے ہیں اور اعمال سَیِّئہ نہایت قبیح[9] صورت، ڈراونی اور گندی بُودار صورت میں ساتھ رہتے ہیں۔ اس عالم میں جتنی راحت پہونچتی ہے وہ اپنے نیک اعمال سے پہونچتی ہے، جو مرنے سے پہلے کر لیے ہوں جیسا کہ سفرِ حج میں جتنی راحت پہونچتی ہے، وہ اس مال وزر اور سامان سے پہونچتی ہے جو سفر سے پہلے مہیّا کرلیا ہو، ہاں کسی خوش قسمت کے لیے کوئی عزیز قریب یا دوست کچھ پڑھ کر یا صدقہ خیرات کر کے کچھ ایصالِ ثواب کر دے تو مرنے کے بعد بھی اس کو اپنی نہایت ضرورت کے وقت کام آجاتا ہے، جیسا کہ حاجی کے پاس کوئی اس کا عزیز یا دوست بذریعہ ہُنڈی وغیرہ کوئی روپیہ پیسہ بھیج دے، تو اس سفر میں کتنی مَسرّت اور خوشی اور راحت کا سبب اس کے لیے بنے۔ اس کے بعد سفر کے درمیان میں جتنے خطرات ڈاکو، چور، سخت مزاج حاکموں کی طرف سے سامان کی تفتیش[10]، حالات کی تحقیقات، پاسپورٹ وغیرہ جانچ پڑتال جتنے مناظر حاجی کو دیکھنا پڑتے ہیں، وہ قبر کے سارے منظروں کی یاد دلاتے رہتے ہیں کہ مُنکر نکیر کا سوال بھی ہوگا، اپنے ایمان کا امتحان بھی ہوگا، اور سانپ بچھّو وغیرہ کیڑے مکوڑے بھی قبر میں طرح طرح سے ستائیں گے، اعمال نامہ بھی اپنے ساتھ ہی ہوگا۔ ﴿وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ﴾ الآية [سورۂ بنی اسرائیل:۱۳] ہاں بہت سے مالدار جن کو اللہ نے دولت بے شمار دی ہے، وہ معمولی سی تفتیش اور پاسپورٹ وغیرہ کے بعد چند گھنٹوں میں حجاز پہونچ جاتے ہیں، اور جن کے پاس نیک اعمال کا ذخیرہ مالا مال کر دینے والا ہو، وہ قبر کے ان سارے احوال سے بے خبر اور بےفکر دلہنوں کی طرح اس میں ایسے آرام فرماتے ہیں کہ قیامت تک کا سارا طویل[11] زمانہ اُن کے لیے گھنٹوں اور منٹوں میں گذر جائے گا، جیسا کہ نئی دلہن پہلی شب[12] میں کمخواب[13] اور مخمل[14] کے بستروں پر

حل لغات: (۱) سامان۔ (۲) سفر کے ساتھی۔ (۳) آرام پہونچانے والے۔ (۴) بُرے اخلاق والے۔ (۵) بُرے مزاج والا۔ (۶) اسی کے مطابق۔ (۷) اچھے اعمال۔ (۸) برے اعمال۔ (۹) بُری، نامناسب۔ (۱۰) چھان بین۔ (۱۱) لمبا۔ (۱۲) رات۔ (۱۳) ایک قسم کا ریشمی کپڑا جس میں زری کے تار بھی استعمال ہوتے ہیں۔ (۱۴) نہایت ملائم کپڑا۔

سوتی ہے، اسی طرح یہ لوگ قبر میں سوجاتے ہیں۔

اس کے بعد احرام کی دو سفید چادریں کفن کی چادروں کی یاد ہر وقت تازہ رکھتی ہیں، اگر عبرت کی نگاہ ہو تو جتنے دن احرام بندھا رہے، ہر وقت اسی طرح کفن کی دو چادروں میں لپٹے رہنا یاد رہنا چاہیے۔ اور احرام کے وقت لبّیک (حاضر ہوں، حاضر ہوں) قیامت میں پکارنے والے کی آواز پر دوڑ پڑنے کی یاد دلاتی ہے۔ ﴿يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ﴾ [سورۂ طٰہٰ: ۱۰۸] ''اس دن سب کے سب (خدا کی طرف سے) پکارنے والے (یعنی صور پھونکنے والے فرشتہ) کے کہنے پر ہولیں گے۔'' ﴿وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۚ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ۭ﴾ [سورۂ جاثیہ: ۲۸] (تو دیکھے گا ہر امّت کو زانو پر گری ہوئی اور ہر امّت پکاری جائے گی اپنی کتاب کی طرف)۔ اور مکّہ مکرّمہ میں داخل ہونا گویا اس عالم میں داخل ہوجانا ہے، جس میں اللہ کی رحمت کی امید ہے کہ مکّہ دَارُ الامَن ہے، لیکن اپنی بداعمالیوں سے یہ خوف بھی غالب ہے کہ امن کی جگہ بھی امن نہ ملے، مکّہ کا سارا قیام اسی بیم ورَجا[1] کی یاد کو تازہ کرتا رہتا ہے کہ اس جگہ کا امن کی جگہ ہونا، اللہ کی رحمت اور مغفرت اور کرم اور لطف، انعام واحسان کی یاد تازہ کرتا رہتا ہے اور اپنی بداعمالیاں جو ساری عمر کی ہیں وہ یاد آکر ع ''مر کے بھی چین نہ آیا تو کدھر جائیں گے'' کی یاد تازہ کرتی رہے۔ اور بیتُ اللہ پر نظر پڑنا قیامت میں گھر کے مالک کے دیدار کو یاد دلاتا ہے اور جس قدر خوف اور ہیبت[2]، عظمت اور جلال کا وہ مظہر[3] ہے، وہی سارے آداب اس وقت ہونا چاہئیں جیسا کہ کسی بڑے بادشاہ کے دربار میں حاضری کے وقت ہوتے ہیں۔ اور بیتُ اللہ کا طواف ان فرشتوں کی یاد تازہ کرتا ہے کہ جو عرشِ مُعلّٰی کا طواف کرتے رہتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔

اور کعبہ کے پردوں سے لپٹ کر رونا اور مُلتزَم[4] کو چمٹنا اس قصوروار کی مثال ہے، جو کسی بڑے محسن ومُربی کا بڑا قصور کرکے اس کا دامن پکڑ کر مُعافی کے لیے روتا ہے اور اس کے گھر کے در و دیوار کو پکڑ کر روتا ہے کہ قصور کی مُعافی کے یہی راستے ہیں اور قیامت میں اپنے گناہوں کو یاد کرکے رونے کی مثال ہے۔ اور صفا مَروہ کے درمیان دوڑنا، میدانِ حشر میں اِدھر اُدھر دوڑنے کی یاد تازہ کرتا ہے، قرآن پاک کا ارشاد ہے ﴿يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۝﴾ [سورۂ قمر: ۷] ''قبروں سے اس طرح نکل رہے ہوں گے، گویا وہ ٹڈی[5] دَل ہے جو پراگندہ[6] ہے''۔

یہ منظر بندہ کے ناقص خیال میں قیامت کے ایک عجیب منظر کی یاد تازہ کرتا ہے، جس کا بڑا مفصّل[7] قصہ احادیث میں آتا ہے کہ حشر کے دن جب مخلوق نہایت پریشان حال ہوگی اور مصائب کی کثرت

حل لغات: (۱) خوف اور امید۔ (۲) دہشت۔ (۳) ظاہر ہونے کی جگہ۔ (۴) بیت اللہ میں حجرِ اسود اور دروازے کے بیچ کا حصہ جہاں دعا قبول ہوتی ہے۔ (۵) ٹڈیوں کا لشکر۔ (۶) حیران، پریشان۔ (۷) تفصیل سے۔

سے تنگ ہو کر یہ سوچے گی کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام بڑی اونچی ہستیاں ہیں اور اللہ کے مقبول بندے ہیں، ان سے جا کر سفارش کی درخواست کریں، اس خیال سے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جا کر عرض کریں گے کہ آپ ہمارے باپ ہیں، اللہ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، فرشتوں سے سجدہ کرایا، خود ہر چیز کے نام آپ کو تعلیم دیے وغیرہ وغیرہ، آپ ہماری سفارش کر دیں؛ تو وہ فرمائیں گے: میں تو نہیں کر سکتا، اگر مجھ سے اس ممنوع[1] دانہ کے کھانے کا سوال ہو گیا تو کیا ہوگا؟ تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ یہ لوگ پریشان حال حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے، وہ بھی عذر فرما دیں گے کہ میں نے طوفان کے زمانہ میں اپنے بیٹے کے بچانے کا بے محل[2] سوال کر لیا تھا، تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ بھی عذر فرما کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حوالہ دیں گے، وہ بھی عذر فرما کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حوالہ دیں گے، وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جانے کا مشورہ دیں گے اور یہ فخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لیے ہے کہ اس جلال کے دن میں سفارش کی ابتداء فرماویں گے۔

یہ بہت طویل قصہ ہے، مجھے تو صرف یہی منظر سامنے لانا ہے کہ اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر مارے مارے پریشان حال ایک دن پھرنا ہے، جو بڑا سخت دن ہوگا۔ عرفات کا میدان تو حشر کے میدان کا پورا نمونہ ہے ہی کہ آفتاب[3] کی تمازت[4] اور سب کا ایک لق ودق[5] میدان میں ایسی حالت میں اجتماع کہ مغفرت کی امید ہے، گناہوں کا خوف ہے۔ بندہ کے ناقص[6] خیال میں عَرفات کے میدان میں بڑی غور و فکر کی جو چیز ہے وہ عہد و میثاق[7] ہے، جو ازل[8] میں ﴿أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ [سورۂ اعراف: ۱۷۲] سے لیا گیا تھا کہ عالمِ اَرواح میں حق سُبحانہٗ وتقدّس نے ساری اَرواح سے یہ سوال کیا تھا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے ایک زبان ہو کر کہا تھا کہ بے شک آپ ہمارے رب ہیں۔ مشکوٰۃ شریف میں بروایت مُسندِ احمد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد نقل کیا ہے کہ یہ عہد عرفات ہی کے میدان میں ہوا تھا۔ یہ وقت اور یہ جگہ اس کے یاد کرنے کی ہے کہ کیا عہد کیا تھا؟ اور اس عہد کو کس طرح پورا کیا۔ اس کے بعد مُزدلفہ منیٰ وغیرہ کے اجتماعات ہیں۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ان مواقع میں لوگوں کا اژدحام[9] اور ان کا شور و شغب، مختلف زبانیں، مختلف آوازیں اور لوگوں کا اپنے اپنے اماموں کے پیچھے چلنا، قیامت کے میدانوں میں اپنے اپنے انبیاء علیہم السلام اور مُقتداؤں کے پیچھے چلنے کی اور حیرانی اور پریشانی کے عالَم[10] میں کبھی یہاں اور کبھی وہاں جانے کی یاد تازہ کرتا ہے، ان مواقع میں عاجزی اور زاری[11] کا اہتمام کر کہ کام آنے والی چیز ہے۔

حل لغات: (۱) منع کیا ہوا۔ (۲) بے موقع۔ (۳) سورج۔ (۴) گرمی۔ (۵) چٹیل۔ (۶) کمزور۔ (۷) وعدہ کا اقرار۔ (۸) سب سے پہلے، انسانوں کی پیدائش کا وقت۔ (۹) بھیڑ، مجمع۔ (۱۰) حالت۔ (۱۱) رونا گڑگڑانا۔

یہ مختصر خاکہ ہے حج کے اُس مَنظر کا جو قیامت کی یاد کو تازہ کرتا ہے، جس کو مختصر الفاظ اور مختصر اَحوال کے ساتھ اشارات کے طرز[1] پر میں نے لکھا ہے، غور کیا جائے تو اسی نمونہ سے بہت سی تفصیلات سمجھ میں آ سکتی ہیں۔

دوسرا منظر: اظہارِ عشق و محبّت کا ہے، وہ حاجی کے حال سے ایسا ظاہر اور واضح ہے کہ اس کے لیے کسی تفصیل کی حاجت نہیں، بندوں کا تعلّق حق تعالیٰ و تقدّس کے ساتھ دو طرح کا ہے! ایک نیاز مندی اور بندگی کا کہ وہ پاک ذات مالک ہے، خالق ہے، اس تعلّق کا مَظہر[2] ''نماز'' ہے جو سراسر نیاز و اظہارِ عبدیّت[3] ہے، اسی لیے اس میں ساری چیزیں اسی تعلّق کا مظہر ہیں کہ نہایت وقار اور سکون کے ساتھ موزوں[4] لباس اور شاہی آداب کے مناسب حالات کے ساتھ حاضری دربار کی ہے کہ وضو اور پاک کپڑوں کے ساتھ نہایت وقار اور سکون سے اوّل کانوں پر ہاتھ رکھ کر عبدیت اور اللہ جلّ جلالہٗ کی بڑائی کا اقرار کرے پھر ہاتھ باندھ کر مَعْرُوضہ[5] پیش کرے پھر سر جھکا کر تعظیم کرے، اور پھر زمین پر ماتھا رگڑ کر اپنی نیازمندی اور عجز کا اظہار کرے اور آقا کی بڑائی کا زبان سے اقرار کرتا رہے اور کوئی قول و فعل اُس کی بڑائی اور اپنے عجز کے خلاف نہ ہو۔

اس نوع[6] میں سکون و وقار کی جتنی پابندی کی جائے گی وہ اس کے شایانِ شان ہوگا، اسی لیے نماز کے لیے بھاگ کر چلنا مکروہ ہے، نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے بھی انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر بیٹھنا مکروہ ہے، نماز میں انگلیاں چٹخانا مکروہ ہے، بے ضرورت کھانسنا مکروہ ہے، حتّٰی کہ اِدھر اُدھر نظر کرنا مکروہ ہے، بے ترتیب یعنی ناموزوں ہَیئَت[7] سے کپڑا پہننا مکروہ ہے، ایسے ہی بدن پر کپڑا لٹکانا مکروہ ہے۔ یہ عبادت نماز میں بات کرنے سے ضائع ہوجاتی ہے، وضو ٹوٹ جانے سے جاتی رہتی ہے، حتّٰی کہ بے اختیار اور بے ارادہ بھی ہنس پڑنے سے ضائع ہوجاتی ہے، حتّٰی کہ سجدہ میں دونوں پاؤں زمین سے اٹھ جانے سے ضائع ہوجاتی ہے، اس لیے کہ یہ بھی سکون اور وقار کے خلاف ہے۔

حق تعالیٰ و تقدّس کے ساتھ دوسرا تعلّق محبت اور عشق کا ہے کہ وہ مُرَبِّیْ[8] ہے، مُنْعِم[9] ہے، مُحْسِن[10] ہے اور جمال و کمال کے جتنے اوصاف ہوسکتے ہیں ان سب کے ساتھ مُتَّصِف[11] ہے، اِدھر ہر آدمی میں فطری طور پر عشق و محبّت کا مادّہ موجود ہے۔

ازل سے حسن پرستی لکھی تھی قسمت میں	مرا مزاج لڑکپن سے عاشقانہ تھا
پیدا ہوئے تو ہاتھ جگر پر دَھرے ہوئے	کیا جانیں ہم ہیں کب سے کسی پر مَرے ہوئے

حلِ لغات: (۱) طریقہ۔ (۲) ظاہر ہونے کی جگہ۔ (۳) بندگی۔ (۴) مناسب، ٹھیک۔ (۵) گزارش، درخواست۔ (۶) قسم۔ (۷) نامناسب حالت۔ (۸) تربیت کرنے والا۔ (۹) انعام دینے والا۔ (۱۰) احسان کرنے والا۔ (۱۱) وہ شخص جس کے ساتھ کوئی صفت لگی ہو۔

مری طفلی[1] میں شانِ عشق بازی آشکارا[2] تھی
اگر بچپن میں کھیلا کھیل تو آنکھیں لڑانے کا

جو چشم[3] کہ بے[4] نم ہو وہ ہو کور[5] تو بہتر
جو دل کہ ہو بے داغ وہ جل جائے تو اچھا

ترے فراق[6] میں جینا بشر کا کام نہیں
ہزار شکر کہ اس عمر کو دوام[7] نہیں

شاید بزمِ ازل نے اک نگاہِ ناز سے
عشق کو اس انجمن میں مسند[8] آرا کردیا

اسی تعلّق کا مظہر حج ہے کہ سفر کی ابتداء ہی سب تعلّقات کو ختم کرکے، سب عزیز واقارب، گھر بار سے منہ موڑ کر، کوچۂ[9] یار کی طرف جانا ہے اور جنگلوں اور گلی کوچوں میں مارے مارے پھرنا ہے کہ یہی دو چیزیں عاشقوں کا کام ہیں۔

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوانِ[10] عشق
او بصحرا رفت وما در کوچہا رسوا شدیم

نیا رنگ لائی مری بے کسی
چھٹا دیس جنگل کی دُھن ہوگئی

چمن سے مجھے شوق صحرا ہوا
نئے رنگ کا مجھ کو سودا[11] ہوا

حسرت و یاس وتمنّا تمہیں وحشت کی قسم
بھیڑ چھوڑو مجھے جنگل کو نکل جانے دو

اور یہ ساری وحشت[12] اور اشتیاق کیوں ہے؟ یہ اضطراب اور بے چینی آخر کیوں مُسلّط[13] ہوئی، اس لیے کہ محبوب کے در پر عُشّاق کے اجتماع کا ایک وقت مقرر ہے، وہ قریب آ گیا۔

اجازت ہو تو آکر میں بھی شامل ان میں ہوجاؤں
سُنا ہے کل ترے در پر ہجوم[14] عاشقاں ہوگا

دوست آوارگی ہمی خواہد
رفتنِ حج بہانہ افتاد است

یعنی محبوب آوارگی کا نظارہ دیکھنا چاہتا ہے، حج کے سفر کو اس کا بہانہ بنادیا۔ اور جب اس ارادہ اور جذبہ سے گھر سے نکلنا ہے، تو یہ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ عشق میں مصائب ایک لازمی چیز ہے۔

سالک[15] راہِ محبّت کا خدا حافظ ہے
اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں

او دل ذرا سنبھل کے محبّت کا نام لے
کمبخت بارِ عشق اٹھایا نہ جائے گا

جب عشق کے طُفیل یہ مبارک سفر ہے، تو راستہ کی سب مشقتیں اسی ذوق اور جذبہ کے ماتحت ہونا ضروری ہیں اور اسی فریفتگی[16] سے ان کو برداشت کرنا چاہیے۔

مصائب حادثے آفت اَلم ذلّت قضا[17] تُربت[18]
دکھاتی جائے جو اُن کی جوانی دیکھتے جاؤ

حل لغات: (۱) بچپن۔ (۲) ظاہر، کھلی ہوئی۔ (۳) آنکھ۔ (۴) بغیر بھیگی ہوئی۔ (۵) اندھی۔ (۶) جدائی۔ (۷) ہمیشگی۔ (۸) مسند پر بٹھانا۔ (۹) گلی۔ (۱۰) ہم اور مجنوں دیوان عشق میں ہم سبق تھے، وہ تو گریباں چاک کرکے جنگل کو نکل گیا اور ہم معشوق کی گلیوں میں رسوا ہوتے رہے۔ (۱۱) دھن لگن۔ (۱۲) گھبراہٹ۔ (۱۳) چھائی، مقرر۔ (۱۴) بھیڑ، مجمع۔ (۱۵) راستہ چلنے والا۔ (۱۶) محبت، عشق۔ (۱۷) موت۔ (۱۸) قبر۔

درد و غم رنج و الم فکر و قلق[1] خوف و ہراس[2] — وہ بلا کونسی ہے جو شبِ[3] ہجراں میں نہیں

اذیّت مصیبت ملامت بلائیں — ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا

الفت میں برابر ہے جفا ہو کہ وفا ہو — ہر چیز میں لذّت ہے اگر دل میں مزا ہو

اس کے بعد احرام بھی اسی عاشقانہ رنگ کا پورا مَظْہر ہے کہ نہ سر پر ٹوپی، نہ بدن پر کرتا، فقیرانہ صورت، نہ خوشبو، نہ زینت، ایک مجنونانہ ہیئت[4]، جو کرب و بے چینی کے کمال کو ظاہر کرتی ہے۔

خوشی سے اپنی رسوائی گوارا ہو نہیں سکتی — گریباں پھاڑتا ہے تنگ جب دیوانہ آتا ہے

چشمِ تر[5] خاک[6] بسر چاک گریباں[7] دل زار[8] — عشق کا ہم نے یہ دنیا میں نتیجہ دیکھا

نہ رکھ لباس کا الجھاؤ تن[9] پہ دستِ[10] جنوں — کیا ہے چاک[11] گریباں تو پھاڑ دامن بھی

اصل یہ تھا کہ گھر سے نکلتے ہی یہ حالت شروع ہو جاتی، اسی وجہ سے بعض علماء کے نزدیک گھر ہی سے احرام باندھ کر جانا افضل ہے، مگر چونکہ احرام کے بعد بہت سی چیزیں ناجائز ہو جاتی ہیں اور اس قسم کے لباس کا تحمّل[12] بھی بعض ناز پروردہ[13] لوگوں کو مشکل ہو جاتا ہے، اس لیے اللہ کی رحمت نے اس کی اجازت دے دی کہ شروع سے احرام نہ باندھا جائے کہ اس میں مَشَقّت ہوگی، البتہ جب کوئے[14] یار کے قریب پہونچے، تو اس کا اہتمام ضروری ہے کہ اس کے کوچہ[15] میں اسی حال سے داخل ہونا ہے کہ سر پر بال بکھرے ہوئے ہوں، لباس میں مجنونانہ ہیئت ہو، میلے کچیلے حال میں ازخود رفتہ[16] عاشقوں کی سی صورت ہو، اسی کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاک ارشاد میں ظاہر فرمایا: "اَلْحَاجُّ الشَّعِثُ التَّفِلُ" "حاجی بکھرے ہوئے بالوں والا میلا کچیلا ہوتا ہے" یعنی یہ کہ راستہ میں کچھ گرد و غبار بھی بے تابی اور شوق میں بدن پر پڑا ہو، اسی حالت کو حق تعالیٰ شانُہٗ خود بھی تفاخُر[17] کے طور پر فرشتوں سے ظاہر فرماتے ہیں: "اُنْظُرُوْا اِلٰی زُوَّارِ بَیْتِیْ قَدْ جَاءُوْنِیْ شُعْثًا غُبْرًا" "میرے گھر کے مشتاقوں کو دیکھو کہ میری طرف بکھرے ہوئے بالوں اور گرد و غبار کی حالت میں آئے ہیں"۔

اپنے دیوانوں کی فریاد سے خوش ہوتے ہیں — پسِ[18] دیوار کھڑے سنتے ہیں شیوَن[19] ان کا

نالے کرتا جو میں پھرتا ہوں تو خوش ہوتے ہیں — غش وہ اس پر ہیں کہ شہرت میری ہر سُو[20] ہو جائے

اور ظاہر ہے کہ جب جنگلوں اور پہاڑوں کی خاک چھانتا ہوا، روتا پیٹتا وہاں پہونچا ہے تو یہ چیزیں ضرور ہوں گی اور جتنے اثرات اس کے زیادہ ہوں گے، اتنا ہی شوق اور بے تابی کا اظہار ہوگا۔

حل لغات: (۱) افسوس۔ (۲) ڈر۔ (۳) جدائی کی رات۔ (۴) حالت۔ (۵) بھیگی آنکھ۔ (۶) مٹی و دھول میں رہنے والا۔ (۷) گلے کے سامنے کا حصہ پھٹا ہوا ہونا۔ (۸) رونے والا دل۔ (۹) جسم۔ (۱۰) ہاتھ۔ (۱۱) پھاڑنا۔ (۱۲) برداشت۔ (۱۳) لاڈ اور نعمت میں پلے ہوئے۔ (۱۴) دوست کا محلہ۔ (۱۵) گلی، محلہ۔ (۱۶) دیوانے۔ (۱۷) فخر۔ (۱۸) پیچھے۔ (۱۹) ماتم، آواز سے رونا۔ (۲۰) ہر جگہ۔

چھانے ہیں پائے محبت سے بیاباں[1] کیا کیا — پارتلووں سے ہوئے خارِ مغیلاں[2] کیا کیا

وحشی نے تیرے خاک اڑائی یہاں تلک — ملتا نہیں زمین کا پتہ آسماں تلک

اسی حالت میں مستانہ[3] وار لَبَّیْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّیْكَ. لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ (میں حاضر ہوں، حاضر ہوں، اے اللہ میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، حاضر ہوں) کا نعرہ لگاتا ہوا، روتا اور چلاّتا ہوا، نالہ وفریاد کرتا ہوا پہونچتا ہے، اسی کی طرف حضورِ اقدس ﷺ نے اپنے پاک ارشاد ''اَلْحَجُّ اَلْعَجُّ وَالثَّجُّ'' میں اشارہ فرمایا کہ: ''حج (کا کمال خوب) چلاّنا اور قربانی کا خون بہانا ہے۔'' بہت سی احادیث میں مردوں کے لیے لبیک آواز سے پڑھنے کی ترغیب ہے۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھ سے یہ کہا کہ اپنے ساتھیوں کو اس کا حکم کروں کہ لبیک پکار کر کہیں اور ظاہر بات ہے کہ نالہ وفریاد کے ساتھ چلاّنا عشق کی جان ہے۔

نالہ کرلینے دیں لِلّٰہ[4] نہ چھیڑیں احباب[5] — ضبط[6] کرتا ہوں تو تکلیف سِوا[7] ہوتی ہے

فغاں[8] میں آہ میں فریاد میں شیون میں نالے میں — سناؤں دردِ دل طاقت اگر ہو سننے والے میں

دم بدم سینۂ[9] سوزاں سے نہ کر نالہ گرم — پڑ نہ جائیں تیری مِنقار[10] میں چھالے بلبل

بیخودیٔ[11] شوق کی اور عرضِ[12] تمنّا ان سے — نہیں معلوم کہ منہ سے مرے کیا کیا نکلا

کسی کی یاد نے کیا کیا نئے تحفے دیے ہم کو — جگر میں ٹیس دل میں درد لب پر آہ و نالے ہیں

کون ہوتا ہے مُونسِ[13] شبِ[14] غم — نالہ ہوتا ہے آہ ہوتی ہے

اسی بےچینی اور اضطراب، نالہ اور فریاد کے ساتھ آخر وہ محبوب کے شہر تک پہونچ جاتا ہے اور مکّہ مکرّمہ میں داخل ہوجاتا ہے۔

ڈھونڈتے ڈھونڈتے جا پہونچے ہم اس کے گھر تک — دلِ گم گشتہ[15] میرے حق میں تو رہبر نکلا

جذبِ دل نے آج کوئے[16] یار میں پہونچا دیا — جیتے جی میں گلشنِ[17] جنت میں داخل ہوگیا

میں نے اپنے حضرت مُرشدِ عالم مولانا خلیل احمد صاحب نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ کو بہت کم شعر پڑھتے سنا ہے، لیکن جب حج کے لیے تشریف لے گئے اور مسجدِ حرام میں تشریف فرما تھے تو میں نے بہت عجیب انداز سے یہ شعر پڑھتے سنا۔

کہاں ہم اور کہاں یہ نکہتِ[18] گُل — نسیمِ[19] صبح تیری مہربانی

حل لغات: (۱) جنگل، ویرانہ۔ (۲) ببول یا کیکر کے درخت کے کانٹے۔ (۳) جھومتے ہوئے۔ (۴) اللہ کے واسطے۔ (۵) دوست۔ (۶) صبر کرنا۔ (۷) زیادہ۔ (۸) رونا پیٹنا۔ (۹) جلتا ہوا سینہ۔ (۱۰) چونچ۔ (۱۱) بےہوشی۔ (۱۲) دل کی بات کہنا۔ (۱۳) ساتھی، دوست۔ (۱۴) غم کی رات۔ (۱۵) کھویا ہوا دل۔ (۱۶) دوست کی گلی۔ (۱۷) باغ۔ (۱۸) پھول کی خوشبو۔ (۱۹) صبح کی ٹھنڈی ہوا۔

ایک دل کھویا ہوا جس کے دل میں واقعی زخمِ محبّت ہو، جب محبوب کے گھر پہونچ جاتا ہے تو اس پر کیا گذرتی ہے اور وہ کیا سوچتا ہے، یہ چیزیں الفاظ سے تعبیر نہیں ہوتیں۔

تابِ نظارۂ[1] معشوق کہاں عاشق کو غشؔ[2] نے موسیٰ کو سرِ طور سنبھلنے نہ دیا

وہ کہتا ہے۔

اے دل یہ شبِ[3] وصل نہ کل ہوگی میسّر جو کچھ کہ اُڑانے ہیں مزے آج اُڑا لے

اس کے بعد وہ جو جو حرکتیں کرتا ہے، وہ کسی ضابطہ اور آئین[4] کی پابند نہیں، کہیں محبوب کے گھر کے چکّر کاٹتا ہے، کہیں اس کے در و دیوار اور چوکھٹ کو چومتا ہے، آنکھیں مَلتا ہے، پیشانی اور سر رگڑتا ہے۔

سر کو وحشت میں پہاڑوں سے بچا کر لایا در و دیوار سرِ کوچۂ جاناں کے لیے

ہم کو طواف کوچۂ جاناںؔ[5] نہ چاہیے زاہد کو کعبہ رِندؔ[6] کو مے خانہ چاہیے

طواف کی ابتداء حَجرِ اسود کے بوسہ سے ہے، جس کو حدیث پاک میں اللہ جَلَّ شانُہٗ کے دستِ مبارک سے تعبیر کیا ہے اور اس کا بوسہ گویا دست[7] بوسی ہے آقائے کریم کی اور انتہائی لطف و کرم ہے اس مالک کا جس نے یہ سعادت خاک کے پُتلوں کو عطا فرمائی۔ عُشّاق[8] کے نزدیک محبوب کے گھر کو، در و دیوار کو چومنا، اس کی عَتبہ[9] بوسی، قدم بوسی، دست بوسی وغیرہ عشق کے ایسے لوازمات[10] میں سے ہیں کہ شاید ہی کوئی دل کھویا ہوا شاعر ایسا ہوگا، جس نے کسی نہ کسی عنوان سے اس کو اہم مقصد نہ بنایا ہو۔

أَمُرُّ عَلَى الدِّيَارِ دِيَارِ لَيْلىٰ أُقَبِّلُ ذَا الْجِدَارَ وَ ذَا الْجِدَارَ

''میں جب لیلیٰ کے شہر میں پہونچتا ہوں، کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں اور کبھی اس دیوار کو''

رکھا سر پاؤں پر اس کے تو بولا کہ تو بھی بے سر و پا[11] کس قدر ہے

مجھ پر نہ کریں کوئی عنایت[12] حسرت ہے یہ کہہ دیں مسکرا کر

آرام کیا کروں میں جب تک آنکھیں تلووں سے تُو مَلا کر

پامال[13] کر گیا ہے کوئی دل کو راہ میں آنکھوں کو مَل رہے ہیں کسی نقشِ[14] پا سے ہم

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرِ اسود پر اپنے لبِ[15] مبارک رکھے اور بہت دیر تک رکھے رہے اور آنسو جاری تھے، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی کھڑے رو رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یہی جگہ ہے جہاں آنسو بہائے جاتے ہیں۔''

حل لغات: (۱) محبوب کو دیکھنے کی طاقت۔ (۲) بیہوشی۔ (۳) ملاقات کی رات۔ (۴) قانون۔ (۵) معشوق۔ (۶) شراب پینے والا۔ (۷) ہاتھ چومنا۔ (۸) عاشق کی جمع۔ (۹) چوکھٹ چومنا۔ (۱۰) وہ چیزیں جو ضروری ہوں۔ (۱۱) حیران پریشان۔ (۱۲) مہربانی، توجہ۔ (۱۳) پیر سے روندنا۔ (۱۴) پاؤں کا نشان۔ (۱۵) ہونٹ۔

مختصر یہ ہے ہماری داستاں ۔۔۔ خود بخود ہیں آنکھ سے آنسو رَواں[1]
رخسارِ زَرد[2] پر میرے بہتے ہیں اشکِ خوں[3] ۔۔۔ یکجا دکھا رہی ہے خزاں[4] و بہار رنگ
زمیں تک مرے آنسو آنے لگے ۔۔۔ فلک[5] تک مرے نالے جانے لگے
مری چشمِ[6] تر کا یہ کیا حال ہے ۔۔۔ کہ دامن سے تا آستیں لال ہے
نہ آنکھوں سے لگتی جھڑی آنسوؤں کی ۔۔۔ جو غم کی گھٹا دل پہ چھائی نہ ہوتی

کعبہ شریف کے پردہ سے لپٹنا چمٹنا بھی اسی عاشقانہ شان کا ایک خاص منظر ہے کہ محبوب کے دامن سے چمٹنا بھی عشق کے مَظاہر[7] میں سے ایک مخصوص مظہر ہے۔

اے ناتوانِ عشق تجھے حسن کی قسم ۔۔۔ دامن کو یوں پکڑ کہ چھڑایا نہ جا سکے
اے جنوں دیوانگی ایسی بھی کیا ۔۔۔ دامنِ بادِ بَہاری[8] چھوڑ دے
مدتوں میں جس کے ہاتھ آئی ہو وہ ۔۔۔ آستیں کیوں کر تمہاری چھوڑ دے
اس کے دامن کو پکڑ میں نے کہا ۔۔۔ اب کوئی چھوڑوں ہوں اے رشکِ پری
مسکرا کر ناز سے کہنے لگا ۔۔۔ عاشقی کرتے ہو یا زور آوری[9]

مُلتزم جو کعبہ شریف کی دیوار کا ایک خاص حصّہ ہے، متبرّک[10] جگہ ہے، اس جگہ خصوصیت سے دعا قبول ہوتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس سے چمٹ رہے تھے اور اپنے چہرہ کو اس سے لگا رہے تھے۔

آج اَرشد کو عجب حال میں دیکھا ہم نے ۔۔۔ رو رہا تھا وہ کسی شخص کی دیوار کے پاس

اس کے بعد صَفا مَروَہ کے درمیان دوڑنا بھی اسی مجنونانہ انداز کا ایک پُرکیف[11] منظر ہے کہ ننگے سر، نہ کرتہ، نہ پاجامہ، اِدھر سے اُدھر، اُدھر سے اِدھر، بھاگے بھاگے پھر رہے ہیں۔

کیوں کر جنوں میں دشت[12] نَوَردی نہ ہو پسند ۔۔۔ پایا ہے آبلوں[13] نے مزا نوکِ[14] خار میں
اب نہیں دل کو کسی صورت قرار ۔۔۔ اس نگاہِ ناز نے کیا سحر[15] ایسا کر دیا
گرا ے زاہد دعائے خیری گوئی مُرا ایں گو ۔۔۔ کہ آں آوارۂ کوئے بتاں آوارہ تر بادا

یعنی صوفی جی اگر تم اس ناکارہ کے لیے کبھی دعائے خیر کرو، تو یہ دعا کرنا کہ وہ جو معشوقوں کی گلیوں کا آوارہ گرد ہے، اس کی آوارگی اور زیادہ ہو جائے۔ اسی اضطراب، بے چینی، آوارہ گردی، صحرا[16] نَوَردی کا

حل لغات: (۱) جاری۔ (۲) پیلے پیلے گال۔ (۳) خون کے آنسو۔ (۴) پت جھڑ کا موسم۔ (۵) آسمان۔ (۶) آنکھ۔ (۷) ظاہر ہونے کی جگہیں۔ (۸) موسم بہار کی ہوا۔ (۹) زبردستی۔ (۱۰) بابرکت۔ (۱۱) خوشی اور سرور سے بھرا ہوا۔ (۱۲) جنگل میں پھرنا، دربدر پھرنا۔ (۱۳) چھالوں۔ (۱۴) کانٹے کی نوک۔ (۱۵) جادو۔ (۱۶) جنگل میں پھرنا۔

مُظہر ہے کہ صبح کو مکہ میں، رات کو منیٰ میں، پھر صبح کو عرفات کا جنگل بیابان، شام ہوتے ہی مزدلفہ بھاگ آئے، صبح ہی صبح وہاں سے پھر منیٰ، دوپہر کو پھر مکہ مکرمہ واپسی، شام کو پھر منیٰ لوٹ گئے۔

عشقِ مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود   گوئے گشتن بہر اُو اَولیٰ بود

یعنی مولیٰ کا عشق کیا لیلیٰ کے عشق سے بھی کم ہوسکتا ہے؟ مولیٰ کے عشق میں تو گلی گلی مارے مارے پھرنا اور بھی زیادہ بہتر ہے۔

ایک جا[1] رہتے نہیں عاشق بدنام کہیں   دن کہیں رات کہیں صبح کہیں شام کہیں
ہے گدائی[2] مجھ کو بہتر تیرے حسن و عشق کی   ہم بھکاری بھیک کے دَر دَر ہمیں رُلنا[3] پڑا
دشت[4] میں صحرا میں ویرانہ میں کوئے یار میں   چلتا پھرتا مثلِ سایہ مَیں انہی چاروں میں ہوں
عشق خانہ خراب کی خاطر   در بدر شہر یار پھرتے ہیں
وحشتِ[5] دل سے ہیں مجنوں کی طرح خاک[6] بسر   چھانتے پھرتے ہیں ہم کوہ و بیاباں[7] دن رات

اس سب کے بعد منیٰ میں شیاطین کے پتھر مارنا، اس جنون و وحشت کے آخری حصّہ کا نظارہ ہے، جو عُشّاق کو پیش آتا ہے، عاشق کا جنون[8] جب حد سے تجاوُز کرتا ہے، تو وہ ہر اس شخص کے پتھر مارا کرتا ہے جس کو وہ اپنے کام میں مُخِل[9] سمجھتا ہے۔ع

میں اسے سمجھوں ہوں دشمن جو مجھے سمجھائے ہے

اور سب سے آخر میں قربانی جو حقیقتاً اپنی جان کی قربانی ہے، اللہ جَلَّ شانُہٗ نے اپنی غایتِ[10] رحمت اور رافت[11] سے اس کو جانور کی یعنی مال کی قربانی سے بدل دیا ہے، یہی عشق کا مُنتہا اور آخری حال ہے۔

موت ہی سے کچھ علاجِ دردِ فُرقت[12] ہو تو ہو
غُسلِ میّت ہی ہمارا غُسلِ صحت ہو تو ہو

موت ہی ہے علاج عاشق کا   اس سے اچھی نہیں دوا کوئی
کسی کی تیغ[13] ہو میرا گلو[14] ہو   دلِ مُضطر[15] کی پوری آرزو ہو
اے موت جلد آ کہ یہ جھگڑا کہیں چُکے   کب تک شبِ[16] فراق کے صدمے اٹھائے دل
سِسکتا چھوڑ کر جاتا ہے وہ مجھ نیم[17] بسمل کو   خدارا بڑھ کے اے شوقِ شہادت روک لے اس کو

یہ مختصر اشارات ہیں حج کے اس منظر کے، جو عشق سے تعلّق رکھتے ہیں، جس کے دل میں کچھ

حل لغات: (۱) جگہ۔ (۲) بھیک مانگنا۔ (۳) تباہ ہونا۔ (۴) جنگل۔ (۵) دل کی دیوانگی۔ (۶) مٹی میں سر۔ (۷) پہاڑ و جنگل۔ (۸) دیوانگی، پاگل پن۔ (۹) خلل ڈالنے والا، گڑ بڑ کرنے والا۔ (۱۰) بے انتہا رحمت۔ (۱۱) مہربانی۔ (۱۲) جدائی کی رات۔ (۱۳) تلوار۔ (۱۴) گلا۔ (۱۵) بے چین دل۔ (۱۶) جدائی کی رات۔ (۱۷) آدھا ذبح کیا ہوا۔

چوٹ ہوگی، کوئی زخم لگا ہوگا، دیوانگی سے کوئی سابقہ پڑا ہوگا؟ وہ ان اشارات کے بعد وہاں پہونچ کر دیکھے گا کہ اس سفر کا ہر ہر جُز اس مَظہر کو اپنے اندر پوری طرح لیے ہوئے ہے، تفصیل کے لیے دفتر بھی کافی نہیں اور پھر جَذبات کاغذ پر آتے بھی نہیں۔

دردِ دل دور سے ہم تم کو سُنائیں کیوں کر ڈاک میں بھیج دیں آہوں کی صدائیں کیوں کر
کاغذ تمام کِلکؔ[1] تمام اور ہم تمام پر داستانِ شوق ابھی ناتمام ہے

ان کے علاوہ حج کی حکمتیں یا اللہ جَلَّ شانُہٗ کے کسی بھی حکم کی حکمتیں، کوئی کہاں تک بیان کرسکتا ہے، اللہ جَلَّ شانُہٗ کے ہر حکم میں اتنی حکمتیں ہیں کہ ان میں سے بہت سی مَصالح تک ہماری عقول کی رَسائی[2] بھی نہیں ہے اور ہر حکم میں جتنا بھی غور کیا جائے، روز بروز فوائد زائد ہی سمجھ میں آتے رہتے ہیں اور ہر شخص اپنی اپنی فہم[3] کے مُوافق ان پر غور کرتا رہتا ہے۔

سیاسی حضرات کے نزدیک اس حیثیت سے بھی اس میں اتنے فوائد ہیں کہ وہ سب تحریر میں بھی نہیں آسکتے، لیکن جیسا کہ مثال کے اور نمونہ کے طور پر اوپر کی دو حکمتوں کی طرف اشارے کیے ہیں، اسی طرح نمونہ کے طور پر چند اُمور کی طرف مُتوَجِّہ کرتا ہوں اور ان میں غور کرنے سے ہزاروں مَصالح سمجھ میں آسکتے ہیں۔

(۱) ہر حاکم اور بادشاہ کو اپنی رعایا کے مختلف طَبْقات[4] کو بیک وقت ایک جگہ جمع کرنے کا جتنا اہتمام اور خواہش ہوتی ہے، وہ سب کو معلوم ہے کہ اس کے لیے مختلف نوع کے جشن اور مختلف نام سے انجمنیں بنا کر ان کے سالانہ جلسے وغیرہ کرائے جاتے ہیں، حج میں یہ مصلحت عَلٰی وَجْہِ[5] الاَتَم پوری ہوتی ہے۔

(۲) مسلمانوں کی فلاح وبہبود[6] کے لیے مختلف ممالک کے اَہلُ الرّ[7]ائے اگر کوئی لائحۂ[8] عمل تجویز کریں، تو اس کی تشکیل اور اشاعت کے لیے یہ بہترین موقع ہے۔

(۳) اگر اسلامی ممالک کے افراد کے درمیان اتّحاد اور تعلّقات کی وسعت کی کوئی صورت ہوسکتی ہے، تو حج کے موقع سے بہتر صورت نہیں۔

(۴) عِلمُ[9] الاَلْسِنَہ کے شوقین حضرات کے لیے حج کے زمانہ سے بہترین موقع شاید نہ مل سکے کہ ایک ہی جگہ عربی، اردو، تُرکی، فارسی، ہندی، پُشتو، چینی، جاوی، انگریزی وغیرہ وغیرہ ہر زبان کے واقف لوگ ملیں گے۔

(۵) سپاہیانہ زندگی جو اسلامی زندگی کا خصوصی شِعار[10] ہے، حج کے سفر میں پورے طور سے پائی جاتی ہے،

حل لغات: (۱) قلم۔ (۲) پہونچ۔ (۳) سمجھ۔ (۴) مختلف درجے کے لوگ۔ (۵) مکمل طور سے۔ (۶) بھلائی اور نفع۔ (۷) عقلمند لوگ۔ (۸) دستور، قانون۔ (۹) مختلف زبانوں کا علم۔ (۱۰) علامت، نشان۔

لباس ومعاش میں بھی، چلنے پھرنے میں بھی۔

(۶) سرمایہ داری کے مخالف، امیر وغریب میں مُساوات[1] پیدا کرنے کی جتنی کوشش کرتے رہتے ہیں، اس کو اخبار بیں[2] حضرات بخوبی جانتے ہیں اور یہ بھی ساتھ ہی معلوم ہے کہ کوئی صورت بھی آج تک کامیاب نہیں ہوسکی، اسلام کا ہر حکم نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اس مصلحت کو نہایت آسان اور کامیاب طریقہ سے پورا کرتا ہے۔ اسلامی اصول سے بہتر چیز نہ آج تک پیدا ہوسکی، نہ آئندہ ہوسکے، بشرطیکہ ان احکام کو اسلام کی صحیح تعلیم کے ماتحت ادا کیا جائے۔

(۷) دنیا کے مختلف طبقات میں مُساوات پیدا کرنے کے لیے بھی حج بہترین عمل ہے کہ امیر، غریب، بادشاہ فقیر، ہندی، عربی، ترکی، چینی وغیرہ سب ایک ہی حال میں، ایک ہی لباس میں، ایک ہی مشغلہ میں، مُعتدّبہ[3] زمانہ تک رہتے ہیں۔

(۸) قومی ہفتہ منانے کے لیے لوگ کتنے انتظامات، اعلانات، اخراجات کرتے ہیں، مسلمانوں کے لیے ذی الحجہ کے پہلے پندرہ[15] دن قومی ہفتہ سے بھی بڑھ کر ہیں کہ جن کے لیے نہ انتظاماتِ خصوصی کرنے کی ضرورت ہے، نہ پروپیگنڈہ کی۔

(۹) دنیا کے سب مسلمانوں میں آپس میں اُخُوّت[4]، محبّت، تعلّقات، تعارف اور رشتۂ اتحاد قائم کرنے کے لیے حج بہترین موقع ہے۔

(۱۰) اشاعت[5] اسلام کے شوقین، دینی احکام کی اہمیت اور تبلیغ کو اس موقع پر اہتمام سے لے کر اُٹھیں، مقامی حضرات باہر سے آنے والے مہمانوں کی اصل خاطر اور ضیافت[6] اس کو سمجھیں کہ ان میں دینی جذبہ قوّت پکڑے، ان میں دین کے احکام پر عمل کا ولولہ اور شوق پیدا ہو، ان میں جو ضُعف[7] یا بد دینی کے اثرات ہوں وہ زائل[8] ہوجائیں، اسی طرح باہر سے آنے والے حضرات مقامی اصحاب کی اعانت[9] اس کو سمجھیں، تو دین کو جس قدر فروغ[10] ہو، وہ اَظْہَرُ مِنَ الشَّمْس[11] ہے۔

(۱۱) غُربا[12]ء اور اُمراء کا اختلاط[13] جو مستقل طور پر ایک مقصود چیز ہے کہ اس کی وجہ سے ایک طرف اُمراء میں سے نَخوَت[14] اور غرور دُور ہو، دوسری جانب غُرباء کا حوصلہ بڑھے؛ وہ حج میں ایسے کامل طور سے پایا جاتا ہے کہ جس کی نظیر[15] دوسری جگہ نہ ملے گی۔ اُمراء اپنی بدنی ضروریات کی وجہ سے غُرباء کی طرف متوجّہ ہوں گے کہ باربرداری[16]، کھانا پکانا اور آمدورفت کی تمام ضروریات کا ان کو خود پورا کرنا مشکل ہے، دوسری

حل لغات: (۱) برابری۔ (۲) اخبار پڑھنے والا۔ (۳) اچھا خاصا۔ (۴) بھائی چارگی۔ (۵) پھیلانا۔ (۶) مہمان نوازی۔ (۷) کمزوری۔ (۸) ختم ہونا۔ (۹) مدد۔ (۱۰) پھیلنا۔ (۱۱) سورج سے زیادہ روشن۔ (۱۲) غریبوں۔ (۱۳) ملنا جلنا۔ (۱۴) گھمنڈ۔ (۱۵) مثال۔ (۱۶) سامان اور بوجھ اُٹھانا۔

جانب غُرباء کی مالی ضروریات ان کو اُمراء کی طرف متوجہ کریں گی، جس کی وجہ سے ان دونوں طبقوں کا اختلاط[1] جو بسا اوقات تعارف اور مُدارات[2] سے بڑھ کر مَوَدَّت[3] اور دوستی تک پہونچ جاتا ہے، جس کا سفرِ حج میں پوری طرح سے مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔

(۱۲) مسلمانوں کے اجتماع کو بالخصوص جبکہ وہ عاجزی اور مَسْکَنَت[4]، زاری[5] اور تضرُّع[6] کے ساتھ ہو، اللہ جَلَّ شانُہٗ کی رحمت اور لطف وکرم کے متوجہ کرنے میں جتنا دخل ہے؛ وہ عامی سے عامی آدمی سے بھی مخفی[7] نہیں، حج کا موقع اس کا بہترین منظر ہے کہ عرفات کا میدان اس کا خصوصی مَظْہر[8] ہے۔

(۱۳) آثارِ قدیمہ[9] کا تحفُّظ[10] اور اسلاف[11] بالخصوص پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کے احوال کا علم اور استحضار، سفرِ حج کا خصوصی ثَمرہ[12] ہے۔

(۱۴) معاشی حیثیت سے دنیا کی معلومات کا ذریعہ سفرِ حج سے بہتر نہیں ہے کہ ہر ملک کی مصنوعات[13]، ایجادات[14]، پیداوار کے حالات اور اس قسم کی جتنی تفصیلات معلوم کرنا چاہیں، اس سفر میں بہترین طریقہ سے حاصل ہوسکتی ہیں۔

(۱۵) علمی حیثیت سے سفرِ حج نہایت بہتر چیز ہے کہ اس موقع پر ہر جگہ کے علماء موجود ہوتے ہیں، ان کی علمی حیثیت اور ہر مقام کے علمی مراکز، علمی کارنامے، ان کی ترقیات اور تنزُّل[15] اور ان کے اسباب پر تفصیل سے اطلاع ہوسکتی ہے اور مختلف نوع[16] کے علماء سے افادہ[17] اور استفادہ[18] حاصل ہوسکتا ہے۔

(۱۶) دنیا بھر کے اولیاء، اَبدال و اَقطاب کا ایک مُعتَدبِہ[19] طبقہ ہر سال حج میں شرکت کرتا ہے، ان کے فُیوض وبرکات، انوار وکمالات سے استفادہ کا بہترین موقع ہے۔

(۱۷) اللہ کی معصوم[20] مخلوق فرشتے جو عرشِ الٰہی کے طواف میں ہر وقت مشغول رہتے ہیں، حج میں ان سے تَشَبُّہ[21] حاصل ہوتا ہے اور حدیث کے پاک ارشاد ﴿مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ﴾ "جو کسی قوم کے ساتھ مشابہت پیدا کرتا ہے، ان ہی میں شمار کیا جاتا ہے" کی بناء پر فرشتوں کے ساتھ جو کسی وقت اور کسی آن اللہ جَلَّ شانُہٗ کی منشاء کے خلاف نہیں کرتے، مشابہت حاصل ہوتی ہے۔

(۱۸) پہلی اُمتوں میں مذہبی حیثیت سے رہبانیت[22] ایک بہت ہی اہم اور اونچی چیز شمار کی جاتی تھی، مگر اسلام نے اس کو روک کر اس کا بدل سفرِ حج کو قرار دیا، چنانچہ زینت کی اشیاء، بیوی سے صحبت در کنار؛

حل لغات: (۱) ملنا جلنا۔ (۲) خاطر تواضع، اچھے طریقہ سے پیش کرنا۔ (۳) محبت۔ (۴) بے چارگی۔ (۵) رونا۔ (۶) عاجزی۔ (۷) چھپا ہوا۔ (۸) ظاہر ہونے کی جگہ۔ (۹) پرانے زمانے کی چیزیں۔ (۱۰) حفاظت۔ (۱۱) بزرگانِ دین۔ (۱۲) نتیجہ۔ (۱۳) بنائی ہوئی چیزیں۔ (۱۴) نئی بنی ہوئی چیزیں۔ (۱۵) زوال، اتار۔ (۱۶) قسم۔ (۱۷) فائدہ پہونچانا۔ (۱۸) فائدہ حاصل کرنا۔ (۱۹) اچھا خاصا۔ (۲۰) بے گناہ۔ (۲۱) مانند ہونا، ایک جیسا ہونا۔ (۲۲) دنیا کو چھوڑ چھاڑ کر اللہ کی عبادت کرنا۔

صحبت کا ذکر تک ناجائز کر دیا، اور اس کا نِعْمُ البدلُ[1] اس کو قرار دیا۔ [اتحاف]

(۱۹) دنیاوی حیثیت سے ہر قوم میں ایک میلہ لگتا ہے اور یہ ایک قدیم[2] دستور ہے، ہر ملک اور ہر مذہب کے لوگ اس کے ہمیشہ سے عادی ہیں، عام طور پر لوگ اس کی طرف طبعاً متوجہ ہوتے ہیں، سال بھر تک اس کا انتظار و اہتمام کرتے ہیں، اسلام نے مسلمانوں کے لیے حج کو اس کا نِعْمُ البدل قرار دیا کہ بجائے لہو و لعب، کھیل کود، شور شغب کے مختلف مُظاہروں اور نعروں کے انھی چیزوں کو عبادت کی شکل میں بدل دیا، جس میں ان سب جذبات کا جو لہو و لعب کی شکل میں تھے، توحید و عشقِ الٰہی کی طرف امالہ[3] ہو گیا۔

(۲۰) حج ان متبرک[4] مقامات کی زیارت کا ذریعہ ہے اور برکات حاصل کرنے کا موقع ہے، جہاں لاکھوں عُشّاق[5] نے ایڑیاں اور ماتھے رگڑ رگڑ کر جان دے دی۔

(۲۱) سفر سے ایک طرف تو اَخلاق کی جلا اور صفائی ہوتی ہے، دوسری طرف بدن کی صحت کے لیے مُعین[6] ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے ﴿سَافِرُوْا تَصِحُّوْا﴾ "سفر کرو صحت یاب ہو گے"۔ [کنز] تبدیلِ آب و ہوا صحت کے لیے مُعین و مددگار ہے، حج کا سفر اس کا بہترین ذریعہ ہے۔

(۲۲) حج اس عبادت کی یادگار اور بقاء ہے جو حضرت آدم علیٰ نَبِیِّنَا وَعَلَیہِ الصَّلٰوۃُ والسَّلَام کے زمانہ سے لے کر ہر مذہب و ملّت میں رہی ہے۔

(۲۳) اسلام کا ابتدائی دور جہاں مسلمان نہایت بیکسی[7] کے عالَم میں ہر وقت مظلومانہ زندگی بسر کرتے تھے اور ہر قسم کے ظلم و ستم کا شکار ہوتے تھے اور نہایت صبر و استقلال[8] کے ساتھ ان سب مظالم کو برداشت کرتے تھے، جو کفّار کی طرف سے ان پر ہوتے رہتے تھے اور اسلام کا انتہائی دَور جہاں وہ ہجرت کے بعد غالب اور فاتح کی شکل میں رہے اور غالب و قوی[9] ہو کر اپنے کمالِ اخلاق سے نہ صرف یہ کہ پرانے مظالم کو بالکل نظر انداز کر دیا، بلکہ اپنے اخلاق کی خوبی اور وسعت سے اسلام کو ایسا پھیلایا کہ دنیا کے گوشہ گوشہ[10] میں اس کا نور پھیل گیا، اس سفرِ حج میں دونوں شہروں کی زیارت سے دونوں یادگاریں تازہ ہوتی ہیں اور دونوں سبق یاد کرنے کا امّت کو موقع ملتا ہے۔

(۲۴) مکّہ مکرّمہ حضور اقدس ﷺ کا مَولِد[11] ہے، پیدائش یہاں ہوئی اور ترپن ۵۳ سال کی عمر تک کے مختلف دور یہاں گذرے، اس کے بعد مدینہ طیبہ ہجرت کا گھر ہے اور مزارِ مبارک وہاں ہے، رسالت کے اکثر احکام وہاں نازل ہوئے۔ اس سفر سے دونوں یادگاروں کی زیارت حضور ﷺ کے ہر زمانہ کی

حل لغات: (۱) اچھا بدلہ۔ (۲) پُرانا۔ (۳) پھیرنا، مائل کرنا۔ (۴) برکت والا۔ (۵) عاشق کی جمع۔ (۶) مددگار۔ (۷) بے یار و مددگاری، لاچاری۔ (۸) مضبوطی۔ (۹) طاقتور۔ (۱۰) کونہ۔ (۱۱) پیدائش کی جگہ۔

یادکوتازہ کرنے والی ہے اور محبّت کی بڑھانے والی ہے،لوگ یادگار قائم کرنے کے لیے مختلف چیزیں ایجاد کیا کرتے ہیں،اسلام نے حج وزیارت کا حکم دے کر خوداس یادگار کو قائم کر دیا۔

(۴۵) مرکزِ اسلام کی تقویت و قُوّت اور حرمین شریفین کے رہنے والوں کی اعانت[1]،نصرت،اُن کے حالات کی تحقیق،ان کے ساتھ ہمدردی اور غمگساری کا بہترین ذریعہ حج وزیارت ہے کہ جب اُن سے تفصیلی ملاقات ہوگی،توان کی اعانت اور مدد کا جذبہ خود بخود دل میں پیدا ہوگا اور وہاں سے واپسی پر بھی عرصہ[2] تک اُن کی یاد رہے گی۔

نمونہ کے طور پر چند امور کی طرف مختصر اور مُجمل[3] اشارات کیے ہیں،غور کرنے سے بہت سے اُمور اور مصالح سمجھ میں آتے رہتے ہیں،لیکن یہ نہایت اہم جزو[4] ہے کہ اصل مقصد اللہ جَلَّ شانُہٗ کے ساتھ تعلق کا بڑھانا ہے اور دنیا کی محبّت اوراس سے بے رغبتی پیدا کرنا ہے،اس مضمون کو ایک قصہ پر ختم کرتا ہوں جس کو صاحبِ اتحاف نے نقل کیا:

شیخ المشائخ قُطبِ دوراں شِبلی قُدِّسَ سِرُّہٗ کے ایک مرید حج کر کے آئے،تو شیخ نے ان سے سوالات فرمائے وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے شیخ نے دریافت فرمایا کہ تم نے حج کا ارادہ اور عزم[5] کیا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ جی! پختہ قصد[6] حج کا تھا،آپ نے فرمایا کہ اُس کے ساتھ اُن تمام ارادوں کو ایک دم چھوڑنے کا عہد کر لیا تھا،جو پیدا ہونے کے بعد سے آج تک حج کی شان کے خلاف کیے؟ میں نے کہا: یہ عہد تو نہیں کیا تھا،آپ نے فرمایا کہ پھر حج کا عہد ہی نہیں کیا۔

پھر شیخ نے فرمایا کہ احرام کے وقت بدن کے کپڑے نکال دیے تھے؟ میں نے عرض کیا: جی بالکل نکال دیے تھے،آپ نے فرمایا: اس وقت اللہ کے سوا ہر چیز کو اپنے سے جدا کر دیا تھا؟ میں نے عرض کیا: ایسا تو نہیں ہوا،آپ نے فرمایا: تو پھر کپڑے ہی کیا نکالے۔

آپ نے فرمایا: وضو اور غسل سے طہارت[7] حاصل کی تھی؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! بالکل پاک صاف ہو گیا تھا،آپ نے فرمایا: اس وقت ہر قسم کی گندگی اور لغزش[8] سے پاکی حاصل ہو گئی تھی؟ میں نے عرض کیا: یہ تو نہ ہوئی تھی،آپ نے فرمایا: پھر پاکی ہی کیا حاصل ہوئی۔

پھر آپ نے فرمایا: لبیک پڑھا تھا؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! لبیک پڑھا تھا،آپ نے فرمایا کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ کی طرف سے لبیک کا جواب ملا تھا؟ میں نے عرض کیا: مجھے تو کوئی جواب نہیں ملا،تو فرمایا کہ پھر لبیک کیا کہا۔

حل لغات: (۱) مدد۔ (۲) بہت دنوں۔ (۳) مختصر۔ (۴) حصہ۔ (۵) پکا ارادہ۔ (۶) پکا ارادہ۔ (۷) پاکی۔ (۸) غلطی،گناہ۔

پھر فرمایا کہ حرمِ محترم میں داخل ہوئے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ داخل ہوا تھا، فرمایا: اس وقت ہر حرام چیز کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ترک کا جزم[1] کر لیا تھا؟ میں نے کہا: یہ تو میں نے نہیں کیا، فرمایا کہ پھر حرم میں بھی داخل نہیں ہوئے۔

پھر فرمایا کہ مکّہ کی زیارت کی تھی؟ میں نے عرض کیا: جی! زیارت کی تھی، فرمایا: اس وقت دوسرے عالَم کی زیارت نصیب ہوئی؟ میں نے عرض کیا: اُس عالَم کی تو کوئی چیز نظر نہیں آئی، فرمایا: پھر مکّہ کی بھی زیارت نہیں ہوئی۔

پھر فرمایا کہ مسجدِ حرام میں داخل ہوئے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ داخل ہوا تھا، فرمایا کہ اس وقت حق تعالیٰ شانُہٗ کے قُرب میں داخلہ محسوس ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ مجھے تو محسوس نہیں ہوا، فرمایا کہ تب تو مسجد میں بھی داخلہ نہیں ہوا۔

پھر فرمایا کہ کعبہ شریف کی زیارت کی؟ میں نے عرض کیا کہ زیارت کی، فرمایا کہ وہ چیز نظر آئی جس کی وجہ سے کعبہ کا سفر اختیار کیا جاتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ مجھے تو نظر نہیں آئی، فرمایا: پھر تو کعبہ شریف کو نہیں دیکھا۔

پھر فرمایا کہ طواف میں رَمَل کیا تھا؟ (خاص طور سے دوڑنے کا نام ہے)۔ میں نے عرض کیا کہ کیا تھا، فرمایا کہ اس بھاگنے میں دنیا سے ایسے بھاگے تھے، جس سے تم نے محسوس کیا ہو کہ تم دنیا سے بالکل یکسُو[2] ہو چکے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں محسوس ہوا، فرمایا کہ پھر تم نے رَمَل بھی نہیں کیا۔

پھر فرمایا کہ حَجرِ اسود پر ہاتھ رکھ کر اس کو بوسہ دیا تھا؟ میں نے عرض کیا: جی ایسا کیا تھا، تو انہوں نے خوف زدہ ہو کر ایک آہ کھینچی اور فرمایا: تیرا ناس[3] ہو، خبر بھی ہے کہ جو حَجرِ اسود پر ہاتھ رکھے وہ گویا اللہ جَلَّ شانُہٗ سے مصافحہ کرتا ہے اور جس سے حق سُبْحَانَہٗ وَتَقَدَّسَ مصافحہ کریں وہ ہر طرح سے اَمَن میں ہو جاتا ہے، تو کیا تجھ پر اَمَن کے آثار ظاہر ہوئے؟ میں نے عرض کیا کہ مجھ پر تو اَمَن کے آثار کچھ بھی ظاہر نہیں ہوئے، تو فرمایا کہ تُو نے حَجرِ اسود پر ہاتھ ہی نہیں رکھا۔

پھر فرمایا کہ مقامِ ابراہیم پر کھڑے ہو کر دو رکعت نفل پڑھی تھی؟ میں نے عرض کیا کہ پڑھی تھی، فرمایا کہ اس وقت اللہ جَلَّ شانُہٗ کے حضور میں ایک بڑے مرتبہ پر پہونچا تھا، کیا اس مرتبہ کا حق ادا کیا؟ اور جس مقصد سے وہاں کھڑا ہوا تھا وہ پورا کر دیا؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے تو کچھ نہیں کیا، فرمایا کہ تُو نے پھر تو مقامِ ابراہیم پر نماز ہی نہیں پڑھی۔

پھر فرمایا کہ صَفا مَروہ کے درمیان سعی کے لیے صَفا پر چڑھے تھے؟ میں نے عرض کیا: چڑھا تھا،

حلِ لغات: (۱) پکا ارادہ۔ (۲) الگ تھلگ۔ (۳) بُرا ہو۔

فرمایا: وہاں کیا کیا؟ میں نے عرض کیا کہ سات مرتبہ تکبیر کہی اور حج کے مقبول ہونے کی دعا کی، فرمایا: کیا تمہاری تکبیر کے ساتھ فرشتوں نے بھی تکبیر کہی تھی؟ اور اپنی تکبیر کی حقیقت کا تمہیں احساس ہوا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، فرمایا کہ تم نے تکبیر ہی نہیں کہی۔

پھر فرمایا کہ صَفا سے نیچے اُترے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ اُترا تھا، فرمایا: اس وقت ہر قسم کی عِلّتیں① دور ہو کر تم میں صفائی آ گئی تھی؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، فرمایا کہ نہ تم صَفا پر چڑھے، نہ اُترے، پھر فرمایا کہ صَفا مَروہ کے درمیان دوڑے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ دوڑا تھا، فرمایا کہ اس وقت اللہ کے علاوہ ہر چیز سے بھاگ کر اس کی طرف پہونچ گئے تھے؟ غالباً ﴿فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ②﴾ [سورۂ شعراء:۲۱] کی طرف اشارہ ہے، جو سورۂ شعراء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصّہ میں ہے، دوسری جگہ اللہ کا پاک ارشاد ہے: ﴿فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ﴾ [سورۂ ذاریات:۵۰] میں نے عرض کیا کہ نہیں، فرمایا کہ تم دوڑے ہی نہیں، پھر فرمایا کہ مَروہ پر چڑھے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ چڑھا تھا، فرمایا کہ تم پر وہاں سکینہ③ نازل ہوا اور اس سے وافر④ حصّہ حاصل کیا؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، فرمایا کہ مَروہ پر چڑھے ہی نہیں۔ پھر فرمایا کہ مِنیٰ گئے تھے؟ میں نے عرض کیا: گیا تھا، فرمایا کہ وہاں اللہ جَلَّ شانُہٗ سے ایسی اُمیدیں بندھ گئی تھیں، جو مَعاصی⑤ کے حال کے ساتھ نہ ہوں؟ میں نے عرض کیا کہ نہ ہو سکیں، فرمایا کہ مِنیٰ ہی نہیں گئے۔

پھر فرمایا کہ مسجدِ خَیف میں (جو مِنیٰ میں ہے) داخل ہوئے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ داخل ہوا تھا، فرمایا کہ اس وقت اللہ جَلَّ شانُہٗ کے خوف کا اس قدر غلبہ ہو گیا تھا، جو اس وقت کے علاوہ نہ ہوا ہو؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، فرمایا کہ مسجدِ خیف میں داخل ہی نہیں ہوئے۔

پھر فرمایا کہ عرفات کے میدان میں پہونچے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ حاضر ہوا تھا، فرمایا کہ وہاں اس چیز کو پہچان لیا تھا کہ دنیا میں کیوں آئے تھے اور کیا کر رہے ہو اور کہاں اب جانا ہے اور ان حالات پر مُتنبّہ⑥ کرنے والی چیز کو پہچان لیا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، فرمایا کہ پھر تو عرفات پر بھی نہیں گئے۔

پھر فرمایا کہ مُزدلِفہ گئے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ گیا تھا، فرمایا کہ وہاں اللہ جَلَّ شانُہٗ کا ایسا ذکر کیا تھا، جو اس کے ماسوا⑦ کو دل سے بھلا دے (جس کی طرف قرآن پاک کی آیت ﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ⑧﴾ [سورۂ بقرہ:۱۹۸] میں اشارہ ہے)، میں نے عرض کیا کہ ایسا تو نہیں ہوا، فرمایا کہ پھر تو

حل لغات: ① عیب، بُری عادت۔ ② چنانچہ جب مجھے تم لوگوں سے خوف ہوا تو میں تمہارے پاس سے فرار ہو گیا۔ ③ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی سکون۔ ④ زیادہ۔ ⑤ گناہوں۔ ⑥ خبردار۔ ⑦ علاوہ، غیر۔ ⑧ پھر جب تم لوگ عرفات سے واپس آنے لگو تو مشعر حرام کے پاس (یعنی مزدلفہ میں) خدا تعالیٰ کو یاد کرو۔

مزدلفہ پہونچے ہی نہیں۔

پھر فرمایا کہ منیٰ میں جا کر قربانی کی تھی؟ میں نے عرض کیا کہ کی تھی، فرمایا کہ اس وقت اپنے نفس کو ذبح کر دیا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، فرمایا کہ پھر تو قربانی ہی نہیں کی۔

پھر فرمایا کہ رَمی کی تھی (یعنی شیطانوں کے کنکریاں ماری تھیں)؟ میں نے عرض کیا کہ کی تھی، فرمایا کہ ہر کنکری کے ساتھ اپنے سابقہ[1] جہل کو پھینک کر کچھ علم کی زیادتی محسوس ہوئی؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، فرمایا کہ رَمی بھی نہیں کی۔

پھر فرمایا کہ طوافِ زیارت کیا تھا؟ میں نے عرض کیا: کیا تھا، فرمایا کہ اس وقت کچھ حقائق منکشف[2] ہوئے تھے؟ اور اللہ جَلَّ شانُہٗ کی طرف سے تم پر اعزاز و اکرام کی بارش ہوئی تھی؟ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ ''حاجی اور عمرہ کرنے والا اللہ کا زیارت کرنے والا ہے اور جس کی زیارت کو کوئی جائے، اس پر حق ہے کہ اپنے زائرین[3] کا اکرام کرے''۔ میں نے عرض کیا کہ مجھ پر تو کچھ منکشف نہیں ہوا، فرمایا: تم نے طوافِ زیارت بھی نہیں کیا۔

پھر فرمایا کہ حلال ہوئے تھے؟ (احرام کھولنے کو حلال ہونا کہتے ہیں)۔ میں نے عرض کیا: ہوا تھا، فرمایا کہ ہمیشہ حلال کمائی کا اس وقت عہد کر لیا تھا؟ میں نے عرض کیا: نہیں، فرمایا کہ تم حلال بھی نہیں ہوئے۔ پھر فرمایا کہ الوداعی طواف کیا تھا؟ میں عرض کیا: کیا تھا، فرمایا کہ اس وقت اپنے تن مَن[4] کو کُلیتہً[5] الوداع کہہ دیا تھا؟ میں نے عرض کیا: نہیں، فرمایا کہ تم نے طوافِ وَداع بھی نہیں کیا۔

پھر فرمایا: دوبارہ حج کو جاؤ اور اس طرح حج کر کے آؤ جس طرح میں نے تم سے تفصیل بیان کی فقط۔ یہ طویل قصہ اس لیے نقل کیا تا کہ اندازہ ہو کہ اہلِ ذوق کا حج کس طرح ہوتا ہے، حق تعالیٰ شانُہٗ اپنے لطف و کرم سے کچھ ذائقہ اس نوع[6] کے حج کا اس محروم کو بھی عطا فرمائے۔ آمین۔

حل لغات: (۱) پہلے۔ (۲) ظاہر۔ (۳) زیارت کرنے والے۔ (۴) جسم و جان۔ (۵) پورے طور پر۔ (۶) قسم۔

پانچویں فصل: حج کے آداب میں

حج کے متعلق بہت سے رسائل[1] علماء نے لکھے ہیں، جن میں تفصیلی طور پر حج کے آداب اور ہر ہر رکن کے آداب ذکر کیے ہیں۔ یہ سفر ساری عمر میں اکثر ایک ہی مرتبہ ہوتا ہے اس لیے مناسب ہے کہ جب سفرِ حج کا ارادہ ہو، تو اس کے متعلق معتبر علماء کے مُتعدّد[2] رسائل منگا کر ان کو بہت اہتمام سے دو چار مرتبہ سفر سے پہلے مطالعہ کرلے؛ تاکہ یہ بڑی رقم جو اس سفر میں خرچ ہوتی ہے، آداب کی رعایت کے ساتھ خرچ ہونے کی وجہ سے بہترین مَصرَف[3] میں خرچ ہو، ایسا نہ ہو کہ جہالت اور ناواقفیت کی وجہ سے کوئی ایسی حرکت کرجائے جس سے حج بھی فاسد ہوجائے، سفر سے پہلے اگر ان رسائل کو چند مرتبہ مطالعہ کرلے گا تو مضامین سے ایک مناسبت پیدا ہوکر موقع پر اکثر باتیں یاد آتی رہیں گی اور پھر ان رسائل کو سفر میں بھی ساتھ رکھے، تاکہ ہر موقع پر اس جگہ کے احکام اور آداب دیکھے جاسکیں، اہلِ علم بھی ان سے مستغنی[4] نہیں، درس کے وقت ان مسائل کو پڑھ لینے سے مُستحضَر[5] نہیں ہوتے۔ اکثر دیکھا گیا کہ جو حضرات دو تین حج کرچکے ہیں، وہ حج کے مسائل میں اہلِ علم سے جن کا پہلا ہی حج ہو فَوقیّت[6] لے جاتے ہیں۔ اس جگہ تمام آداب کا احاطہ مقصود نہیں ہے، وہ ہر جگہ کے علیٰحدہ ہیں، مختصراً چند اہم امور کا ذکر کیا جاتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ کا پاک ارشاد ہے: ﴿وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى﴾ [سورۂ بقرہ: ۱۹۷] ''(اور جب حج کا ارادہ کرو) تو خرچ ضرور ساتھ لے لیا کرو''، کیونکہ سب سے بڑی بات خرچ لینے میں (بھیک مانگنے سے) بچا رہنا ہے۔

فائدہ: اس آیتِ شریفہ میں سب سے اہم اور سب سے مُقدّم[7] چیز کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ حج کو جانے کے وقت راستہ کا خرچ ساتھ ہونا چاہیے، محض تَوکُّل پر چل دینا ہر شخص کا کام نہیں۔ احادیث میں کثرت سے یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ بعض لوگ بغیر خرچ کے حج کو چل دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم متوکّل ہیں، پھر وہاں پہونچ کر لوگوں سے سوال کرتے تھے، اس پر یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی۔

ایک حدیث میں ہے کہ بعض لوگ بغیر زادِ راہ[8] کے حج کو چل دیتے تھے اور کہتے تھے کہ جب ہم حج کو جاتے ہیں پھر بھی اللہ جلّ شانہٗ ہمیں نہ کھلائے گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ زادِ راہ لیا کرو، بہترین

حل لغات: (۱) چھوٹی چھوٹی کتابیں۔ (۲) کئی، بہت سے۔ (۳) خرچ کرنے کی جگہ۔ (۴) بے پروا۔ (۵) یاد۔ (۶) بڑھ جانا۔ (۷) پہلے۔ (۸) سامان، سفر کا خرچ۔

زادِراہ وہ ہے جو تمہارے چہروں کو لوگوں کے سامنے ہونے سے روک دے۔ (دُرِّ منثور) یعنی لوگوں سے سوال کی ذلّت سے روک دے۔

یہاں ایک اہم بات یہ قابل سمجھنے کے ہے کہ توکُّل بہت اونچی اور اعلیٰ اور افضل صفت ہے، لیکن وہ زبانی چیز نہیں ہے، بلکہ قلبی چیز ہے، جس کا دل اس قدر مطمئن ہو کہ اس کو اپنی جیب میں پیسہ ہونے پر اتنا اعتماد نہ ہو جتنا اللہ کے خزانہ میں ہونے پر اعتماد ہوتا ہے، اس کو توکُّل سزاوار[1] ہے اور اس کی شان کے مناسب ہے اور جس کو یہ درجہ حاصل نہ ہو، اس کے لیے مناسب نہیں۔

یہاں دو واقعے قابل غور ہیں: ایک حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ کا مشہور قصہ ہے کہ جب غزوۂ تبوک کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے چندہ کی تحریک فرمائی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو کچھ گھر میں تھا، سب کچھ لے آئے کچھ بھی گھر میں نہ چھوڑا۔ بندہ اپنے رسالہ ''حکایاتِ صحابہ'' میں اس قصہ کو مُفَصَّل ذکر کر چکا ہے۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک صاحب ایک بیضہ[2] کے بقدر سونے کا ڈلا لائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا کہ یہ صدقہ ہے، میرے پاس اس کے سوا کچھ نہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف سے اعراض[3] فرمالیا، وہ دوسری طرف کو سامنے حاضر ہوئے اور یہی عرض کیا، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم اعراض فرماتے رہے اور وہ بار بار سامنے آ کر یہی عرض کرتے رہے، چوتھی مرتبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لے کر اس زور سے پھینکا کہ اگر ان کے لگ جاتا تو زخمی کر دیتا، پھر ارشاد فرمایا کہ بعض آدمی اپنا سب کچھ صدقہ کر دیتے ہیں، پھر لوگوں کی طرف دستِ سوال[4] بڑھاتے ہیں۔

ان دو قصّوں سے اس کا صحیح اندازہ ہو جاتا ہے کہ توکُّل کس حالت میں سزاوار ہے کہ جو شخص بالکل خالی ہاتھ ہو کر بھی نہ بے صبری کرے، نہ دل میں اللہ جَلَّ شانُہٗ، اور بندوں کی طرف سے شکوہ پیدا ہو، نہ لوگوں سے سوال کرے اس کو یقیناً مناسب ہے اور جو ایسا نہ ہو بلکہ دوسروں کے لیے بار[5] بنے اور بے صبری، ناشکری میں مبتلا ہو، اس کے لیے ہرگز مناسب نہیں کہ بغیر زادِراہ کے محض توکّل پر چل دے ﴿اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ الاية﴾ یہ آیتِ شریفہ بھی آدابِ حج کے اہم ترین آداب کو شامل ہے، اس کا ترجمہ پہلی فصل میں گذر چکا اور کچھ توضیح[6] پہلی فصل کی احادیث میں سب سے پہلی حدیث میں گذر چکی۔

حل لغات: (۱) لائق۔ (۲) انڈا۔ (۳) منہ پھیرنا۔ (۴) بھیک مانگنا۔ (۵) بوجھ۔ (۶) وضاحت، تفصیل۔

احادیث

(۱) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا خَرَجَ الْحَاجُّ حَاجًّا بِنَفَقَةٍ طَيِّبَةٍ وَوَضَعَ رِجْلَهُ فِي الْغَرْزِ فَنَادٰى: لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ. نَادَاهُ مُنَادٍ مِّنَ السَّمَاءِ: لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ، زَادُكَ حَلَالٌ وَ رَاحِلَتُكَ حَلَالٌ، وَحَجُّكَ مَبْرُوْرٌ غَيْرُ مَأْزُوْرٍ۔ وَإِذَا خَرَجَ بِالنَّفَقَةِ الْخَبِيْثَةِ فَوَضَعَ رِجْلَهُ فِي الْغَرْزِ. فَنَادٰى: لَبَّيْكَ، نَادَاهُ مُنَادٍ مِّنَ السَّمَاءِ: لَا لَبَّيْكَ وَلَا سَعْدَيْكَ. زَادُكَ حَرَامٌ وَنَفَقَتُكَ حَرَامٌ وَحَجُّكَ مَأْزُوْرٌ غَيْرُ مَبْرُوْرٍ۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا گیا کہ جب حاجی حلال مال کے ساتھ حج کو نکلتا ہے اور سواری پر سوار ہو کر کہتا ہے: لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ تو فرشتہ بھی آسمان سے (اس کی تائید اور تقویت میں) لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ کہتا ہے۔ (یعنی تیرا لبیک کہنا مقبول ہے) وہ فرشتہ کہتا ہے کہ تیرا توشہ[۱] بھی حلال ہے، تیری سواری بھی حلال ہے (کہ حلال مال سے حاصل ہوئے) اور تیرا حج مبرور[۲] ہے۔ (جس کا بیان فصل اوّل حدیث نمبر دو[۲] میں گذر چکا ہے) اور کوئی وبال تجھ پر نہیں اور جب آدمی حرام مال کے ساتھ حج کو جاتا ہے اور سواری پر سوار ہو کر لبیک کہتا ہے تو فرشتہ آسمان سے کہتا ہے کہ نہ لَبَّيْكَ نہ سَعْدَيْكَ، یعنی تیری لَبَّيْكَ غیر مقبول ہے، تیرا توشہ حرام ہے، تیرا خرچہ حرام ہے، تیرا حج معصیت[۳] ہے، یہ حج مبرور نہیں۔"

[رواه الطبراني في الأوسط ورواه الأصبهاني من حديث أسلم مولى عمر مرسلاً مختصراً كذا في الترغيب وفي الاتحاف بتخريج أبي ذر الهروي في منسكه عن أبي هريرة بلفظ أخر زائداً عليه۔ وفي الكنز بمعناه عن عمر وأنس وغيرهما]

فائدہ: ایک حدیث میں ہے کہ جب آدمی حرام مال کے ساتھ حج کو جاتا ہے اور لَبَّيْكَ کہتا ہے تو اللہ جَلَّ شانُہٗ کا پاک ارشاد ہوتا ہے کہ تیری لبیک نہیں، یہ مردود ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ کا پاک ارشاد ہوتا ہے کہ یہ حج تیرا مردود ہے، یعنی مقبول نہیں ایک اور حدیث میں ہے کہ اس کا حج لپیٹ کر اس کے منہ پر مار دیا جاتا ہے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص حرام کمائی کے ساتھ حج کو جائے اس کا سفر اللہ کی اطاعت میں نہیں ہے، اور جب وہ سواری پر سوار ہو کر لَبَّيْكَ کہتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے کہ نہ لَبَّيْكَ نہ سَعْدَيْكَ تیری کمائی حرام، تیرا لباس حرام (کہ حرام کمائی سے تیار ہوا) تیری سواری حرام، تیرا توشہ حرام، تو ایسے حال میں لوٹ کہ تجھ پر وبال ہے اور بُرائی کا مژدہ[۴] اپنے ساتھ لیتا جا۔ اور

حل لغات: (۱) سفر کا سامان۔ (۲) مقبول۔ (۳) گناہ۔ (۴) خوشخبری۔

جب آدمی حلال مال کے ساتھ حج کو جاتا ہے اور سواری پر سوار ہو کر لَبَّیْكَ کہتا ہے، تو فرشتہ بھی اس کے ساتھ لَبَّیْكَ وَسَعْدَیْكَ کہتا ہے، اور کہتا ہے کہ تیری کمائی حلال ہے، تیرا لباس حلال ہے، تیری سواری حلال ہے، تیرا توشہ حلال ہے، حجِ مبرور کے ساتھ واپس ہو، تجھ پر کوئی وبال نہیں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حج کیا، تو صَفا مَروہ کے درمیان وہ لَبَّیْكَ پڑھتے ہوئے دوڑ رہے تھے کہ آسمان سے آواز آئی لَبَّیْكَ عَبْدِيْ أَنَا مَعَكَ (میرے بندے میں بھی لَبَّیْكَ کہتا ہوں اور تیرے ساتھ ہوں) یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سجدہ میں گر گئے۔ [درمنثور]

حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کا قصّہ فصل اوّل کی حدیث نمبر چھ میں گذر چکا ہے کہ جب احرام باندھا، تو لَبَّیْكَ کہنے کے وقت چہرہ زرد[1] ہو گیا اور بدن پر کپکپی آگئی اور لَبَّیْكَ نہ کہہ سکے، کسی نے دریافت کیا تو فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ اس کے جواب میں لَا لَبَّیْكَ نہ کہہ دیا جائے کہ تیری لَبَّیْكَ معتبر نہیں۔

اگرچہ فقہاء کے نزدیک حج فرض اس سے بھی ادا ہو جاتا ہے، لیکن وہ حج مقبول نہیں ہوتا اور اس حرام کمائی کا گناہ مستقل علیحدہ رہتا ہے، ہم لوگ اس میں بہت تسائل[2] اور غفلت کرتے ہیں، اپنی قوّت اور زور کے گھمنڈ پر دوسروں کے مال پر ظلم سے قبضہ کر لیتے ہیں اور دل میں خوش ہوتے ہیں کہ کس کی مجال[3] ہے، جو ہم سے مطالبہ کر سکے یا ہم پر الزام قائم کر دے؛ لیکن کل جب ہر مظلوم قوی[4] ہو گا اس وقت اپنے اس ظلم کی حقیقت واضح ہو گی۔ جب ایک دانق جو تقریباً دو پیسے کے برابر ہوتا ہے، اس کے بدلہ میں سات سو مقبول نمازیں ادا کرنا پڑیں گی، حالانکہ اتنی مقبول نمازیں شاید ہمارے پاس ہوں بھی نہیں، لیکن فی دو پیسہ یہ ادائیگی قیامت میں کرنا پڑے گی۔ [شامی]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے دریافت کیا کہ جانتے ہو مُفلِس کون ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہم تو مُفلِس اس کو کہتے ہیں جس کے پاس مال و متاع نہ ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مُفلِس تو وہ ہے جو قیامت کے دن بہت سی نمازیں، روزے وغیرہ لے کر آئے، لیکن کسی کو دنیا میں گالیاں دی تھیں، کسی پر تہمت[5] لگائی تھی، کسی کا مال کھا لیا تھا، کسی کو مارا تھا، قیامت میں اس کی نیکیوں میں سے کچھ اس نے لے لیا، کچھ اس نے لے لیا اور جب نیکیاں ختم ہو گئیں تو ان مظلوم لوگوں کے گناہ اس کے ظلم کے بقدر لے کر اس پر ڈال دیے جائیں گے اور پھر جب نیکیاں ختم ہو گئیں، اور گناہ اپنے علاوہ دوسروں کے بھی سر پڑ گئے تو اس کو جہنّم میں پھینک دیا جائے گا۔

حل لغات: (۱) پیلا۔ (۲) سستی۔ (۳) ہمت۔ (۴) طاقتور۔ (۵) جھوٹا الزام۔

دوسری حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ جس کے ذمہ کسی دوسرے کا حق ہو، آبروریزی[1] کا ہو یا کسی اور قسم کا ہو، وہ آج دنیا میں معاف کرالے؛ قبل اس کے وہ دن آجائے جس میں روپیہ پیسہ آدمی کے پاس نہ ہوگا، اگر کوئی نیک عمل اس کے پاس ہے تو اس سے ظلم کا بدلہ ادا کیا جائے گا اور اگر اس کے پاس نیک عمل نہیں ہے تو مظلوم کے گناہ اس پر لاد دیے جائیں گے۔ [مشکوٰۃ] ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ جو شخص ایک بالشت زمین کسی دوسرے کی ظلم سے چھین لے گا، قیامت کے دن وہ حصہ ساتوں زمینوں تک طوق[2] بنا کر اس ظالم کی گردن میں ڈال دیا جائے گا۔ [مشکوٰۃ] اس کا جتنا بوجھ اور وزن گردن پر پڑے گا وہ ظاہر ہے۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورج گرہن کی نماز پڑھ رہے تھے، اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جنت اور دوزخ کے احوال ظاہر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنم میں ایک عورت کو دیکھا، جس نے کسی بلّی کو دنیا میں باندھ رکھا تھا اور اس کے کھانے کی خبر گیری میں کوتاہی کی، جس کی وجہ سے اس کو عذاب ہو رہا تھا کہ نہ اس نے اس کے کھانے کی خبر رکھی، اور نہ اس کو آزاد چھوڑا کہ وہ اپنے آپ زمین پر گری پڑی چیزوں سے پیٹ بھر لیتی۔ [مشکوٰۃ]

جو لوگ جانوروں کو پالتے ہیں، ان پر ان کی خبر گیری کی بڑی سخت ذمہ داری ہے، وہ بے زبان اکثر بھوک پیاس میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور ان پالنے والوں کو اپنے کاروبار میں خیال بھی نہیں رہتا۔

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ قیامت میں بدترین شخص وہ ہے، جو دوسرے کی دنیا کی خاطر اپنی آخرت کو نقصان پہونچائے۔ [مشکوٰۃ] کہ دوسرے نے کسی پر ظلم کیا، آپ تعلّقات کے زور میں اس کے حامی[3] بن گئے، جس سے دنیا کا نفع تو اس کو حاصل ہوا اور آخرت اس کے ساتھ اپنی بھی برباد ہوئی۔

اس لیے نہایت اہتمام سے ایسے امور سے بچنا چاہیے اور ہر وقت اس کی فکر چاہیے کہ نہ معلوم کب موت آجائے اور یہ وبال سر پر رہے، بالخصوص سفرِ حج کو جاتے وقت بہت اہتمام سے ان امور سے پاکی حاصل کرے کہ طویل[4] سفر ہے، نہ معلوم واپسی مقدّر رہے یا نہیں۔

(۲) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ فُلَانٌ رِدْفَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ عَرَفَةَ. فَجَعَلَ الْفَتٰى يُلَاحِظُ النِّسَاءَ وَيَنْظُرُ إِلَيْهِنَّ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا ابْنَ أَخِيْ! إِنَّ هٰذَا يَوْمٌ مَنْ مَّلَكَ فِيْهِ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ وَلِسَانَهُ غُفِرَ لَهُ.	حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک نوعمر لڑکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سواری پر سوار تھے۔ ان کی نظر عورتوں پر پڑ گئی اور ان کو دیکھنے لگے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بھتیجے! یہ ایسا دن ہے کہ جو شخص اس دن میں اپنے کان، آنکھ اور زبان کی حفاظت رکھے، اس کی مغفرت ہو جاتی ہے۔

حل لغات: (۱) بے عزتی۔ (۲) گلے کی زنجیر، بیڑی۔ (۳) مددگار۔ (۴) لمبا۔

[رواه أحمد بإسناد صحيح كذا في الترغيب۔ والقصة معروفة في كتب الحديث عن الفضل بن عباس رويت بطرق عديدة وألفاظ مختلفة]

فائدہ: چونکہ مجمع کا قصہ ہوتا ہے، ہر قسم کے مرد وعورت ایک جگہ جمع ہوتے ہیں، اس لیے بہت اہتمام سے اس دن اپنی حفاظت رکھنا ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ بدنظری سے یا نامحرم کی آواز لذّت سے سننے سے یا کسی ناجائز لفظ کے زبان سے نکالنے سے نیکی برباد گناہ لازم ہوجائے، اسی لیے قرآن پاک میں بھی اس کو اہتمام سے ذکر کیا گیا: ﴿ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ﴾[1] [سورہ بقرہ:۱۹۷] کہ یہ چیزیں حج میں نہیں ہونی چاہئیں۔ نبی کریم ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ اگر آدمی کی نظر کسی اجنبی عورت پر پڑ جائے اور وہ فوراً اپنی نظر کو ہٹالے، تو حق تعالیٰ شانہٗ اُس کو کسی ایسی عبادت کی توفیق عطا فرماتے ہیں، جس کی لذّت اور حلاوت[2] اس کو محسوس ہوتی ہے۔ [مشکوٰۃ] ایک حدیث میں ہے کہ جب آدمی کسی اجنبی عورت کے ساتھ تنہا مکان میں ہوتا ہے، تو تیسرا شخص وہاں شیطان ہوتا ہے۔ [مشکوٰۃ] اس سفر میں اکثر عورتیں نامحرموں کے ساتھ سفر کرتی ہیں اور بسا اوقات محرم کے ساتھ ہونے کی صورت میں بھی عوارض[3] کی وجہ سے مکان میں تنہا ہوجانے کی نوبت آجاتی ہے، اس لیے بہت اہتمام سے اس کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ ایسی نوبت نہ آسکے۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی عورت کسی نامحرم کے ساتھ تنہا مکان میں نہ ٹھہرے اور کوئی عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے۔ ایک صحابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرا نام فلاں غزوہ میں جانے والوں میں لکھا گیا اور میری بیوی حج کو جارہی ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جاؤ اپنی بیوی کے ساتھ حج کو جاؤ۔ [مشکوٰۃ] یہاں جہاد جیسی اہم چیز میں جانے والے صحابی رضی اللہ عنہ کو بیوی کے حج کی وجہ سے حضور ﷺ نے مؤخر[4] کردیا۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ جب عورت گھر سے نکلتی ہے تو ایک شیطان اس کے ساتھ لگ جاتا ہے۔ یعنی خود اس کو بہکانے کے لیے اور دوسروں کو اس کی طرف متوجّہ کرنے کے لیے ہر وقت کم بخت تاک میں لگا رہتا ہے، اس لیے محرم کا ایسی حالت میں ساتھ رہنا ضروری ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے تنہائی میں عورت کے پاس جانے کی ممانعت فرمائی، کسی نے عرض کیا: حضور! اگر جانے والا دیور ہو یعنی خاوند[5] کا بھائی؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''دیور تو موت ہے۔'' یعنی اس سے زیادہ اندیشہ اور خوف ہے اور بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے کہ ہر وقت کا پاس رہنا ہے، اس میں خطرات کا زیادہ اندیشہ ہے۔

حل لغات: (۱) ترجمہ: چنانچہ جو شخص ان مہینوں میں (احرام باندھ کر) اپنے اوپر حج لازم کرلے تو حج کے دوران نہ کوئی فحش بات کرے، نہ کوئی گناہ، نہ کوئی جھگڑا۔ (۲) مٹھاس۔ (۳) ضرورت، پیش آنے والی چیزیں۔ (۴) آگے۔ (۵) شوہر۔

حدیث پاک میں کان، آنکھ وغیرہ کی حفاظت کو فرمایا ہے، وہ نامحرموں کی بات سننا یا دیکھنے کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ کسی کی غیبت، چُغل خوری وغیرہ سننا یا زبان سے ادا کرنا سب ہی اس میں داخل ہے۔ اسی طرح ہر قسم کی ناجائز چیز، لہوولعب کو دیکھنا بھی اس میں شامل ہے۔

③ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَأَلَ رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: مَا الْحَاجُّ؟ قَالَ: اَلشَّعِثُ التَّفِلُ. فَقَامَ اٰخَرُ. فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَيُّ الْحَجِّ أَفْضَلُ؟ قَالَ: اَلْعَجُّ وَالثَّجُّ۔ [كذا في المشكوٰة]	ایک صحابی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ حاجی کی کیا شان ہونا چاہیے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بکھرے ہوئے بالوں والا میلا کچیلا ہو۔ پھر دوسرے صحابی نے سوال کیا کہ حج کون سا افضل ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس میں خوب (لَبَّيْكَ کے ساتھ) چلّانا ہو اور (قربانی کا خوب) خون بہانا ہو۔

فائدہ: اس حدیث شریف میں تین مضمون ذکر کیے گئے: اوّل یہ کہ حاجی کی شان یہ ہے کہ بکھرے ہوئے بال ہوں، کپڑے میلے ہوں، یہ اصل حاجی کی شان ہے۔ اس کے شان کے یہ ہرگز مناسب نہیں کہ اس حالت میں بھی زیب وزینت کی طرف مُتوجّہ ہو، اسی وجہ سے احرام کی حالت میں خوشبو کا استعمال ناجائز قرار دیا گیا کہ عاشق کو ان چیزوں سے کیا کام۔

ایک مرتبہ ذی الحجہ کی ۸/ یا ۹/ تاریخ تھی، حضرت اقدس مولانا الحاج سید حسین[1] احمد صاحب مدنی ادام اللہ ظلال برکاتہ تشریف لائے، میں نے عطر کی شیشی ملنے کے لیے سامنے کی۔ مولانا نے اس کو لے کر ملا اور نہایت ہی ٹھنڈا سانس بھر کر فرمایا کہ آج عُشّاق عطر سے روک دیے گئے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جن کے دلوں میں عشق کا زخم ہے، وہ مکّہ سے دُور رہ کر بھی وہاں کے تصوُّر کی لذّت حاصل کرتے رہتے ہیں۔ میں نے اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اکثر دیکھا کہ ذی الحجہ کی اوائل[2] تاریخوں میں اکثر بے اختیار ان کے منہ سے لَبَّيْكَ نکل جاتی تھی۔

پہلی فصل کی حدیث نمبر ۳/ کے ذیل میں گذر چکا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس بات پر فرشتوں سے فخر کرتے ہیں کہ میرے بندے بکھرے ہوئے بال اور غبار آلود کپڑوں سے آئے ہیں اور مُتعدّد احادیث میں اس تفاخُر[3] کا ذکر آیا ہے۔

دوسرا مضمون: لَبَّيْكَ آواز سے پڑھنا، یہ بھی کثرت سے روایات میں وارد ہوا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے پاس تشریف لائے اور یہ فرمایا کہ اللہ جلّ شانہٗ کا ارشاد ہے کہ تم اپنے ساتھیوں کو اس کا حکم کرو کہ لَبَّيْكَ پکار

حل لغات: ① حضرت ۱۹۵۷ء میں وفات پا چکے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ② پہلی، شروع کی۔ ③ آپس میں فخر کرنا۔

کر کہیں، اس لیے کہ یہ حج کا شعار[1] ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ لَبَّیْكَ پکار کر کہیں کہ یہ حج کا شعار ہے۔ [کنز] پہلی فصل کی حدیث نمبر چھ میں گذر چکا ہے کہ جب آدمی لَبَّیْكَ کہتا ہے تو اس کے ساتھ ہر پتھر اور درخت اور زمین بھی لَبَّیْكَ کہتی ہے اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام لَبَّیْكَ کہتے تھے تو حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے لَبَّیْكَ یَا مُوْسٰی جواب میں ارشاد ہوتا تھا۔

تیسرا مضمون حدیثِ بالا میں قربانی کی کثرت ہے۔ قربانی مستقل عبادت ہے جو صاحبِ نصاب پر واجب ہے اور جو صاحبِ نصاب نہ ہو، اس کے لیے مستحب ہے؛ لیکن حج میں اس کی فضیلت اور بھی زیادہ ہے اور اس کی کثرت مرغوب[2] ہے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حج میں ۱۰۰ اونٹ قربانی کیے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ قربانی کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنّت ہے اور قربانی کے جانور کے ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ قربانی کا جانور جب ذبح ہوتا ہے، تو پہلے قطرہ پر قربانی کرنے والے کے سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور قیامت کے دن قربانی کا جانور مع اپنے خون اور گوشت وغیرہ کے لایا جائے گا اور ستّر درجہ زیادہ وزنی بنا کر اعمال کی ترازو میں رکھا جائے گا۔ [کنز]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اور اپنی تمام امّت کی طرف سے قربانی کی، تو امّت کو بھی زیبا[3] ہے کہ اپنی قربانی کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی ایک قربانی کیا کریں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمیشہ ایک بکرا اپنی طرف سے قربانی کرتے تھے اور ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے۔ کسی نے آپ سے دریافت کیا، تو آپ نے فرمایا کہ مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں آپ کی طرف سے قربانی کروں، اس لیے میں ہمیشہ کرتا رہوں گا۔ [کنز]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے چھوٹے بچّوں کی طرف سے خود قربانی کیا کرتے تھے۔ قربانی درحقیقت ایک بہت اہم یادگار ہے، جس کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشاد کہ "حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے" میں اشارہ گذر چکا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بڑھاپے کی حالت میں بڑی تمنّاؤں سے اولاد ہوئی اور جب وہ ہونہار دیکھنے کے قابل ہوئی کہ باپ کی بھی دیکھ کر روح تازہ ہوجائے، تو ان کو ذبح کردینے کا اشارہ ہوا جو حقیقتاً حضرت ابراہیم اور صاحبزادہ حضرت اسمٰعیل علیٰ نبیّنا وَعَلَیْهِمَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے لیے بڑا سخت امتحان تھا۔ دونوں باپ بیٹوں نے اس امتحان کو پورا کرنے میں بشاشت[4] سے پیش قدمی[5] کی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تیز چُھری لے کر صاحبزادہ کے گلے پر چلادی،

حل لغات: (۱) نشانی، علامت۔ (۲) پسندیدہ۔ (۳) مناسب۔ (۴) خوشی، مسرت۔ (۵) آگے بڑھنا۔

لیکن اللہ کی قدرت کا یہ ادنٰی[1] کرشمہ تھا کہ اس عمل کی تکمیل[2] بجائے صاحبزادہ کے جانور پر ہوئی، لیکن ﴿ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ﴾ [سورۂ صافات:۱۰۵] "تم نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا" کا مژدہ[3] ملا، تو حقیقتاً یہ اپنی اولاد کی قربانی کا بدل ہے جو محض اللہ کے لطف وکرم سے اس کا بدل بن گیا۔ اس وقت یہی تصور ہونا چاہیے کہ گویا اپنے نفس کو اور آل اولاد کو اللہ کے راستہ میں قربان کر رہا ہے۔

اجمالی آداب

شریعت کے ہر حکم اور اسلام کے ہر رکن کے ساتھ کچھ آداب بھی مقرر ہیں، نماز ہو یا روزہ ہو، زکوٰۃ ہو یا حج، ہر چیز میں آداب کی تحقیق اور اس کی رعایت کی حتی الوسع[4] کوشش ہونا چاہیے۔ حضرت اقدس شاہ عبدالعزیز صاحب نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ نے تفسیرِ عزیزی میں تحریر فرمایا ہے: مَنْ تَهَاوَنَ بِالْاٰدَابِ عُوْقِبَ بِحِرْمَانِ السُّنَّةِ. وَمَنْ تَهَاوَنَ بِالسُّنَّةِ عُوْقِبَ بِحِرْمَانِ الْفَرَائِضِ. وَمَنْ تَهَاوَنَ بِالْفَرَائِضِ عُوْقِبَ بِحِرْمَانِ الْمَعْرِفَةِ۔ "یعنی جو شخص آداب میں سستی کرتا ہے، وہ سنّت سے محرومی کی بلا[5] میں گرفتار کیا جاتا ہے اور جو سنّت میں سستی کرتا ہے، وہ فرائض کے چھوٹنے کی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے اور جو فرائض میں سستی کرتا ہے وہ معرفت کی محرومی میں مبتلا ہوتا ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ بہت سے اُمور پر احادیث میں کُفر کا اطلاق کیا گیا ہے کہ وہ اسی ضابطہ کے موافق کفر تک پہونچا دیتا ہے، اس لیے شریعت کے ہر حکم میں آداب کا اہتمام چاہیے کسی عذر کی وجہ سے نہ ہو سکے، مضائقہ[6] نہیں مگر ان کی وقعت[7] اور اہمیت دل میں ہونا چاہیے، لاپروائی اور فضول سمجھ کر ان کو ہرگز نہ چھوڑنا چاہیے۔ احکامِ شرعیہ کے آداب و مستحبّات علماء نے بڑے اہتمام سے اپنی اپنی جگہ جمع کیے ہیں، ان کی تحقیق[8] و تفتیش کی جائے، علماء کے اختلاط[9] اور ان کے مذاکروں سے بھی بہت سے آداب معلوم ہوجاتے ہیں۔ یہاں چند آداب کا ذکر نمونہ اور اجمال[10] کے طور پر کیا جاتا ہے۔

① جب اللہ جلّ شانہٗ کسی خوش نصیب کو اس سعادت کی توفیق عطا فرمائے مثلاً حج فرض ہو جائے یا حج نفل کے اسباب پیدا ہو جائیں، تو پھر ارادہ کی تکمیل میں عُجلت[11] کرنا چاہیے، بالخصوص حج فرض کو معمولی اعذار کی وجہ سے ہرگز مؤخّر[12] نہ کرنا چاہیے کہ شیطان ایسے مواقع پر لغو[13] خیالات اور بےمحل[14] ضروریات دل میں جمع کر دیتا ہے اور طرح طرح کے وسوسے دل میں ڈالتا ہے۔

حضرت ابنِ عباس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا سے نقل کیا گیا کہ شیطان کا مقولہ جو قرآن پاک میں سورۂ اعراف

حل لغات: ① چھوٹا سا۔ ② مکمل ہونا، پورا ہونا۔ ③ خوشخبری۔ ④ جہاں تک ہو سکے۔ ⑤ مصیبت۔ ⑥ حرج۔ ⑦ عزت۔ ⑧ چھان بین۔ ⑨ میل جول۔ ⑩ مختصر ہونا۔ ⑪ جلدی۔ ⑫ دیر، آخر میں۔ ⑬ بےکار۔ ⑭ غیر ضروری۔

میں ذکر کیا گیا ﴿قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝﴾ [سورۂ اعراف: ۱۶، ۱۷] ترجمہ: شیطان نے کہا کہ بسبب اس کے کہ یا اللہ! آپ نے مجھے گمراہ کیا ہے، میں قسم کھاتا ہوں کہ میں ان آدمیوں کے لیے آپ کی سیدھی راہ پر جا کر بیٹھوں گا اور پھر چاروں طرف سے ان پر حملہ کروں گا: آگے سے بھی، پیچھے سے بھی، دائیں سے بھی، بائیں سے بھی اور ان میں سے آپ اکثر لوگوں کو شکر گذار نہ پائیں گے۔

سیدھی راہ ''دین کا راستہ'' ہے اور دین کے سارے ہی شعبے اس میں داخل ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا کہ خاص طور پر حج کا راستہ اس سے مراد ہے۔ [اتحاف] یعنی وہ کمبخت اس پر مُسلَّط[1] ہو کر چاروں طرف سے آدمی کو پریشانیوں میں مبتلا کرتا ہے اور طرح طرح کے اَعذار[2] سامنے لا کر حج سے روکتا ہے۔ اور ظاہر بات ہے کہ جب حج سے اس کی ساری محنت بیکار ہو جاتی ہے، عرفات کا رونا عمر بھر کے گناہوں کو دھو دیتا ہے، تو وہ جتنا بھی اس سفر کے خلاف سَعْی[3] کرے، قرینِ قیاس[4] ہے۔ اس لیے موانع[5] کو شیطانی اثر سمجھ کر حتّی الوسع[6] ان کے دفع کرنے کی اور ان کو غیر اہم سمجھنے کی کوشش کرنا چاہیے۔

(۲) مناسب ہے کہ جب سفر کا ارادہ ہو تو مسنون استخارہ کر لے، نفسِ حج کے لیے استخارہ کی ضرورت نہیں، مَثَل مشہور ہے ''در کارِ خیر ہیچ حاجت استخارہ نیست'' کارِ خیر میں استخارہ کی حاجت نہیں، لیکن چونکہ اہم سفر ہے، راستہ دشوار گذار ہے؛ ان اُمور کے متعلق استخارہ کرے کہ کب چلے، کس راستہ سے جائے، کس جہاز میں جائے وغیرہ وغیرہ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں استخارہ کرنے کی تعلیم اس طرح اہتمام سے دیا کرتے تھے، جس اہتمام سے قرآن پاک کی سورت یاد کراتے تھے اور یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی مُہتَم[7] بِالشّان امر پیش آئے تو دو رکعت نفل نماز پڑھنے کے بعد یہ دعا پڑھے۔ استخارہ کی دُعا مشہور ہے، حج کے سب رسائل میں موجود ہے۔

(۳) حج کے مسائل معلوم کرنے کی سعی کرے۔ ابنِ امیر الحاج لکھتے ہیں کہ سب سے اہم چیز اُن مسائل کا معلوم کرنا ہے جو حج کو جانے کے قبل اور روانگی کے بعد اور حج کے دوران میں پیش آتے ہیں کہ علم کا سیکھنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر شخص پر فرض کیا ہے، اس لیے حج کے فرائض اور سُنَن اور جو چیزیں اس میں حرام یا مکروہ ہیں، ان کا معلوم کرنا ضروری ہے۔ [مدخل]

حل لغات: (۱) غالب ہو کر۔ (۲) ضرورتیں۔ (۳) کوشش۔ (۴) عقل کے مطابق۔ (۵) رکاوٹ۔ (۶) کوشش بھر۔ (۷) اہم، ضروری۔

بہت سے رسائل اردو میں اس موضوع پر شائع ہو چکے ہیں، ان کو بالاستیعاب[1] دو چار مرتبہ سفر سے پہلے پڑھ لے، تا کہ ناواقفیت کی وجہ سے اس اہم فریضہ کی ادائیگی میں نقصان نہ رہ جائے۔ عام علماء بھی اس سے بے نیاز نہیں ہیں، درس کے وقت مسائل کا نظر سے گذر جانا دوسری بات ہے، وقت پر مُستحضَر[2] ہونا اور چیز ہے، یہ صحیح ہے کہ ان کو سرسری طور سے دیکھ لینا کافی ہے، عوام کو بہت اہتمام سے اور غور سے دیکھنے کی ضرورت ہے اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ کسی عالم کی رفاقت[3] سفر میں اختیار کرے اور ہر چیز کو اس سے تحقیق کرتا رہے۔ تین رسالوں کے مطالعہ کا بندۂ ناکارہ خصوصیت سے مشورہ دیتا ہے: ایک ''زُبدَۃُ الْمَنَاسِکْ'' مُؤَلَّفہ قُطُبِ عالم حضرت گنگوہی نَوَّرَ اللہُ مَرْقَدَہٗ، دوسرے ''زیارتُ الحَرَمین'' مُؤَلَّفہ مولانا عاشق الٰہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، تیسرے ''مُعَلِّمُ الحُجَّاج'' مُؤَلَّفہ مولانا سعید احمد صاحب زَادَ مَجْدُہُم، مفتی مظاہر علوم۔ ان کے علاوہ اور جو رسائل مُعتَمَد[4] علماء کے مل سکیں۔

④ جب سفر کرے تو نیّت خالص اللہ کی رضا ہونا چاہیے، لوگوں کا دکھلاوا یا ''حاجی'' کہلانے کا شوق یا سیر وتفریح وغیرہ فاسد ارادے ہرگز نہ ہونا چاہئیں، جیسا کہ پہلی فصل کی حدیث نمبر ا میں گذر چکا ہے۔

⑤ ایک یا اس سے زیادہ رفیقِ[5] سفر ایسے لوگ تلاش کیے جائیں جو دیندار صالح نیک ہوں، دین کے کاموں میں دل چسپی اور شوق رکھنے والے ہوں، تا کہ راستے میں مُعین و مددگار ہوں، اگر یہ کسی کام کو بھول جائیں تو وہ یاد دلائیں اور نیک کاموں کی ترغیب دیتے رہیں، اگر کسی کام میں سُستی پیدا ہو تو وہ ہمّت بندھائیں، اگر کہیں بُزدلی پیدا ہو تو وہ بہادری پیدا کریں، اگر کوئی پریشانی پیدا ہو تو صبر دلائیں، کوئی عالِم ہو تو اور بھی بہتر ہے کہ مسائل میں بھی مدد دیتا رہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ رشتہ دار کی بہ نسبت اجنبی زیادہ بہتر ہے کہ راستہ میں بسا[6] اوقات طبائع[7] کے اختلاف کی وجہ سے آپس میں شکر رنجی[8] پیدا ہو جاتی ہے، جس سے قطع تعلق[9] کی نوبت آجاتی ہے، اگر رشتہ دار کے ساتھ ایسی نوبت آئے گی تو قطع رحمی[10] کا گناہ ہوگا، البتہ اگر اپنے اوپر یا رفیق پر اس کا اطمینان ہو کہ ایسی نوبت نہ آئے گی تو مضائقہ نہیں۔

⑥ حج کے لیے حلال مال تلاش کرے جس میں شبہ نہ ہو، حرام مال سے خواہ رشوت کا ہو یا ظلم سے کسی سے حاصل کیا ہو، ایسے مال سے حج فرض تو ادا ہو جاتا ہے، لیکن وہ حج مقبول نہیں ہوتا، جیسا کہ اسی فصل کی پہلی حدیث میں مفصّل گذر چکا۔ علماء نے لکھا ہے کہ اگر مال مُشتبہ[11] ہو تو پھر علماء نے اس کی یہ صورت تجویز کی ہے کہ قرض لے کر حج کر لے اور پھر اس مال سے قرض ادا کر دے۔

⑦ اپنے سب پچھلے گناہوں سے توبہ کرے اور کسی کا مال ظلم سے لے رکھا ہو تو اس کو واپس کرے؛

حل لغات: ① شروع سے آخر تک۔ ② یاد ہونا۔ ③ ساتھ۔ ④ اعتبار کے لائق۔ ⑤ ساتھی۔ ⑥ کبھی کبھار۔ ⑦ طبیعتوں۔ ⑧ اختلاف، بگاڑ۔ ⑨ تعلق توڑنا۔ ⑩ رشتہ توڑنا۔ ⑪ جس کے حلال ہونے میں شک وشبہ ہو۔

اور کسی اور قسم کا کسی پر ظلم کیا ہو تو اس سے معاف کرائے، جن لوگوں سے اکثر سابقہ پڑتا رہتا ہو ان سے کہا سُنا معاف کرالے، اگر کچھ قرضہ اپنے ذمّہ ہو تو اس کو ادا کرے یا ادائیگی کا کوئی انتظام کردے، جو امانتیں لوگوں کی اپنے پاس ہوں ان کو واپس کرے یا کوئی مناسب انتظام امانت رکھنے والوں کی رضا سے کردے، جن لوگوں کا خرچ اپنے ذمّہ ہے جیسے بیوی، چھوٹی اولاد وغیرہ ان کے خرچ کا بندوبست اپنی واپسی کے زمانہ تک کردے۔

علماء نے لکھا ہے کہ جس شخص پر کوئی ظلم کر رکھا ہو یا اس کا کوئی اور حق اپنے ذمّہ ہو، تو وہ بمنزلہ ایک قرض خواہ کے ہے، جو اس سے یہ کہتا ہے کہ تُو کہاں جا رہا ہے؟ کیا تُو اس حالت میں شہنشاہ کے دربار میں حاضری کا ارادہ کرتا ہے کہ تُو اس کا مجرم ہے؟ اس کے حکم کو ضائع کر رہا ہے؟ حکم عدولی[1] کی حالت میں تُو حاضر ہو رہا ہے؟ اس سے نہیں ڈرتا کہ وہ تجھ کو مردود کر کے واپس کردے؟ اگر تُو قبولیت کا خواہش مند ہے تو اس ظلم سے توبہ کر کے حاضر ہو، اس کا مُطیع اور فرمانبردار بن کر پہونچ، ورنہ تیرا یہ سفر ابتداء کے اعتبار سے مشقّت ہی مَشَقَّتْ ہے اور انتہا کے اعتبار سے مردود ہونے کے قابل ہے۔

⑧ حلال وطیّب مال سے اتنا خرچہ اپنے ساتھ لے جو بغیر تنگی کے پورے سفر کی آمد و رفت کو کافی ہوجائے، بلکہ احتیاطاً کچھ زائد لے تاکہ راستہ میں غُرباء کی کچھ اعانت[2] کرسکے، کھانے میں سے اہلِ ضرورت کی تواضع[3] کرسکے، جو لوگ ضرورت کی مقدار سے بھی کم لے کر جاتے ہیں وہ اکثر دوسروں پر بوجھ بن جاتے ہیں اور سوال کے مُرتکِب[4] ہوتے ہیں، حَقْ سُبْحَانَہٗ وَتَقَدَّسَ نے قرآن پاک میں "وَتَزَوَّدُوْا" کا حکم ارشاد فرمایا، جیسا کہ اسی فصل کے شروع میں مفصّل[5] گذر چکا۔

⑨ جب سفر شروع کرے تو دو رکعت نفل پڑھے، جس میں پہلی رکعت میں "قُلْ یَاۤاَیُّھَا[6]" اور دوسری میں "قُلْ ھُوَ اللّٰہُ" پڑھنا اُولٰی ہے اور بہتر یہ ہے کہ دو رکعت گھر میں پڑھے اور دو رکعت محلہ کی مسجد میں۔

⑩ چلنے سے پہلے اور چلنے کے بعد کچھ صدقہ کرے اور اپنی وُسعت کے موافق کرتا رہے کہ صدقہ کرنے کو بلاؤں اور مصیبتوں کے دفع[7] کرنے میں خاص دخل ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ کرنا اللہ کے غصّہ کو دُور کرتا ہے اور بُری موت سے حفاظت کا سبب ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی کو کپڑا پہنائے جب تک اس کے بدن پر کپڑا رہے گا، پہنانے والا اللہ کی حفاظت میں رہے گا۔ [مشکوٰۃ]

⑪ جب گھر سے نکلنے لگے تو اس وقت کی مخصوص دعائیں جو احادیث میں کثرت سے آئی ہیں، پڑھ

حل لغات: ① حکم نہ ماننا۔ ② مدد۔ ③ مہمان نوازی، آؤ بھگت۔ ④ کرنے والے۔ ⑤ تفصیل سے۔ ⑥ یعنی قُلْ یَاۤاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ، پوری سورت۔ ⑦ دور۔

کر نکلے۔ ہر ہر جگہ کی دعائیں اتنی کثیر[1] ہیں کہ اگر اس رسالہ میں سب کو جمع کیا جائے تو اس کا حجم[2] تین حصے بڑھ جائے گا، اس لیے اس میں دعائیں ذکر نہیں کی گئیں، اگر اللہ نے توفیق عطا فرمائی تو کسی وقت صرف دعائیں ایک رسالہ میں جمع کر دی جائیں گی۔ دوسرے رسائل سے تلاش کر کے جو مل سکیں پڑھ لی جائیں، حج کی دعاؤں میں مستقل رسالے بھی شائع ہو چکے ہیں، تلاش کر کے کوئی خرید لیا جائے تو بہتر ہے۔

(۱۲) چلتے وقت مقامی رفقاء اعزہ احباب[3] سے ملاقات کر کے ان کو الوداع کہے اور ان سے اپنے لیے دعا کی درخواست کرے کہ ان کی دعائیں بھی اس کے حق میں خیر کا سبب ہوں گی۔ نبی کریم ﷺ کا پاک ارشاد ہے: جب کوئی آدمی تم میں سے سفر کرے تو اپنے بھائیوں کو سلام کر کے جائے، ان کی دعائیں اس کی دعا کے ساتھ مل کر خیر میں زیادتی کا سبب ہوں گی۔ الوداع کہتے وقت مسنون یہ ہے کہ یوں کہے: ﴿أَسْتَوْدِعُ اللهَ دِيْنَكُمْ وَأَمَانَتَكُمْ وَخَوَاتِيْمَ أَعْمَالِكُمْ﴾ [اتحاف]

(۱۳) جب گھر کے دروازے سے نکلے تو اس وقت کے لیے بھی مُتعدّد دعائیں احادیث میں آئی ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب آدمی گھر سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھے: ﴿بِسْمِ اللهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ﴾ تو اس سے کہا جاتا ہے کہ تُو اپنے مقصد کی طرف راستہ پائے گا اور راستہ میں تیری حفاظت کی جائے گی اور شیطان اس سے دُور ہو جاتا ہے۔ [اتحاف]

(۱۴) جب سفر شروع ہونے لگے تو قافلہ میں کسی دیندار، سمجھدار، تجربہ کار، مُتحمّل[4] مزاج، جفاکش[5]، متواضع شخص کو امیرِ قافلہ بنا لینا چاہیے، قریشی ہو تو افضل ہے۔ نبی کریم ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ جب تین آدمی بھی سفر کریں تو چاہیے کہ ایک کو اپنے میں سے امیرِ قافلہ بنا لیں۔ [مشکوٰۃ]

حضور اقدس ﷺ کا عام معمول تھا کہ جب کوئی قافلہ روانہ ہوتا، تو کسی ایک شخص کو ان میں سے امیر بنا دیتے۔ اور جو شخص امیر بنے اس کو اَمارت کے حقوق اور اس کے آداب کی رعایت کرنا چاہیے، رُفقاء کے احوال کی خبر گیری، ان کے سامان کی نگرانی کے اسباب پیدا کرنا، ان کو آرام و راحت پہونچانا امیر کے ذمہ ہے۔ اس سلسلے میں اَشَجِّ عَبْدُالقَیْس کی حدیث جو آدابِ زیارتِ مدینہ نمبر گیارہ میں آرہی ہے دیکھنی چاہیے۔

(۱۵) بہتر یہ ہے کہ سفر کی ابتداء پنج شنبہ[6] کے دن صبح کے اوقات میں ہو۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ پنج شنبہ کے روز سفر کی ابتداء کو پسند فرماتے تھے۔ [مشکوٰۃ] دوسری حدیث میں ہے کہ

حل لغات: (۱) زیادہ۔ (۲) موٹائی۔ (۳) دوست رشتے دار۔ (۴) برداشت کرنے والا۔ (۵) محنتی۔ (۶) جمعرات۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی لشکر یا قافلہ کو روانہ فرماتے، تو دن کے اوّل حصّہ میں روانہ فرماتے۔ صخر رضی اللہ عنہ ایک بڑے تاجر تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اہتمام کی وجہ سے ان کو بھی اس کا خاص اہتمام تھا کہ جب اپنا مالِ تجارت روانہ کرتے تو دن کے شروع حصّہ میں روانہ کرتے، اس میں ان کو بڑا نفع حاصل ہوتا۔ [مشکوٰۃ]

(۱۶) سواری پر سوار ہونے کی اور اُترنے کی دعائیں بھی احادیث میں مُتعدّد[1] وارد ہوئی ہیں، ان کو معلوم اور محفوظ کرنا اَولیٰ ہے کہ ہر منزل پر اُترتے چڑھتے پڑھتا رہے اور اگر سواری اور سفر اپنے قبضہ کا ہو تو بہتر یہ ہے کہ رات کا کچھ حصّہ اور صبح کا ابتدائی حصّہ سفر کرنے میں گذرے اور دن کو منزل[2] کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ ''رات کا سفر اختیار کرو کہ زمین رات کو لپیٹ دی جاتی ہے۔'' یعنی مسافت[3] جلدی طے ہوتی ہے اور تجربہ بھی اس کا بارہا[4] ہوا، لیکن یہ وہیں ہوسکتا ہے جہاں اونٹوں کا سفر اپنے اختیار کا ہو، راستہ مامون و محفوظ ہو۔ ریلوں کے سفر میں اس کے اوقات کی پابندی ہے۔

(۱۷) جب کسی جگہ منزل میں پہونچے تو احتیاط یہ ہے کہ چلنے پھرنے میں بھی تنہا نہ جائے، تا وقتیکہ امن اور اطمینان کا حال معلوم نہ ہو کہ اجنبی جگہ کا حال معلوم نہیں ہوتا اور منزل پر بھی احتیاط یہ ہے کہ رفقاء میں سے نمبروار ایک دو آدمی سامان کی حفاظت کے ذمّہ دار رہیں۔ رات کے وقت اگر منزل ہو تو جاگنے والوں کے اوقات مُرتّب[5] کرلیے جاویں کہ نمبروار ایک دو آدمی جاگتے رہیں کہ یہ جان و مال کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ تھی کہ منزل پر پہونچ کر طے فرما دیا کرتے تھے کہ حفاظت کا کام کس کے سپرد[6] ہے۔

میرے والد صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ نے کئی مرتبہ یہ قصہ سنایا کہ میرے دادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اکثر بار بار اس پر اللہ کا شکر ادا کیا کرتے کہ گھر میں تمام رات کوئی نہ کوئی اللہ کی عبادت میں مشغول رہتا ہے اور اس پر بار بار شکر کے طور پر مُسرّت[7] ظاہر فرمایا کرتے کہ اللہ کا کتنا بڑا احسان ہے، اور صورت اس کی یہ ہوتی تھی کہ میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کُتُب[8] بینی اور مطالعہ کا بہت ذوق اور شوق تھا، رات کا اکثر حصہ وہ مطالعہ میں صرف[9] کیا کرتے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے کتاب دیکھنے میں وقت کا اندازہ نہ ہوتا تھا، نصف[10] رات تک میں کتاب دیکھتا اور والد صاحب یعنی میرے دادا صاحب آرام فرماتے، نصف لیل[11] کے بعد وہ تہجد کے لیے جب اٹھتے تو فرماتے: میاں یحییٰ تم اب تک نہیں سوئے؟ جلدی سو جاؤ، ان کے تقاضہ پر میں مجبوراً کتابیں رکھ کر سوتا اور وہ تہجد میں مشغول ہوجاتے اور ثلث لیل[12] تہجد پڑھ کر وہ تو خود آرام کرنے کے لیے سدس[13] آخر میں لیٹ جاتے اور میرے تایا صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولانا محمد صاحب کو

حل لغات: (۱) بہت بار۔ (۲) قیام۔ (۳) دوری۔ (۴) بہت بار، اکثر۔ (۵) ترتیب دینا۔ (۶) ذمہ۔ (۷) خوشی۔ (۸) کتابیں دیکھنا۔ (۹) خرچ۔ (۱۰) آدھی۔ (۱۱) آدھی رات۔ (۱۲) تہائی رات۔ (۱۳) رات کا چھٹا حصہ۔

آواز دے کر تہجد کے لیے جگا دیتے، وہ صبح صادق تک تہجد میں مشغول رہتے۔ افسوس کہ اپنے اکابر کے معمولات خیرات و برکات میں سے کچھ بھی نہ کمایا، فَيَا لَلْأَسَف[1]۔

(۱۸) سفر میں جب کسی اونچی جگہ چڑھے، تو علاوہ دوسری دعاؤں کے اللہ اکبر تین مرتبہ اور جب نیچے کی جگہ اترے تو علاوہ اور دعاؤں کے سبحان اللہ تین مرتبہ کہنا اولی ہے۔ اور جب سفر میں کسی جگہ وحشت[2] سوار ہو اور گھبراہٹ ہونے لگے تو سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ رَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوْحِ جَلَّلْتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ بِالْعِزَّةِ وَالْجَبَرُوْتِ پڑھنا اَولی[3] بھی اور مجرب[4] بھی ہے۔

(۱۹) اگر کوئی شخص بلا مشقت کے پیدل حج کرے، تو کیا ہی کہنا، بشرطیکہ کسی دوسرے مکروہ میں مبتلا نہ ہو جائے؛ لیکن اگر سواری پر حج کرے تب بھی اولی یہ ہے کہ اپنی ہمت اور وسعت کے موافق جتنا بہ سہولت تحمل[5] ہو سکے پاؤں چلے، بالخصوص مکہ سے عرفات کے درمیان کہ ہر ہر قدم پر سات سو نیکیاں حرم کی نیکیوں میں سے شمار ہوتی ہیں اور حرم کی نیکی ایک لاکھ کے برابر ہوتی ہے جیسا کہ تیسری فصل کی پہلی حدیث میں مُفصّل[6] گذرا۔ اکابر کا اکثر معمول رہا کہ اونٹوں کے سفر پر جب عصر کی نماز کے لیے اترتے تو مغرب تک پاؤں چل کر مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر سوار ہوتے کہ یہ وقت مختصر بھی ہوتا ہے اور گرمی، دھوپ یا اندھیرا ابھی نہیں ہوتا۔ علماء نے لکھا ہے کہ مکہ سے عرفات اور منیٰ تک پیدل جانا زیادہ پسندیدہ اور بہتر ہے، جو لوگ قَوِی[7]، چلنے کے عادی ہوں ان کو اس حصہ کے لیے سواری کا پابند نہ ہونا چاہیے کہ اس سے بسا اوقات[8] سواری کی مجبوری سے بہت سے مستحبات ترک[9] ہو جاتے ہیں۔

(۲۰) سواری کے جانور کی رعایت اور اس کے حقوق کی حفاظت بھی ضروری ہے، اس کے تحمل سے زیادہ مشقت اس پر ڈالنا جائز نہیں، اسلاف[10] میں سے متقی اور پرہیزگار حضرات اس پر لیٹ کر سونے سے بھی احتراز[11] کرتے تھے کہ اس سے اس پر بوجھ بڑھ جاتا ہے، علماء نے لکھا ہے کہ جانور کو اذیت[12] پہونچانے اور بے وجہ تکلیف دینے کا بھی قیامت میں مطالبہ ہوگا۔

حضرت ابو درداء صحابی رضی اللہ عنہ اپنے انتقال کے وقت اپنے اونٹ سے خطاب کر کے فرما رہے تھے کہ اللہ جلّ شانہٗ کی بارگاہ میں مجھ سے جھگڑا نہ کیجیو، میں نے تیری طاقت سے زیادہ کام تجھ سے کبھی نہیں لیا۔ [اتحاف]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ استنجے کے لیے کسی درخت کی آڑ یا کسی باغ میں تشریف لے جایا کرتے، ایک مرتبہ ایک باغ میں تشریف لے گئے تو ایک اونٹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر چلّایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم

حل لغات: (۱) ہائے افسوس۔ (۲) ڈر۔ (۳) افضل۔ (۴) تجربہ کیا ہوا۔ (۵) برداشت۔ (۶) تفصیل سے۔ (۷) طاقتور۔ (۸) کئی مرتبہ۔ (۹) چھوٹ جانا۔ (۱۰) پہلے کے بزرگ۔ (۱۱) بچنا۔ (۱۲) تکلیف۔

اس کے پاس تشریف لے گئے، اس کے کان کی جڑ پر دست[1] مبارک پھیرا اور فرمایا: اس کا مالک کون ہے؟ ایک انصاری نوعمر تشریف لائے اور کہا کہ یہ میرا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس اونٹ نے تمہاری شکایت کی کہ تم اس سے کام تو زیادہ لیتے ہو اور کھانے کو کم دیتے ہو۔ [ابوداؤد]

(۲۱) اسی طرح سواری کے مالک کے حقوق کی بھی رعایت ضروری ہے، اس کی اجازت سے زیادہ سامان رکھنا جائز نہیں، جتنی مقدار کرایہ میں طے[2] ہو چکی ہے اتنی ہی رکھنا جائز ہے۔ اس میں ریل وغیرہ کا سفر بھی یہی حکم رکھتا ہے کہ چُرا چھپا کر استحقاق سے زیادہ سامان بلا محصول[3] ادا کیے رکھنا جائز نہیں، اپنے اسلاف[4] کا معاملہ تو اس میں اس قدر احتیاط کا تھا کہ وہ اب سمجھ میں بھی مشکل سے آتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ جو مشہور مُحدِّث اور مشہور امام ہیں، ایک مرتبہ سفر میں تشریف لے جا رہے تھے، کسی نے ان کو ایک خط دیا کہ یہ بھی لیتے جائیں، انہوں نے فرمایا کہ میں اونٹ والے کو اپنا سامان دکھا چکا ہوں، اب اس کو پہلے اطلاع کر دوں کہ یہ اور لیتا ہوں وہ اجازت دے دے گا تو لے لوں گا۔ [اتحاف] اور علی بن مَعْبَدْ رحمۃ اللہ علیہ محدث کا مشہور قصہ جو حکایات صحابہ میں لکھا جا چکا ہے کہ کرایہ کے مکان سے مٹی اٹھا کر خط کو خشک کرنے پر خواب میں تنبیہ ہوئی۔

(۲۲) سارے سفر میں تنعّم[5] اور زیب و زینت کے اسباب سے بچے کہ یہ سفر عاشقانہ سفر ہے، معشوقانہ نہیں ہے جیسا کہ مفصل پہلے گذر چکا ہے۔ خود نبی کریم ﷺ کا پاک ارشاد ہے ﴿اَلْحَاجُّ الشَّعِثُ التَّفِلُ﴾ جیسا کہ اسی فصل کی تیسری حدیث میں گذرا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب حُجّاج کو دیکھتے، تو فرماتے کہ حاجی کم ہوتے جا رہے ہیں اور سفر کرنے والے بڑھتے جا رہے ہیں۔ اسی میں ایک شخص کو دیکھا کہ معمولی ہیئت[6] اور معمولی لباس میں ہے، فرمایا: ہاں! یہ حاج میں ہے۔ [اتحاف]

(۲۳) سفر میں جو کچھ خرچ کرے وہ نہایت بشاشت[7] اور فراخ دلی[8] سے خرچ کرے، دل تنگی اس مبارک سفر کے اخراجات میں ہرگز نہ ہونا چاہیے۔ پہلی فصل کی حدیث نمبر ۹ میں گذر چکا ہے کہ ایک روپیہ کا ثواب اس سفر میں سات سو روپیہ کے برابر ہے، ایسی حالت میں جو پیسہ اس مبارک سفر میں خرچ ہو جائے وہ اجر[9] ہی اجر ہے۔ اس سے مقصود یہ نہیں کہ اسراف[10] کیا جائے، لیکن یہ ضرور ہے کہ ہر خرچ کی زیادتی اسراف نہیں، بلکہ اسراف بے محل[11] خرچ کرنا ہے۔ وہاں کے مزدوروں پر، اونٹ والوں پر، مکانات کے کرایوں میں جو خرچ کیا جائے اور اس میں ان لوگوں کی اعانت[12] کی نیت بھی شامل کر لی جائے تو پھر کوئی خرچ بار[13] نہیں۔

حل لغات: (۱) ہاتھ۔ (۲) مقرر۔ (۳) کرایہ۔ (۴) بزرگان دین۔ (۵) عیش و راحت۔ (۶) حالت۔ (۷) خوشی۔ (۸) سخاوت، دل کھول کر خرچ کرنا۔ (۹) ثواب۔ (۱۰) فضول خرچی۔ (۱۱) بلاضرورت۔ (۱۲) مدد۔ (۱۳) بوجھ، بھاری۔

(۲۴) البتہ رشوت دینے سے حتی الوسع[1] احتراز[2] کرے اور جہاں تک مجبوری نہ ہوجائے، رشوت نہ دے کہ وہ حرام ہے۔ حتیٰ کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ ٹیکس دینے کی وجہ سے حج نفل کا چھوڑ دینا اولیٰ ہے کہ ٹیکس دینے میں ظالمین کی اعانت ہے۔ [احیاء]

(۲۵) اس سفر میں جو مشقتیں تکلیفیں پہونچیں، ان کو نہایت خندہ پیشانی اور بشاشت[3] سے برداشت کرے، ہرگز ان پر ناشکری اور بے صبری کا اظہار نہ کرے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس سفر میں بدن کو کسی قسم کی تکلیف پہونچنا بھی اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کے قائم مقام ہے۔ [اتحاف] کہ جیسا مال خرچ کرنا مالی صدقہ ہے، یہ جانی صدقہ ہے۔

(۲۶) معاصی[4] سے بچنے کی بہت اہتمام سے کوشش کرے، قرآن پاک میں خاص طور سے اس کو ذکر فرمایا ہے ﴿ فَمَنۡ فَرَضَ فِيۡهِنَّ الۡحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوۡقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِى الۡحَجِّ ﴾ [سورۂ بقرہ: ۱۹۷] پہلی فصل میں یہ آیت گذر چکی ہے اور اسی فصل کی پہلی حدیث میں یہ مضمون گذر چکا ہے، علماء نے لکھا ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ تک وصول[5] اس وقت تک نہیں ہوسکتا، جب تک لذتوں سے احتیاط اور شہوتوں سے حفاظت نہ ہو۔ اسی وجہ سے پہلے لوگ رہبانیت[6] اختیار کیا کرتے تھے، جس کا بدل حج میں یہ رکھا گیا کہ بیوی سے صحبت بھی ناجائز کردی گئی۔ [اتحاف]

(۲۷) نمازوں کا نہایت اہتمام رکھے، بہت سے حاجی سفر کی مشقت اور کاہلی سے اس میں سستی کردیتے ہیں، یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اگر شب[7] کے سفر کی وجہ سے آخری رات ہوجائے تو لیٹ کر نہ سوئے بلکہ کہنی کھڑی کرکے اس پر ٹیک لگا کر سوجائے ایسا نہ ہو کہ لیٹ کر سونے سے غفلت کی نیند آجائے اور صبح کی نماز فوت[8] ہوجائے کہ نماز کی فضیلت حج کی فضیلت سے زیادہ ہے۔ [اتحاف]

علماء نے لکھا ہے کہ حج کے شرائط میں سے ہے کہ نماز کو اپنے اوقات میں ادا کرنے پر راستہ میں قدرت ہو اگر راستہ ایسا بن جائے کہ نماز کے ادا کرنے کا وقت نہیں مل سکتا، تو حج کی فرضیت نہیں رہتی۔ ابوالقاسم حکیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جو شخص جہاد میں جائے اور اس کی وجہ سے اس کی ایک نماز فوت ہوجائے، تو اس کو اس کے کفارہ[9] میں سو جہاد کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ اس ایک نماز کے فوت ہونے کا کفارہ ہوسکے۔

ابوبکر ورّاق رحمۃ اللہ علیہ جب حج کے ارادہ سے تشریف لے چلے، تو ایک ہی منزل پر پہونچ کر فرمانے لگے کہ مجھے واپس گھر پہونچاؤ، میں نے ایک ہی منزل میں سات سو کبیرہ گناہ کرڈالے۔ علماء کو

حل لغات: (۱) جہاں تک ہوسکے۔ (۲) بچنا۔ (۳) خوشی۔ (۴) گناہ۔ (۵) پہونچنا۔ (۶) دنیا کو چھوڑ کر اللہ کی عبادت کرنا۔ (۷) رات۔ (۸) چھوٹنا۔ (۹) گناہ کا بدلہ۔

بڑا تعجب ہے کہ ایک منزل چلنے میں اتنے گناہ کبیرہ ہو بھی سکتے ہیں یا نہیں؟ ایک معمولی فاسق فاجر[1] سے بھی چند میل چلنے میں اتنے گناہ نہیں ہو سکتے، پھر ایک شیخ المشائخ[2] جو اکابر میں ہیں، ان سے کیسے صادر ہوئے۔ بعض اکابر نے کہا کہ ایک نماز کی جماعت فوت ہو گئی تھی۔ اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس نے جماعت کی نماز ترک[3] کردی، اس نے گویا سات سو کبیرہ گناہ کیے ہیں۔ [شرح لباب] ممکن ہے شیخ کو یہ حدیث پہونچی ہو، معروف[4] کتب میں بندہ کو یہ حدیث نہیں ملی اور حج بھی غالباً نفلی ہوگا۔

(۲۸) سارے سفر کو ذوق وشوق اور عاشقانہ والہانہ جذبہ سے کرے، جیسا کہ پہلے مُفَصَّل[5] گذر چکا کہ یہ عبادت ساری ہی مظہرِ[6] عشق ہے، یہ سمجھے کہ اللہ کے دربار میں حاضر ہو رہا ہے اور ایسا ہے گویا شہنشاہ نے کوئی دربار مقرر کیا ہے اور خوش قسمتی سے دعوتی کارڈ اس کے نام کا بھی آ گیا، اس لیے کہ بغیر اللہ جلَّ شانُہٗ کی توفیق کے کچھ بھی نہیں ہوتا، اسی کی طرف سے طلب اور حاضری کی طلب ہوتی ہے جب ہی کوئی شخص جا سکتا ہے۔

مری طلب بھی کسی کے کرم کا صدقہ ہے　　قدم یہ خود نہیں اٹھتے اٹھائے جاتے ہیں

اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید رکھے کہ جب دنیا میں اس نے اپنے مکان کی زیارت کی سعادت نصیب فرمائی، تو آخرت میں اپنی زیارت سے بھی محروم نہ فرمائے گا۔

(۲۹) اپنی ہر عبادت میں اللہ کے لطف وکرم سے قبول کی امید[7] واثق رکھے، وہ بڑا کریم ہے اور اس کے کرم کا ہر شخص کو امیدوار رہنا چاہیے۔　　ع کہ شیوہ[8] ہے کریموں کا نبھانا اپنے چاکر[9] کا

پہلی فصل کی حدیث نمبر چھ کے ذیل میں گذرا ہے کہ وہ شخص بڑا گنہگار ہے، جو عرفات کے میدان میں بھی یہ سمجھے کہ میری مغفرت نہیں ہوئی، اور حدیث نمبر چار اور پانچ میں تو مغفرت کا بالکل یقین ہے، اللہ کا لطف[10] وکرم، اس کا فضل وانعام، اس کی ذرہ[11] نوازی، بندہ[12] پروری سے کامل امید رکھے کہ ہر عمل قبول ہوگا، مگر اس امید میں گھمنڈ کا شائبہ[13] ہرگز نہ آئے، اپنے اعمال کے قصور کی وجہ سے اس کو اس کا مستحق سمجھے کہ قابل قبول نہیں۔ ابنِ اَبی مُلَیکہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تیس حضرات سے ملا، ہر ایک ان میں سے اپنے منافق ہونے سے ڈر رہا تھا۔ [بخاری] یعنی وہ یہ سمجھتے تھے کہ ہمارے اعمال کا باطن ایسا بہتر نہیں ہے جیسا ظاہر ہے، اس سے ان کو اپنے اوپر نفاق کا خوف ہو جاتا تھا۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ایک شخص جہاد کرتا ہے، وہ ثواب کی بھی امید رکھتا

حل لغات: (۱) گنہگار۔ (۲) پیروں کا پیر۔ (۳) چھوڑنا۔ (۴) مشہور۔ (۵) تفصیل کے ساتھ۔ (۶) ظاہر ہونے کی جگہ۔ (۷) پکی امید۔ (۸) عادت۔ (۹) نوکر۔ (۱۰) مہربانی۔ (۱۱) معمولی آدمی کا خیال کرنا۔ (۱۲) احسان، عنایت۔ (۱۳) شک، شبہ۔

ہے اور یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کا نام ہوجائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو کوئی ثواب نہیں۔ انھوں نے مکرر[1]، سہ کرر[2] یہی سوال کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہی جواب ارشاد فرماتے رہے، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جلّ شانہٗ صرف اسی عمل کو قبول فرماتے ہیں جو خالص اسی کے لیے ہو۔ [ترغیب]

حضرت شُفَی رحمۃ اللہ علیہ ایک تابعی ہیں، مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو انھوں نے دیکھا کہ ایک صاحب ہیں جن کے پاس بڑا مجمع لگا ہوا ہے، انھوں نے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وارضاہ ہیں، یہ قریب پہونچے اور عرض کیا کہ میں آپ سے کوئی حدیث سننا چاہتا ہوں جو آپ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اچھی طرح سمجھی ہو، انھوں نے فرمایا کہ ہاں ہاں! میں تمھیں ایک حدیث سناتا ہوں جس کو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خوب سمجھا اور اچھی طرح معلوم کیا۔ اس کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ چیخ مار کر رونے لگے جس سے بے ہوشی کے قریب ہوگئے تھوڑی دیر کے بعد جب سکون ہوا تو فرمایا کہ میں تمھیں ایک حدیث سناتا ہوں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گھر میں مجھے سنائی تھی، اس وقت میں تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے، کوئی تیسرا ہمارے ساتھ نہ تھا۔ اتنا کہہ کر پھر چیخ مار کر اسی طرح رونے لگے گویا بے ہوش ہوجائیں گے۔ پھر جب سکون ہوا تو منہ پونچھ کر فرمایا کہ ہاں میں تمھیں ایک حدیث سناتا ہوں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس گھر میں سنائی تھی، اس وقت میں تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے، کوئی تیسرا نہ تھا۔ اتنا کہہ کر پھر اسی طرح چیخ مار کر رونے کی صورت پیش آگئی اور پہلے سے بھی زیادہ سخت۔ اس کے بعد منہ کے بَل زمین پر گر گئے۔ میں بہت دیر تک ان کو پکڑے بیٹھا رہا، اس کے بعد جب افاقہ[3] ہوا تو فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن جب اللہ تبارک وتعالیٰ وجلّ وعلا بندوں کے حساب کی طرف توجہ فرمائیں گے اور ہر آدمی خوف کی وجہ سے گھٹنوں کے بَل گرا ہوا ہوگا، تو سب سے پہلے تین شخص بلائے جائیں گے: ایک حافظ قرآن، دوسرا مجاہد، تیسرا مالدار اور سب سے اول حافظِ قرآن سے مطالبہ ہوگا کہ میں نے تجھ کو وہ چیز عطا کی جو میں نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری، وہ عرض کرے گا کہ بے شک آپ نے یہ دولت عطا فرمائی تھی۔ تو سوال ہوگا کہ تو نے اپنے اس علم میں کیا عمل کیا؟ وہ عرض کرے گا کہ میں دن رات اس کی تلاوت وغیرہ میں مشغول رہتا تھا، ارشاد ہوگا کہ جھوٹ بولتا ہے، فرشتے بھی سب ایک زبان ہوکر کہیں گے کہ جھوٹ ہے، جھوٹ ہے، پھر اللہ جلّ جلالہٗ کا ارشاد ہوگا کہ یہ محض اس لیے ہوتا تھا کہ لوگ کہیں گے بڑا جَیِّد[4] قاری ہے، سو کہا جا چکا، پھر مالدار سے مطالبہ ہوگا کہ میں نے تجھ کو اتنی وسعت[5] مال کی عطا کی کہ کسی چیز میں کسی دوسرے کا محتاج تو نہیں رہا۔ وہ عرض کرے گا کہ بے شک ایسا ہی تھا، ارشاد ہوگا کہ میرے اس عطا کیے ہوئے مال میں تو نے کیا

حل لغات: (۱) دوبارہ۔ (۲) تیسری مرتبہ۔ (۳) ہوش آنا۔ (۴) بہت بہترین۔ (۵) زیادتی۔

عمل کیا؟ وہ عرض کرے گا کہ میں صلہ رحمی کرتا تھا اور صدقات کرتا رہتا تھا۔ ارشاد ہوگا کہ جھوٹ ہے اور فرشتے بھی سب کہیں گے کہ جھوٹ ہے، جھوٹ ہے، پھر اللہ کا پاک ارشاد ہوگا کہ یہ اس لیے کیا جاتا تھا کہ لوگ کہیں گے: فلاں بڑا سخی ہے، سو کہا جا چکا۔ پھر مجاہد سے سوال ہوگا کہ تمھارا کیا عمل ہے؟ وہ عرض کرے گا کہ یا اللہ! تو نے جہاد کا حکم کیا، میں نے تیرے راستہ میں جہاد کیا، یہاں تک کہ جان دے دی، ارشادِ عالی ہوگا کہ جھوٹ بولتا ہے، فرشتے بھی کہیں گے کہ جھوٹ ہے، جھوٹ ہے، ارشاد ہوگا کہ یہ تو اس لیے کیا تھا کہ لوگ کہیں گے: بڑا بہادر ہے، سو کہا جا چکا۔

اس کے بعد حضورِ اقدس ﷺ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے زانو پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ یہ تین شخص ہیں جن سے جہنم کی آگ سب سے پہلے بھڑکائی جائے گی۔

اس کے بعد شُفَی رحمۃ اللہ علیہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، تو ان سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا تذکرہ کیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب ان تین کا یہ حشر ہوا تو باقی لوگوں کا کیا کچھ حال ہوگا۔ یہ کہہ کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس قدر روئے کہ دیکھنے والوں کو خیال ہوا کہ یہ روتے روتے ہلاک ہو جائیں گے، اس کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب افاقہ[1] ہوا تو فرمانے لگے: اللہ جلّ شانہٗ نے بھی حق فرمایا اور اس کے پاک رسول ﷺ نے بھی پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ [سورہ ھود: ۲] [ترغیب] ترجمہ: اور جو شخص (اپنے نیک اعمال سے) محض دنیا کا طالب ہو اور اس کی رونق حاصل کرنا چاہتا ہو (جیسے شہرت نیک نامی وغیرہ) تو ہم ان لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں پورے طور سے دیتے ہیں اور دنیا میں ان کے لیے کچھ کمی نہیں ہوتی اور آخرت میں ایسے لوگوں کے لیے بجز[2] جہنم کے اور کچھ نہیں، انھوں نے جو کچھ (دنیا میں) کیا تھا، وہ آخرت میں سب کا سب بےکار ثابت ہوگا (اور جب نیت خیر نہیں تو) وہ سب کا سب باطل اور لغو[3] ہے"۔

جب یہ حالت ہے تو اپنے کسی عمل کے متعلق یہ گھمنڈ کہ یہ اللہ کے واسطے ہوگیا، بہت مشکل ہے، مگر یہ کہ اللہ جلّ شانہٗ ہی اپنے فضل وکرم سے تسامُح[4] کا معاملہ فرما کر اس کو قبول کرلے، تو اس کی رحمت سے بالکل بعید نہیں۔

نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ ایک نوجوان صحابی کی عیادت[5] کے لیے تشریف لے گئے، وہ سخت علیل[6] تھے اور انتقال کا وقت قریب تھا۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا: کیا حال ہے؟ انھوں نے عرض کیا:

حل لغات: (۱) ہوش آنا۔ (۲) جہنم کے علاوہ۔ (۳) بےکار۔ (۴) درگذر۔ (۵) مریض کو دیکھنے جانا۔ (۶) بیمار۔

یارسول اللہ! اللہ کی رحمت کا امیدوار ہوں اور اپنے گناہوں سے ڈر رہا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں اس وقت کسی بندہ کے دل میں جمع نہیں ہوتیں، مگر یہ کہ اللہ جل شانہٗ اس کو وہ چیز عطا فرماتے ہیں جس کی وہ امید کر رہا ہے اور اس چیز سے امن نصیب فرماتے ہیں جس سے وہ ڈر رہا ہے۔
[جمع الفوائد]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر قیامت میں یہ اعلان ہو کہ صرف ایک شخص کی بخشش ہوگی، باقی سب جہنم میں ڈال دیے جائیں گے، تو مجھے (اللہ کی رحمت سے) یہ امید ہوگی کہ وہ ایک شخص میں ہی ہوں گا اور اگر یہ اعلان ہو کہ صرف ایک شخص جہنم میں جائے گا، باقی سب جنت میں داخل ہوں گے، تو مجھے یہ خوف ہوگا کہ وہ ایک میں ہی نہ ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد اپنے صاحبزادہ سے ہے کہ بیٹا! اللہ سے ایسا خوف کر کہ اگر تمام دنیا کے آدمیوں کی نیکیاں لے کر جائے تو وہ بھی قبول نہ ہوں اور اللہ پاک سے ایسی امید رکھ کہ اگر تو ساری دنیا کے گناہ اپنے ساتھ لے کر جائے تو وہ بھی معاف کر دے۔
[احیاء]

تنبیہ: یہ نمونہ کے طور پر چند آداب پر تنبیہ ہے، زیارت مدینہ کے مضمون میں بھی کچھ آداب آرہے ہیں وہ بھی ملحوظ[1] رکھیے۔

حل لغات: (۱) یاد رکھنا۔

چھٹی فصل: مکہ مکرمہ اور کعبہ شریف کے فضائل میں

ان دونوں کے اور ان کے خاص خاص مقامات کے بہت سے فضائل قرآن پاک اور احادیث میں آئے ہیں، نمونہ کے طور پر چند کا ذکر اس جگہ کیا جاتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ [سورۂ آل عمران:۹۶]

ترجمہ: "یقیناً وہ مکان جو سب سے پہلے لوگوں (کی عبادت) کے واسطے مقرر کیا گیا؛ وہ مکان ہے جو مکہ میں ہے (یعنی کعبہ شریف) برکت والا مکان ہے اور تمام لوگوں کے لیے ہدایت (کی چیز) ہے"۔

فائدہ: حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ سے نقل کیا گیا کہ مکانات تو اس سے پہلے بھی تھے، لیکن عبادت کے لیے سب سے پہلے یہی مکان موضوع[1] ہوا۔ متعدّد[2] صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے نقل کیا گیا کہ تمام زمین کے پیدا ہونے سے پہلے یہ جگہ پانی پر بلبلہ کی طرح سے تھی، پھر اسی کو پھیلا کر ساری زمین اسی سے بنائی گئی جیسا کہ آٹے کے پیڑے[3] سے پھیلا کر روٹی بنائی جاتی ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ یہود بیت المقدس کو سب سے افضل شہر بتایا کرتے تھے کہ وہاں بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام کا قیام رہا ہے، اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ [درمنثور]

﴿فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ﴾ [سورۂ آل عمران:۹۷] ترجمہ: "اس میں بہت سی کھلی ہوئی نشانیاں (اس کی افضلیت کی) موجود ہیں، منجملہ ان کے اس میں مقام ابراہیم ہے۔"

فائدہ: "مقام ابراہیم ایک پتھر ہے، جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے کعبہ کی تعمیر کی تھی اور اس پتھر پر آپ کے قدموں کا نشان بن گیا تھا، اور اب وہ کعبہ شریف کے قریب ایک قُبّہ[4] میں ہے جس کو مقام ابراہیم ہی کہا جاتا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس پتھر میں قدم کے نشانات کا ہونا بھی ایک کھلی نشانی ہے۔ [درمنثور]

﴿وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا﴾ [سورۂ آل عمران:۹۷] ترجمہ: "اور جو شخص اس کے (یعنی حرم کی حدود کے) اندر داخل ہو جائے وہ امن والا ہو جاتا ہے۔"

فائدہ: دو وجہ سے وہ جگہ مقام امن ہے: ایک آخرت کے اعتبار سے کہ اس میں نماز و حج وغیرہ کرنے سے جہنم کے عذاب سے امن ہوتا ہے اور دوسرے اس وجہ سے کہ جو شخص باہر کسی کو قتل کر کے اس میں داخل ہو جائے تو اس کو بدلہ میں وہاں قتل نہ کیا جائے گا، البتہ اس کو کھانا وغیرہ بند کر کے مجبور کیا جائے گا کہ وہاں سے باہر نکلے اور باہر قتل کیا جائے۔

حل لغات: (۱) بنایا گیا۔ (۲) کئی۔ (۳) گوندھے ہوئے آٹے کا گولا۔ (۴) گنبد۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں اپنے باپ کے قاتل کو بھی حرم میں پاؤں، تو وہاں اس کو ہاتھ نہ لگاؤں، یہاں تک کہ باہر نکلے، حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے تو یہ نقل کیا گیا ہے کہ اگر میں اپنے باپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قاتل کو وہاں پاؤں تو میں اس کو مجبور نہ کروں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی اپنے والد کے قاتل کے متعلق نقل کیا گیا۔ [درمنثور]

﴿وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا﴾ [سورۂ بقرہ:۱۲۵] ترجمہ: ''اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جس وقت کہ ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے لیے مرجع بنایا اور امن (کی جگہ)''۔

فائدہ: مرجع بنانے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ قبلہ بنایا کہ لوگ نماز میں اس کی طرف رجوع کریں، دوسرے یہ کہ حج وعمرہ کے لیے اس کی طرف چل کر آویں؛ اور ہوسکتا ہے کہ مثابۃ ثواب سے ہو کہ ثواب کی جگہ بنایا کہ وہاں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ کے برابر ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مرجع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے لوگوں کا دل نہیں بھرتا، ایک مرتبہ حج کر کے جاتے ہیں پھر بار بار اس کی طرف لوٹتے ہیں۔ [درمنثور]

﴿وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ [سورۂ بقرہ:۱۲۷] ترجمہ: ''اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب کہ بلند کر رہے تھے ابراہیم علیہ السلام دیواریں کعبہ شریف کی اور (ان کے ساتھ مدد کر رہے تھے) اسمٰعیل علیہ السلام اور یہ کہتے جا رہے تھے اے ہمارے رب یہ خدمت ہماری قبول کر لیجیے بلاشبہ آپ خوب سننے والے ہیں۔ (دعاؤں کے) اور خوب جاننے والے ہیں (لوگوں کے حالات اور نیتوں کو)''۔

فائدہ: کعبہ کی تعمیر حضرت ابراہیم عَلَیہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے کی، یہ تو قطعی① چیز ہے، قرآن پاک میں صاف موجود ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس مکان سے افضل کون سا مکان ہوسکتا ہے کہ اللہ جلّ جلالہٗ نے اس کے بنانے کا حکم فرمایا، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کی انجینئری کی، نقشہ بتایا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ جیسے بڑے نبی اس کے معمار② اور حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ جیسے جاں نثار تعمیر میں مددگار تھے۔ اللہ اکبر! کتنی بڑی عظمت ہے اس مکان کی۔

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر اس وقت سو برس کی تھی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تیس برس کی۔ [درمنثور] کعبہ کی تعمیر مؤرخین③ کے نزدیک متعدد④ مرتبہ ہوئی، ان میں سے بعض متفق علیہ⑤ ہیں اور بعض مختلف فیہ⑥، اس کی بحث یہ ناکارہ موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی

حل لغات: ① یقینی۔ ② عمارت بنانے والا۔ ③ تاریخ لکھنے والے۔ ④ کئی۔ ⑤ جس پر سب کا اتفاق ہو۔ ⑥ جس بات میں اختلاف ہو۔

عربی شرح میں تفصیل سے ذکر کر چکا ہے، جس کا اجمال[1] یہ ہے:

① مشہور قول کے موافق سب سے اوّل اس کی تعمیر فرشتوں نے کی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل، اور بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ دوسری تعمیر ہے، اس سے پہلے حق تعالیٰ شانہٗ کے امرِ کُن سے اس کی تعمیر ہوئی جس میں فرشتوں کا بھی دخل نہ تھا۔

② حضرت آدم علیہ السلام کی تعمیر ہے جو محدثین اور مورخین کے نزدیک مشہور ہے، مگر قطعی روایت نہیں۔ روایات میں آیا ہے کہ پانچ پہاڑوں کے پتھروں سے حضرت آدم علیہ السلام نے اس کو بنایا تھا: لبنان، طُورِ سِینا، طور زیتا، جُودِی، حرا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے بنیادی حصہ تعمیر کیا تھا، اس کے اوپر آسمان سے بیتِ معمور[2] نازل ہو کر رکھا گیا تھا۔ اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کے وصال پر یا طوفانِ نوح علیہ السلام کے وقت وہ آسمان پر اٹھا لیا گیا۔

③ حضرت شیث علیہ السلام جو حضرت آدم علیہ السلام کے صاحبزادے نبی ہوئے، ان کی تعمیر بتائی جاتی ہے۔

④ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بِنا[3] جو اوپر گذری اور یہ قطعی ہے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ یہ بنا نو گز اونچی تھی اور تیس ۳۰ گز لمبی اور تیئس ۲۳ گز چوڑی، یہ مُسَقَّف[4] نہ تھی اور اس کے اندر ایک کنواں تھا جس میں وہ نذر نیاز ڈال دی جاتی تھی جو کعبہ پر نثار کی جاتی تھی۔

⑤ عَمالِقہ کی اور ⑥ جُرہم کی، یہ عرب کے دو قبیلے حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں ہیں۔

⑦ قُصَی کی تعمیر ہے جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچویں پشت میں دادا ہیں۔

⑧ قریش کی تعمیر، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جوانی کے زمانے میں جس کے بہت سے قصے احادیث میں آتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف اس وقت پچیس ۲۵ سال کی تھی اور بعض نے پینتیس ۳۵ سال کی بتائی ہے۔ اس کی تعمیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی شرکت ہوئی کہ اپنے کاندھے پر پتھر اُٹھا کر لاتے تھے، یہی وہ تعمیر ہے جس میں حجرِ اسود کو اپنی جگہ پر رکھنے میں قریش میں ایسا نزاع[5] پیدا ہوا کہ ہر جانب سے تلواریں نکل آئیں اور ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ یہ سعادت اس کے حصہ میں آئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا یہ بہترین فیصلہ کیا کہ اپنی چادر مبارک پر اس کو رکھ کر فرمایا کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی اس چادر کے کنارے کو پکڑ لے، اسی طرح اس کو کعبہ کی دیوار تک لے جا کر فرمایا کہ تم سب مجھے اپنی طرف سے وکیل بنا دو کہ اس پر سے اٹھا کر دیوار پر رکھ دوں، سب نے وکیل بنا دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے اوپر رکھ دیا۔ قریش نے اس تعمیر میں اس کا عہد کیا تھا کہ اس میں مشتبہ[6] کمائی نہ لگائی جائے گی۔ حلال کمائی کم رہ گئی جس

حلِ لغات: ① مختصر بات۔ ② خانہ کعبہ کے اوپر آسمان پر ایک مخصوص مکان جس کا فرشتے طواف کرتے رہتے ہیں۔ ③ بنیاد۔ ④ چھت والی۔ ⑤ جھگڑا۔ ⑥ وہ مال جس کے حلال ہونے میں شبہ ہو۔

کی وجہ سے حطیم کی جانب دیوار کو پیچھے ہٹا دیا اور کچھ حصہ کعبہ شریف کا باہر رہ گیا۔ اور کعبہ کا دروازہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کے خلاف بہت اونچا کر دیا کہ ہر شخص اس میں داخل نہ ہو سکے بلکہ داخلے کے واسطے سیڑھی لگانا پڑے، جس کو دل چاہے سیڑھی لگا کر داخل کریں جس کو چاہے داخل نہ ہونے دیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ کعبہ شریف کو از سرِ نو قواعد حضرت ابراہیم علیہ السلام پر تعمیر کیا جائے، مگر اس کی نوبت نہ آئی۔

⑨ ۶۴ ھ میں یزید کی فوج نے جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما پر مکہ میں چڑھائی کی، تو منجنیق سے آگ برسائی جس سے کعبہ کا پردہ بھی جل گیا اور کعبہ کی دیواروں کو بھی نقصان پہونچا، اسی اثنا میں یزید مر گیا اور وہ فوجیں وہاں سے واپس آ گئیں، تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے کعبہ کو منہدم کر کے از سرِ نو تعمیر کیا، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے موافق حطیم کے حصہ کو اندر داخل کیا اور دروازہ زمین کے قریب کر دیا کہ ہر شخص اس میں داخل ہو سکے، اور دوسرا دروازہ اس کے مقابل دیوار میں قائم کر دیا کہ لوگ ایک دروازہ سے داخل ہوں دوسرے سے نکلتے رہیں اور آنے جانے میں مزاحمت نہ ہو۔

جمادی الاخریٰ ۶۴ ھ میں یہ تعمیر شروع ہوئی اور رجب ۶۴ ھ یا ۶۵ ھ میں پوری ہوئی، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اس کی خوشی میں بہت بڑی دعوت کی جس میں سو اُونٹ ذبح کیے۔ کعبہ شریف کی تعمیر تو حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے پوری فرمادی، لیکن اس حادثہ میں ایک اہم نقصان یہ ہوا کہ حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کے فدیہ میں جو مینڈھا جنت کا ذبح ہوا تھا اس کے سینگ اس وقت سے کعبہ شریف میں محفوظ تھے، وہ اس حادثہ میں جل گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

⑩ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے انتقال کے بعد عبد الملک بن مروان کے زمانہ حکومت میں حجاج نے بادشاہ کو بہکایا کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے کعبہ میں تغیر کر دیا اور اس حال پر نہیں رہا جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا۔ عبد الملک نے اس کو اجازت دیدی کہ اسی صورت پر کر دیا جائے۔ اس پر حجاج نے قدیم طرز کے موافق شرقی دروازہ کو اونچا کر دیا اور اس کے بالمقابل دروازہ کو بند کر دیا اور حطیم کی جانب سے دیوار توڑ کر پیچھے ہٹادی اور اندر کے حصہ میں بھراؤ کر کے کعبہ کی سطح کو اندر سے اونچا کر دیا۔ ۷۳ ھ میں یہ تغیر ہوا، اس کے بعد سے اسی حال پر بیت اللہ شریف ایک عرصہ تک رہا کہ اس کی تین جانبیں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی تعمیر سے تھیں اور حطیم کی جانب حجاج کی تعمیر سے۔ بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ اب تک اصل تعمیر یہی ہے اور آئندہ کے تغیرات مرمتیں ہیں، مستقل تعمیریں نہیں ہیں۔ محدثین

حل لغات: ① شروع سے۔ ② بنیاد۔ ③ ایک مشین جس سے بڑے بڑے پتھر پھینکے جاتے ہیں۔ ④ دوران، بیچ۔ ⑤ ٹکراؤ۔ ⑥ تبدیلی۔ ⑦ پرانا طریقہ۔ ⑧ مشرق کی طرف کا۔ ⑨ تبدیلیاں۔

نے روایت کی ہے کہ ہارون رشید وغیرہ بعض سلاطین نے ارادہ کیا کہ کعبہ شریف کو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی تعمیر کے موافق کردیا جائے، اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا[1] کے موافق تھی، مگر حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے اصرار سے اس ارادہ کو ملتوی[2] کرایا تاکہ کعبہ کی تعمیر بادشاہوں کا کھیل نہ بن جائے کہ ہر بادشاہ اپنے نام کی خاطر اس میں تعمیر کا سلسلہ شروع کردے۔

(۱۱) ۱۰۲۱ھ میں سلطان احمد ترکی نے چھت بدلوائی، اور دیواروں میں جہاں جہاں بوسیدگی[3] آگئی تھی، اس کی مرمت کرائی، میزابُ الرحمۃ کو درست کیا، یہ درحقیقت پوری تعمیر کی تجدید نہیں بلکہ اصلاح اور مرمت ہے۔

(۱۲) ۱۰۳۹ھ میں سلطان مراد کے زمانہ میں جب بہت زور سے سیل[4] کا پانی مسجد میں پہونچ گیا اور بیت اللہ شریف کی بعض دیواریں بھی گر گئیں، تو سلطان موصوف نے ان کی تعمیر کرائی۔ غالب یہ ہے کہ جو حصہ منہدم ہو گیا تھا اسی کی تعمیر ہوئی، اس لیے اس کو بھی بعض مورخین صرف ترمیم[5] بتاتے ہیں اور بعض تعمیر حدید[6] واللہ اعلم۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنی تفسیر میں یہ لکھا ہے کہ حجر اسود کی جانب کے علاوہ اور جانبوں کی تعمیر کی، اس صورت میں اس وقت بیت اللہ شریف حجر اسود کی جانب سے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی تعمیر ہے اور باقی جانبوں میں سلطان مراد کا تعمیر کیا ہوا ہے۔ امسال[7] محرم ۱۳۶۷ھ میں سلطان ابن سعود نے اس کے دروازے کے کواڑوں اور چوکھٹ کی تجدید کی۔

﴿جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ﴾ [سورۂ مائدہ: ۹۷] ترجمہ: "حق تعالیٰ شانہٗ نے کعبہ کو جو محترم گھر ہے لوگوں کے قائم رہنے کا سبب بنا دیا۔"

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لوگوں کے قائم رہنے کا سبب، ان کے دین کا رہنا اور نشانات حج کا قائم رہنا ہے۔ دوسری حدیث میں ان سے نقل کیا گیا کہ ان کا قائم رہنا یہ ہے کہ جو لوگ اس میں پہونچ جائیں وہ مامون[8] ہو جائیں۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ لوگ اپنے دین پر قائم رہیں گے، جب تک کہ اس گھر کا حج کرتے رہیں اور نماز میں اس طرف منہ کرتے رہیں۔ [درمنثور]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بیت اللہ کا طواف بہت کثرت سے کیا کرو، دو مرتبہ یہ بالکل منہدم[9] ہو چکا ہے اور تیسری مرتبہ جب بالکلیہ[10] منہدم ہو جائے گا تو اٹھا لیا جائے گا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ جب دنیا کو برباد کرنے کا ارادہ فرمائیں گے، تو سب سے پہلے بیت اللہ کو منہدم کرایا جائے گا پھر دنیا برباد کی

حل لغات: (۱) مرضی، ارادہ۔ (۲) روک دینا۔ (۳) پرانا پن۔ (۴) سیلاب۔ (۵) مرمت، درست کرنا۔ (۶) نئی تعمیر۔ (۷) اسی سال۔ (۸) محفوظ۔ (۹) برباد، گرا ہوا۔ (۱۰) مکمل طور سے۔

جائے گی۔ [اتحاف] علاماتِ قیامت کی روایات میں قیامت کے قریب کعبہ کا منہدم ہونا کثرت سے وارد ہوا ہے۔ حضور ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ وہ حبشی گویا میری نظر کے سامنے ہے جو کعبہ شریف کو ایک ایک پتھر اس کا گرا کر منہدم کرے گا۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ لوگ خیر کے ساتھ رہیں گے جب تک کہ اس کی حرمت کی (یعنی مکہ اور حرم مکہ کی) ایسی تعظیم کرتے رہیں گے جیسا کہ اس کی تعظیم کا حق ہے، اور جب اس کی تعظیم کو ضائع کر دیں گے تو ہلاک ہو جائیں گے۔ [مشکوٰۃ]

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی، جب تک حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم نہ اٹھا لیے جائیں۔ ایک حدیث میں علاماتِ قیامت میں ہے کہ حبشہ کے لوگ کعبہ پر چڑھائی کریں گے اور وہ اتنا بڑا لشکر ہوگا کہ اس کا اگلا حصہ حجرِ اسود کے پاس ہوگا اور پچھلا حصہ جدہ میں سمندر کے قریب اور کعبہ شریف کو ایک ایک پتھر گرا کر توڑیں گے۔ [اتحاف]

① عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ لِلّٰهِ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ عِشْرِيْنَ وَمِائَةَ رَحْمَةٍ تَنْزِلُ عَلٰى هٰذَا الْبَيْتِ، سِتُّوْنَ لِلطَّائِفِيْنَ وَأَرْبَعُوْنَ لِلْمُصَلِّيْنَ وَعِشْرُوْنَ لِلنَّاظِرِيْنَ۔

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ کی ایک سو بیس (۱۲۰) رحمتیں روزانہ اس گھر پر نازل ہوتی ہیں، جن میں سے ساٹھ (۶۰) طواف کرنے والوں پر اور چالیس (۴۰) وہاں نماز پڑھنے والوں پر اور بیس (۲۰) بیت اللہ کو دیکھنے والوں پر ہوتی ہیں۔

كذا في الدر عن ابن عدي والبيهقي وضعفه وغيرهما وحسنه المنذري وفي الكنز بألفاظ أُخر وهو في المسلسلات للشاه ولي الله الدهلوي رحمة الله عليه۔

فائدہ: بیت اللہ شریف کا صرف دیکھنا بھی عبادت ہے۔ حضرت سعید بن المسیّب تابعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو ایمان و تصدیق کے ساتھ کعبہ کو دیکھے، وہ خطایا① سے ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسا آج ہی پیدا ہوا۔ ابو السّائب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: جو ایمان و تصدیق کے ساتھ کعبہ کو دیکھے اس کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں، جیسے پتے درخت سے جھڑ جاتے ہیں اور جو شخص مسجد میں بیٹھ کر بیت اللہ کو صرف دیکھتا رہے چاہے طواف و نمازِ نفل نہ پڑھتا ہو، وہ افضل ہے اس شخص سے جو اپنے گھر میں نفلیں پڑھے اور بیت اللہ کو نہ دیکھے۔ حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بیت اللہ کو دیکھنا بھی عبادت ہے اور بیت اللہ کو دیکھنے والا ایسا ہے، جیسا کہ رات کو جاگنے والا، دن میں روزہ رکھنے والا اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے

حل لغات: ① گناہوں۔

والا اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والا۔ حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ ہی سے یہ بھی نقل کیا گیا کہ ایک مرتبہ بیت اللہ کو دیکھنا ایک سال کی عبادت نفل کے برابر ہے۔ طاؤس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بیت اللہ کا دیکھنا افضل ہے اس شخص کی عبادت سے بھی جو روزہ دار، شب[1] بیدار اور مجاہد فی سبیل اللہ ہو۔ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بیت اللہ کا دیکھنے والا مکہ سے باہر عبادت میں کوشش سے لگے رہنے کے برابر ہے۔ [در منثور]

اور طواف کرنے والوں پر جس قدر رحمتیں نازل ہوتی ہیں وہ اس حدیث سے ظاہر ہے، اسی واسطے علماء نے لکھا ہے کہ مسجد حرام میں تحیۃ المسجد سے طواف افضل ہے، اگر کسی وجہ سے طواف نہ کر سکے تو تحیۃ المسجد پڑھے ورنہ بجائے تحیۃ المسجد کے مسجد میں جاتے ہی طواف کرنا افضل ہے؛ البتہ اگر نماز کا وقت قریب ہو تو پھر اس وقت طواف نہ کرے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کو اللہ جلّ شانُہٗ اپنے لطف و فضل سے کثرت سے طواف کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ کُرز بن وَبَرہ رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ تھے، جن کا معمول[2] ہمیشہ روزانہ ستر (۷۰) طواف دن میں اور ستر (۷۰) طواف رات میں کرنے کا تھا، جس کی مسافت تیس (۳۰) میل روزانہ کی ہوئی اور ہر طواف کے بعد دو (۲) رکعت تحیۃ الطواف کی کل دوسو اَسّی (۲۸۰) رکعتیں ہوئیں، ان کے علاوہ دو (۲) مرتبہ روزانہ قرآن پاک ختم کرنے کا معمول تھا۔ [احیاء] یہی لوگ ہیں جو آخرت کی دائمی زندگی کے لیے بہت کچھ کما کر لے جا رہے ہیں۔

(۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَجَرِ: وَاللّٰهِ لَيَبْعَثَنَّهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَهٗ عَيْنَانِ يُبْصِرُ بِهِمَا وَلِسَانٌ يَنْطِقُ بِهٖ يَشْهَدُ عَلٰى مَنِ اسْتَلَمَهٗ بِحَقٍّ [رواه الترمذي و ابن ماجه والدارمي كذا في المشكوٰة]	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قسم کھا کر ارشاد فرماتے ہیں کہ حجر اسود کو اللہ جلّ شانُہٗ قیامت کے دن ایسی حالت میں اٹھائیں گے کہ اس کے دو آنکھیں ہونگی جن سے وہ دیکھے گا اور زبان ہوگی جس سے وہ بولے گا اور گواہی دے گا، اس شخص کے حق میں جس نے اس کو حق کے ساتھ بوسہ دیا ہو۔

فائدہ: حق کے ساتھ بوسہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ ایمان اور تصدیق کے ساتھ بوسہ دیا ہو۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ کعبہ کے لیے ایک زبان ہے اور دو ہونٹ ہیں، اس نے (پہلے زمانہ میں) حق تعالیٰ شانُہٗ سے شکایت کی کہ اے اللہ! میری طرف لوٹنے والے کم ہو گئے اور زیارت کرنے والے کم ہو گئے، تو حق تعالیٰ شانُہٗ نے فرمایا کہ میں ایک ایسی قوم (مسلمان) پیدا کرنے

حل لغات: (۱) رات کو جاگنے والا۔ (۲) ہمیشہ کی۔

والا ہوں جو بڑے خشوع والی ہوگی، بڑے سجدے کرنے والی (نمازی) ہوگی، وہ تیری طرف ایسے جھکیں گے جیسا کہ کبوتر اپنے بیضہ① کی طرف جھکتا ہے۔ [ترغیب] ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ حجرِ اَسود اور رُکنِ یمانی قیامت کے دن ایسے حال میں اٹھیں گے کہ ان کے لیے دو آنکھیں اور دو زبانیں اور ہونٹ ہوں گے، وفا کی گواہی دیں گے، ان لوگوں کے لیے جواُن کو بوسہ دیں گے۔ یعنی اس کی گواہی دیں گے کہ ان بوسہ دینے والوں نے اقرار پورا کر دیا۔ [ترغیب]

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب طواف کرتے ہوئے حجرِ اسود پر پہونچے، تو اس کو بوسہ دیا اور فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ تو کوئی نفع پہونچا سکتا ہے نہ نقصان پہونچا سکتا ہے۔ اگر میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے بوسہ دیا، تو کبھی بوسہ نہ دیتا۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ پاس کھڑے تھے، انہوں نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین! یہ نفع اور نقصان پہونچا تا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ کیسے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اَزل② میں جب اللہ جلّ شانہٗ نے سارے بندوں سے اپنے رب العالمین ہونے کا اقرار لیا تھا، تو اس اقرار کو کتاب میں درج کر کے اس پتھر میں محفوظ کر دیا تھا، بس یہ قیامت کے دن گواہی دے گا کہ فلاں نے اقرار پورا کر دیا اور فلاں (یعنی کافر) مُنکر ہوا۔ [اتحاف] غالباً اسی وجہ سے اس جگہ جو دعا مسنون ہے اس کے الفاظ ہیں ﴿ اَللّٰهُمَّ اِيْمَانًا بِكَ وَتَصْدِيْقًا بِكِتَابِكَ وَوَفَاءً بِعَهْدِكَ ـ ﴾ ترجمہ: اے اللہ میں بوسہ دیتا ہوں تجھ پر ایمان لاتے ہوئے اور تیری کتاب کی تصدیق کرتے ہوئے اور تیرے عہد کو پورا کرتے ہوئے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لوگوں کے عقائد کا بہت فکر و اہتمام رہتا تھا کہ مَبادا③ عقیدہ میں کوئی لَغزِش④ ہو جائے، اسی وجہ سے بَیعۃُ الرضوان جس درخت کے نیچے ہوئی تھی، وہ بیعت چونکہ بہت اہم تھی حتّٰی کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے بھی رضا کا پروانہ ان حضرات کے لیے قرآن پاک میں نازل فرمایا، چنانچہ ارشاد ہے ﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ﴾ الآیۃ [سورۂ فتح: ۱۸] ترجمہ: بے شک اللہ جلّ شانہٗ راضی ہو گیا اُن مسلمانوں سے جب کہ وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔ لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم ہوا کہ لوگ اس درخت کے پاس برکت کے طور پر جاتے ہیں تو اس درخت کو کٹوا دیا۔ [درمنثور] اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہاں بھی خیال ہوا کہ لوگ بت پرستی سے نکل کر آرہے ہیں، ایسا نہ ہو کہ اس پتھر کو بھی بتوں کے پتھر کے مُشابہ⑤ سمجھ کر بت پرستی کا شائبہ⑥ ان

حلِ لغات: ① انڈا۔ ② مخلوق کی پیدائش کا دن۔ ③ خدانخواستہ۔ ④ غلطی۔ ⑤ ایک جیسا، مطابق۔ ⑥ ملاوٹ۔

میں رہ جائے، اس لیے اس پر متنبہ کرنے کے لیے کہ یہ پتھر کی کوئی تعظیم نہیں ہے بلکہ صرف تعمیل[1] حکم ہے، مشرکین کی طرح سے یہ بات نہیں کہ اس پتھر میں کوئی تقرّب[2] پیدا کرنے کی خاصیت ہے۔ [اتحاف]

اسی طرح سے خود کعبہ شریف کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا کہ یہ چند پتھروں کا مکان ہے لیکن اللہ نے اس کو ہمارا قبلہ مقرر کر دیا کہ زندگی میں اس کی طرف نماز پڑھیں اور مرنے کے بعد اس کی طرف منہ کر کے لٹایا جائے۔ [کنز]

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب حجرِ اسود پر پہونچے، تو فرمایا: میں اس کی گواہی دیتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ نفع پہونچا سکتا ہے نہ نقصان، میرا رب صرف وہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اگر میں یہ نہ دیکھتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے بوسہ دیا اور ہاتھ لگایا تو نہ بوسہ دیتا، نہ ہاتھ لگاتا۔ [کنز] ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب حجرِ اسود کو بوسہ دیا تو فرمایا: ﴿ بِسْمِ اللهِ وَاللهُ أَكْبَرُ عَلٰى مَا هَدَانَا وَلَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ الَّذِيْ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ. اٰمَنْتُ بِاللهِ وَكَفَرْتُ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَاللَّاتِ وَالْعُزّٰى وَمَا يُدْعٰى مِنْ دُوْنِ اللهِ إِنَّ وَلِيِّيَ اللهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتَابَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِيْنَ ﴾

اس میں ہر قسم کے شرک سے بیزاری[3] کا اظہار فرمایا، اس سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ بیت اللہ شریف کا طواف یا حجرِ اسود وغیرہ کا بوسہ، اس کو بت پرستی سے کوئی مشابہت نہیں۔ اوّل اس وجہ سے کہ اس کا طواف وغیرہ صرف تعمیلِ[4] ارشادِ خداوندی ہے اور بتوں کے طواف کا یا کسی بت کے طواف کا کوئی حکم مالک الملک سے نہیں ہے۔ دوسری اس وجہ سے بھی کہ کعبہ شریف یا حجرِ اسود وغیرہ میں غیر اللہ سے کوئی تعلق یا علاقہ اور نسبت نہیں ہے، مولیٰ ہی کا گھر ہے، بخلاف بتوں کے کہ وہ غیر اللہ سے تعلق رکھتے ہیں جس میں شرک ظاہر ہے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ ارشاد کہ نفع دیتا ہے، وہ شہادت اور گواہی کا نفع ہے، عدالت میں کسی کی گواہی دینا اس کے لیے نافع تو بہت زیادہ ہے مگر اس سے اس کا قابلِ پرستش[5] ہونا لازم نہیں آتا۔ حدیث میں آیا ہے کہ موذن کی اذان کی آواز جہاں تک پہونچے ہر رطب و یابس[6] اس کے لیے قیامت میں گواہی دے گا؛ لیکن اس کی وجہ سے ہر رطب و یابس کا قابل پرستش ہونا لازم نہیں آتا۔

(۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حجرِ اسود جب جنت سے دنیا میں اترا تو وہ

حل لغات: (۱) حکم ماننا۔ (۲) نزدیکی، مراد اللہ سے قرب۔ (۳) ناراضگی۔ (۴) صرف اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے کے لیے ہے۔ (۵) عبادت اور بندگی کے لائق۔ (۶) جاندار و بے جان۔

نَزَلَ الْحَجَرُ الْأَسْوَدُ مِنَ الْجَنَّةِ وَهُوَ أَشَدُّ بَيَاضًا مِّنَ اللَّبَنِ فَسَوَّدَتْهُ خَطَايَا بَنِيْ اٰدَمَ۔

دودھ سے زیادہ سفید تھا، آدمیوں کی خطاؤں نے اس کو کالا کر دیا۔"

[رواه أحمد والترمذي وقال: هٰذا حديث حسن صحيح، كذا في المشكوٰة]

فائدہ: یعنی لوگوں نے جو اس کو گناہوں سے آلودہ ہاتھوں سے چھوا، تو ان کے گناہوں کی تاثیر سے وہ سیاہ(۱) ہو گیا۔ بڑی عبرت کا مقام ہے کہ جب محض ہاتھ لگانے سے پتھر پر یہ اثر ہوا تو ان دلوں کا کیا حال ہوتا ہوگا، جو گناہوں سے ہر وقت وابستہ(۲) رہتے ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب آدمی کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ داغ لگ جاتا ہے، اگر وہ توبہ استغفار سے اس کو دھو دیتا ہے، تو وہ صاف ہو جاتا ہے ورنہ لگا رہتا ہے اور جب دوسرا گناہ کرتا ہے تو دوسرا داغ لگ جاتا ہے، اسی طرح ہوتے ہوتے سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ اسی کی طرف قرآن پاک کی آیت ﴿ كَلَّا بَلْ ٚ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ ﴾ [سورۂ مطففین: ۱۴] (بلکہ اُن کے برے اعمال کا اُن کے دلوں پر زنگ جم گیا) میں اشارہ کیا گیا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم جنت کے یاقوتوں(۳) میں سے دو یاقوت ہیں، اگر مشرکین اس کو نہ چھوتے تو جو بھی بیمار خواہ کیسی ہی بیماری ہوتی، جب اس کو چھوتا تو تندرست ہو جاتا۔ ایک حدیث میں ہے کہ حجرِ اسود جنت کے پتھروں میں سے ایک پتھر ہے، اگر گناہوں کی نحوست جو فاجروں کے چھونے سے اس سے وابستہ ہو گئی، نہ ہوتی تو جو اندھا، کوڑھی یا کسی اور مرض کا بیمار اس کو چھوتا تو وہ تندرست ہو جاتا۔ [اتحاف]

④ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: وُكِّلَ بِهٖ سَبْعُوْنَ مَلَكًا يَعْنِي الرُّكْنَ الْيَمَانِيَ، فَمَنْ قَالَ: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ. رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ، قَالُوْا: اٰمِيْنَ۔

[رواه ابن ماجه كذا في المشكوٰة]

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ رکن یمانی پر ستر فرشتے مقرر ہیں، جو شخص وہاں جا کر یہ دعا پڑھے: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ. رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ تو وہ فرشتے اس کی دعا پر آمین کہتے ہیں۔ (ترجمہ دعا) اے اللہ میں تجھ سے معافی کا طالب ہوں اور دونوں جہاں میں عافیت مانگتا ہوں، اے اللہ!

حل لغات: (۱) کالا۔ (۲) لگے رہنا۔ (۳) ایک نہایت قیمتی پتھر۔

تو دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی اور جہنم کے عذاب سے حفاظت فرما''۔

فائدہ: رکنِ یمانی بھی بابرکت مقام ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم نے حجرِ اسود یا رکنِ یمانی کا اِستلام[1] نرمی یا سختی میں نہیں چھوڑا، جب سے ہم نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کا اِستلام کیا کرتے تھے۔ رکنِ یمانی کا استلام یہ ہے کہ طواف کرتے ہوئے اس پر ہاتھوں کو پھیرے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حجرِ اسود اور رکنِ یمانی کا مَس[2] کرنا خطایا کو ساقِط[3] کرتا ہے۔ [کنز]

ایک حدیث میں ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے رکنِ یمانی کو بھی بوسہ دیا۔ [اتحاف]

اس جگہ اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ حجرِ اسود اور رکنِ یمانی کا استلام ایسی طرح ہونا چاہیے، جس میں دوسروں کو اَذِیّت نہ پہونچے کہ یہ فعل مستحب ہے اور مسلمان کو ایذا[4] پہونچانا حرام ہے۔

⑤ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُوْلُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: اَلْمُلْتَزَمُ مَوْضَعٌ يُسْتَجَابُ فِيْهِ الدُّعَاءُ. مَا دَعَا اللّٰهَ فِيْهِ عَبْدٌ إِلَّا اسْتَجَابَهَا۔ [كذا في المسلسلات للشاه ولي الله الدهلوي رحمه الله وذكره الجزري في الحصن مجملًا]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ ملتزم ایسی جگہ ہے جہاں دعا قبول ہوتی ہے، کسی بندہ نے وہاں ایسی دعا نہیں کی جو قبول نہ ہوئی ہو۔

فائدہ: مُلتزَم: حجرِ اسود سے لے کر کعبہ شریف کے دروازہ تک کا حصہ کہلاتا ہے، غالباً اسی وجہ سے اس کا نام ملتزم ہے کہ اس کے معنی چمٹنے کی جگہ کے ہیں۔

ابوداؤد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا کہ انہوں نے اس جگہ کھڑے ہوکر اپنے سینہ اور چہرہ کو دیوار سے چمٹا دیا اور دونوں ہاتھوں کو دیوار پر پھیلا دیا اور یہ کہا کہ میں نے اس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا۔ اس جگہ کے متعلق جو حدیث دعا کے قبول ہونے کی نقل کی جاتی ہے، میرے حضرت نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهٗ سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر استاذ، حدیث سناتے وقت، اپنا ذاتی تجربہ یہ بتاتا ہے کہ میں نے اس جگہ دعا کی اور وہ قبول ہوئی اور اس ناپاک کا بھی ذاتی تجربہ ہے۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے جو خط مکّہ والوں کو لکھا ہے، اس میں تحریر فرمایا ہے کہ وہاں پندرہ جگہ دعا قبول ہوتی ہے: ① طواف کرتے وقت ② ملتزم پر ③ میزابِ رحمت کے پاس اور ④ کعبہ شریف کے اندر اور ⑤ زمزم کے کنویں کے پاس اور ⑥ صفا اور ⑦ مروہ پر اور ⑧ ان کے درمیان دوڑتے ہوئے اور ⑨ مقام ابراہیم علیہ السلام کے پاس اور ⑩ عرفات کے میدان میں اور ⑪ مزدلفہ میں اور

حل لغات: ① ہاتھ یا منہ سے چومنا۔ ② چھونا۔ ③ ختم کرنا، دور کرنا۔ ④ تکلیف۔

⑫ منٰی میں اور ⑬ ⑭ ⑮ تینوں شیطانوں کے کنکریاں مارتے وقت۔ [حصن حصین] اور درمنثور کی روایت میں لکھا ہے کہ ملتزم اور میزابِ رحمت کے نیچے اور رکن یمانی کے پاس اور صفا اور مروہ پر اور ان کے درمیان اور حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم کے درمیان اور کعبہ شریف کے اندر اور منٰی، مزدلفہ، عرفات اور تینوں شیطانوں کے پاس۔ ہمارے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ نے اپنی تفسیر میں اسی روایت کو اختیار کیا ہے۔ بعض علماء نے ان کے علاوہ مَطاف یعنی طواف کرنے کی جگہ اور بیت اللہ شریف پر نظر پڑتے وقت اور حطیم کو اور حجرِ اسود اور رکن یمانی کے درمیانی حصہ کو بھی خصوصیت سے دعا کے مقبول ہونے کی جگہ بتایا ہے۔ بعض علماء سے یہ بھی نقل کیا گیا کہ ملتزم: رکن یمانی سے لے کر کعبہ کے غربی دروازہ تک کا حصہ ہے، جو بند ہے۔ یہ اگرچہ مشہور قول کے خلاف ہے لیکن بعض اکابرؒ کا قول تو ہے ہی۔ [شرح لباب]

⑥ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: صَلٰوةُ الرَّجُلِ فِيْ بَيْتِهٖ بِصَلٰوةٍ وَصَلٰوتُهٗ فِيْ مَسْجِدِ الْقَبَائِلِ بِخَمْسٍ وَّعِشْرِيْنَ صَلٰوةً. وَصَلٰوتُهٗ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِيْ يُجَمَّعُ فِيْهِ بِخَمْسِ مِائَةِ صَلٰوةٍ. وَصَلٰوتُهٗ فِي الْمَسْجِدِ الْأَقْصٰى بِخَمْسِيْنَ أَلْفِ صَلٰوةٍ. وَصَلٰوتُهٗ فِيْ مَسْجِدِيْ بِخَمْسِيْنَ أَلْفِ صَلٰوةٍ وَصَلٰوتُهٗ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ بِمِائَةِ أَلْفِ صَلٰوةٍ۔ [رواه ابن ماجه كذا في المشكوٰة]

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ آدمی اگر اپنے گھر پر نماز پڑھے تو صرف ایک نماز کا ثواب اس کو ملتا ہے اور محلہ کی مسجد میں پچیس گنا ثواب ملتا ہے اور جامع مسجد میں پانچ سو گنا ثواب زیادہ ہوتا ہے اور بَیْتُ الْمُقَدَّس کی مسجد میں پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ہے اور میری مسجد میں یعنی مدینہ پاک کی مسجد میں پچاس ہزار کا ثواب ہے اور مکّہ مکرمہ کی مسجد میں ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ہے۔

فائدہ: مُتعدّد احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ مکّہ معظّمہ کی مسجد میں ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ہے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مکّہ میں ایک دن کا روزہ مکّہ سے باہر ایک لاکھ روزوں کے برابر ہے۔ وہاں ایک درم (جو تقریباً چار آنہ کا ہوتا ہے) باہر کے لاکھ درم کے برابر ہے اور اسی طرح وہاں کی ہر نیکی باہر کی ایک لاکھ نیکی کے برابر ہے۔ [اتحاف]

تیسری فصل کی پہلی حدیث میں خود نبی کریم ﷺ کا پاک ارشاد گذر چکا ہے کہ حرم کی نیکی ایک لاکھ کے برابر ہے۔ بہت سی احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسجدِ نبوی کا ثواب مسجدِ اقصٰی سے زائد ہے،

حل لغات: ① بزرگانِ دین۔

لیکن اس حدیث میں دونوں کا ثواب پچاس ہزار آیا ہے، اس لیے علماء نے ان روایات کی وجہ سے اس حدیث میں یہ توجیہ[1] فرمائی ہے کہ یہاں ہر مسجد کا ثواب اس سے پہلی مسجد کے اعتبار سے ہے۔ یعنی جامع مسجد کا ثواب مسجد قبیلہ کے ثواب سے پانچ سو مرتبہ زائد ہے، اس صورت میں جامع مسجد کا ثواب بارہ ہزار پانچ سو ہوگیا اور مسجد اقصیٰ کا ثواب باسٹھ کروڑ پچاس لاکھ ہوگیا اور مسجد مدینہ کا تین نیل بارہ کھرب پچاس ارب ہوا اور مسجد حرام کا اکتیس سنکھ پچیس پدم ہوا، اس صورت میں مسجد مدینہ کا ثواب مسجد اقصیٰ سے بہت زیادہ ہوگیا، لیکن عام روایات میں مسجد حرام کا ثواب جو ایک لاکھ ہے، اس سے بہت زائد ہوگیا۔

اور بہتر ہے کہ جب مسجد شریف میں داخل ہو اعتکاف کی نیت کرلیا کرے۔ اوّل تو ہر مسجد کا یہی حکم ہے کہ جب نماز کے واسطے کسی مسجد میں بھی داخل ہو تو اعتکاف کی نیت کرلیا کرے، تاکہ اتنی دیر اعتکاف کا ثواب مستقل ہوتا رہے اور مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی میں تو خاص طور سے اس کا خیال رکھے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ بہت اہم چیز ہے، اس کا بہت اہتمام چاہیے۔

(۷) عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: لَأَنْ أُخْطِئَ سَبْعِيْنَ خَطِيْئَةً بِرَكِيَّةَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أُخْطِئَ خَطِيْئَةً وَاحِدَةً بِمَكَّةَ۔ [كذا في الكنز عن الأزرقي]	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ میں مکہ میں ایک خطا[2] کروں اس سے یہ بہت زیادہ پسند ہے کہ (مکہ سے باہر) رکیہ میں ستر خطائیں کروں۔

فائدہ: جیسا کہ مکّہ مکرمہ میں نیکیوں کا ثواب بہت زیادہ ہے، ایسے ہی وہاں گناہ کا وبال[3] بھی سخت ہے۔ اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مکّہ سے باہر ستر لغزشیں[4]، مکّہ کی ایک لغزش سے بہتر ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی ارشاد تیسری فصل کی پہلی حدیث کے ذیل میں گذر چکا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کئی مضمون اس کے ہم معنی ذکر کیے گئے، اسی وجہ سے بعض اکابر مکّہ مکرّمہ میں قیام کو پسند نہ کرتے تھے کہ اس کے ادب و احترام کا حق ادا کرنا مشکل ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ وہاں خطاؤں کا ارتکاب[5] سخت ممنوع ہے اور قریب ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ کے غصہ کا موجب[6] بن جائے۔ [اتحاف] وہب بن الورد رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ ہیں، فرماتے ہیں کہ میں ایک دن حطیم میں نماز پڑھ رہا تھا کہ میں نے کعبہ کے پردوں کے اندر سے یہ آواز سنی کہ میں اولاً اللہ جلّ شانہٗ سے شکایت کرتا ہوں اور اس کے بعد اے جبرئیل! تم سے شکایت کرتا ہوں، لوگوں کی کہ وہ میرے گرد ہنسی مذاق اور لغو باتوں میں مشغول رہتے ہیں، اگر یہ لوگ اپنی ان حرکتوں سے باز نہ آئے تو میں ایسا پھٹوں گا کہ ہر ہر پتھر میرا جدا جدا ہوجائے گا۔ [احیاء] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ

حل لغات: (۱) وجہ بیان کرنا۔ (۲) گناہ۔ (۳) سزا۔ (۴) غلطی، گناہ۔ (۵) گناہ کرنا۔ (۶) سبب، ذریعہ۔

قریش کے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم سے پہلے قبیلۂ عمالقہ اس گھر کا متولی[1] اور منتظم[2] ہوا تھا، اُن لوگوں نے اس کے احترام میں تساہُل[3] کیا اور تعظیم کا حق ادا نہ کیا، تو اللہ جلَّ شانُہٗ نے ان کو ہلاک کر دیا۔ اس کے بعد قبیلۂ جرہم اس کے متولی بنے اور جب ان لوگوں نے اس کی بے حرمتی کی، تو اللہ جلَّ شانُہٗ نے ان کو بھی ہلاک کر دیا، لہٰذا تم لوگ بہت زیادہ اس کی تعظیم کیا کرو، اس میں سستی نہ کرو۔ [کنز] موسیٰ ابن محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک عجمی[4] شخص طواف کر رہا تھا، نیک دیندار آدمی تھا، طواف کرتے ہوئے ایک خوبصورت عورت کے پازیب[5] کی آواز جو طواف کر رہی تھی، اس کے کان میں پڑی، یہ شخص اس عورت کو گھورنے لگا۔ رکن یمانی سے ایک ہاتھ نکلا اور اس زور سے اس کے تھپڑ مارا کہ آنکھ نکل گئی، اور بیت اللہ شریف کی دیوار سے ایک آواز آئی کہ ہمارے گھر کا طواف کرتا ہے اور ہمارے غیر کو دیکھتا ہے، یہ تھپڑ اس نظر کے بدلہ ہے اور اگر آئندہ کوئی اور حرکت کرے گا تو ہم بھی زیادہ بدلہ دیں گے۔ [مسامرات]

⑧ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ: كُنْتُ أُحِبُّ أَنْ أَدْخُلَ الْبَيْتَ وَأُصَلِّيَ فِيهِ. فَأَخَذَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِيْ فَأَدْخَلَنِيْ فِي الْحِجْرِ. فَقَالَ: صَلِّيْ فِي الْحِجْرِ إِذَا أَرَدْتِ دُخُوْلَ الْبَيْتِ فَإِنَّمَا هُوَ قِطْعَةٌ مِّنَ الْبَيْتِ. فَإِنَّ قَوْمَكِ اقْتَصَرُوْا حِيْنَ بَنَوُا الْكَعْبَةَ فَأَخْرَجُوْهُ مِنَ الْبَيْتِ. [رواه أبو داؤد]	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرا دل چاہتا تھا کہ میں کعبہ شریف کے اندر جاؤں اور اندر جا کر نماز پڑھوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر حطیم میں داخل کر دیا اور یہ فرمایا کہ جب تیرا کعبہ میں داخل ہونے کو دل چاہا کرے تو یہاں آ کر نماز پڑھ لیا کر، یہ کعبہ ہی کا ٹکڑا ہے، تیری قوم نے جب کعبہ کی تعمیر کی تو اس حصہ کو (خرچ کی کمی کی وجہ سے) کعبہ سے باہر کر دیا تھا۔"

فائدہ: کعبہ شریف کے اندر داخل ہونا مستحب ہے اور وہ بھی قبولیتِ دعا کی خاص جگہ ہے، جیسا کہ حدیث نمبر پانچ ۵ کے ذیل میں گذرا، لیکن رشوت دے کر اندر جانا جائز نہیں۔ قریش نے جب بیت اللہ کو تعمیر کیا تھا جیسا کہ کعبہ کی تعمیروں کے سلسلہ میں نمبر آٹھ ۸ میں گذر چکا ہے، تو اس کے اندر کی سطح[6] کو بلند کر دیا تھا اور دروازہ بہت بلند کر دیا تھا تاکہ بغیر سیڑھی لگائے آدمی اندر نہ جا سکے اور یہ اپنے اختیار کی بات رہے کہ جس کو دل چاہے داخل ہونے دیں، جس کو چاہے نہ داخل ہونے دیں۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا اور خواہش تھی کہ کعبہ کی تعمیر کو سابقہ[7] طرز کے موافق کر دیا جائے، چنانچہ

حلِ لغات: ① ذمہ دار۔ ② انتظام کرنیوالا۔ ③ سستی، کاہلی۔ ④ وہ شخص جو عربی ملکوں کا نہ ہو۔ ⑤ پائل، پہننے کا زیور۔ ⑥ کسی چیز کے اوپر کا حصہ۔ ⑦ پہلا طریقہ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ عرب نو مسلم ہیں، یعنی مَبادا[1] کعبہ کے گرانے سے اُن کے جذبات میں اِشتعال[2] پیدا ہو، اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں کعبہ کو از سرِ نو[3] تعمیر کرتا اور حطیم کا حصہ اندر داخل کر دیتا اور اس کے دو دروازے کر دیتا کہ ایک سے لوگ داخل ہوں اور دوسرے سے باہر نکلیں اور دروازہ کو زمین سے ملا دیتا، تیری قوم نے اس لیے اس کے دروازہ کو بلند کیا، تا کہ جس کو وہ پسند کریں وہ داخل ہو سکے۔ دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیت اللہ کے بارے میں تیری قوم نے کوتاہی کی، اگر وہ کفر کے زمانہ سے قریب نہ ہوتے تو میں اس حصہ کو جس کو انہوں نے باہر نکال دیا، بیت اللہ کے اندر داخل کر دیتا، اگر میرے بعد کعبہ کے بنانے کی نوبت آئی تو آ! میں تجھے دکھادوں کہ وہ کتنا حصہ ہے جس کو انہوں نے باہر نکال دیا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً سات ہاتھ کے بقدر حصہ دکھایا۔ یہ اور اس قسم کی دوسری روایات کی بناء پر جب حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنے زمانہ میں کعبہ شریف کو بنایا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے موافق اس کی تعمیر میں اصلاحات کر دی اور حطیم کے حصہ کو اندر داخل کر دیا، لیکن اس کے بعد عبدالملک کے زمانہ میں حجاج نے پھر اس کو ویسے ہی کر دیا، جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا، اس کی نیت تو جو بھی چاہے ہو، لیکن یہ اللہ جلّ شانہٗ کا انعام ہوا کہ یہ حصہ تعمیر سے باہر ہو گیا جس کی وجہ سے اب کعبہ شریف کے اندر داخل ہونا ہر شخص کے لیے آسان ہو گیا کہ اس حصہ پر نہ تعمیر ہے، نہ رشوت کی ضرورت ہے، جس کا جب دل چاہے وہاں جا کر نماز پڑھے، دعا مانگے کہ یہ کعبہ کے اندر کے حصہ کے حکم میں ہے۔ اسی لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب انہوں نے اندر داخلہ کی تمنا کی، تو فرمایا کہ یہاں کھڑی ہو کر نماز پڑھ لے۔ عورتوں کے لیے بالخصوص اندر جانے میں بہت سی مشکلات ہیں، ان کے لیے یہ حصہ خاص طور سے غنیمت اور اللہ کا احسان ہے۔

کعبہ کے اندر داخل ہونا بھی اگرچہ مستحب ہے اور بہتر ہے، لیکن اس کے آداب اور بھی زیادہ ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص داخل ہو تو نہایت وقار عظمت سے داخل ہو، بہتر یہ ہے کہ موزے پہن کر داخل نہ ہو بلکہ ان کو نکال دے اور داخلہ سے پہلے غسل کرے اور نہایت خشوع خضوع کے ساتھ روتا ہوا داخل ہو۔

ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کعبہ کے اندر داخل ہوئے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ پاؤں اس قابل بھی نہیں کہ میرے رب کے گھر کے چاروں طرف پھریں، تو میں ان کو اس قابل کہاں سمجھتا ہوں کہ اس پاک گھر کے اندر ان کو داخل کروں، مجھے ان کا حال معلوم ہے کہ یہ کہاں کہاں چلے

حل لغات: (۱) خدانخواستہ۔ (۲) غصہ، جوش۔ (۳) شروع سے، پھر سے۔

پھرے ہیں اور کس کس برے ارادہ سے چلے ہیں۔ [اتحاف]

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب — شرم تم کو مگر نہیں آتی

بزمیں چو سجدہ کردم ز زمیں ندا برآمد — کہ مرا خراب کردی تو بسجدۂ ریائی

بطوافِ کعبہ رفتم بحرم رہم نداوند — کہ برونِ در چہ کردی کہ درونِ خانہ آئی

کہتے ہیں کہ میں نے جب زمین پر سجدہ کیا، تو زمین سے یہ آواز آئی کہ تو نے اس ریا① کے سجدہ سے مجھے کیوں خراب کیا اور جب میں کعبہ کو گیا تو مجھے اندر داخل نہ ہونے دیا اور یہ آواز آئی کہ دروازہ سے باہر کیا گل کھلائے② جو اندر آنے کی اُمنگ پیدا ہوئی۔

علماء نے لکھا ہے کہ کعبہ شریف میں داخل ہونے والے کو دو چیز سے خصوصیت سے بچنا چاہیے، جس کو گمراہ لوگوں نے گڑھ رکھا ہے: ایک دروازہ کے سامنے بالمقابل دیوار میں کڑہ ہے جس کو جاہل لوگ عُرْوَۃُ الْوُثْقٰی کہتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ جو اس کو پکڑ لے، اس نے عُرْوَۃُ الْوُثْقٰی کو پکڑ لیا یہ محض جہالت ہے۔ دوسرے کعبہ شریف کے درمیان میں ایک میخ③ ہے جس کو احمق④ سُرَّۃُ الدُّنیا (دنیا کی ناف) کہتے ہیں اور اپنی ناف کو اس پر رگڑتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں محض لغو اور حماقت⑤ ہیں ان کی کوئی اصل نہیں۔
[مناسک نووی واتحاف]

⑨ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَاءُ زَمْزَمَ لِمَا شُرِبَ لَهُ۔	نبی کریم ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ زمزم کا پانی جس نیت سے پیا جائے وہی فائدہ اس سے حاصل ہوتا ہے۔

[رواه ابن ماجه وبسط صاحب الاتحاف في تخريجه، وقال شيخنا الشاه عبد الغني: هذا الحديث مشهور على الألسنة كثيرا واختلف الحفاظ فيه، فمنهم من صحّحه ومنهم من حسّنه ومنهم من ضعفه؛ والمعتمد الأوّل اهـ. وقال ابن حجر في شرح مناسك النووي وقد كثر كلام المحدثين في هذا الحديث والذي استقر عليه أمر محققيهم أنه حسن أو صحيح. وقول الذهبي أنه باطل و ابن الجوزي، أنه موضوع مردود. اهـ]

فائدہ: ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اگر تو اس کو پیاس بجھانے کے واسطے پیے تو اس کا کام دے اور اگر کھانے کی جگہ پیٹ بھرنے کے لیے پیے تو اس کا کام دے اور اگر کسی مرض سے صحت کی نیت سے پیے تو اس کا کام دے، یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی خدمت ہے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی سبیل⑥ ہے۔ [اتحاف] حضرت جبرئیل علیہ السلام کی خدمت کا مطلب یہ ہے کہ ان کی سعی⑦ سے یہ چشمہ

حل لغات: ① دکھلاوا۔ ② غلط کام کرنا۔ ③ کیل، کھونٹی۔ ④ بے وقوف۔ ⑤ بے وقوفی۔ ⑥ وہ جگہ جہاں پانی مفت ملتا ہے۔ ⑦ کوشش۔

زمین سے اُبلا تھا، جس کا قصہ مشہور ومعروف ہے۔

حضرت سفیان بن عُیینہ رحمۃ اللہ علیہ جو مشہور محدث ہیں، ان کے پاس ایک شخص آئے اور ان سے عرض کیا کہ آپ یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زمزم کا پانی جس کام کے لیے پیا جائے اسی کام کے لیے ہے، کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ انہوں نے کہا: صحیح ہے، تو انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اس لیے پیا تا کہ آپ دوسو حدیثیں مجھے سنائیں، انہوں نے فرمایا: بیٹھ جاؤ اور دوسو حدیثیں ان کو سنادیں (ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے) یہ بھی کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زمزم کا پانی پیتے ہوئے کہا: یا اللہ! میں قیامت کے دن کی پیاس بجھانے کے لیے پیتا ہوں۔ [کنز، اتحاف]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں زمزم کا پانی خوب پیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ خود ڈول بھر کر پیوں، مگر پھر سب لوگ خود بھرنے لگیں گے اس لیے نہیں بھرتا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھرا، ممکن ہے کہ کسی وقت خود بھرا ہو اور دوسرے وقت مجمع کی وجہ سے یہ عذر فرمادیا ہو۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے زمزم کا پانی طلب کیا، انہوں نے عرض کیا کہ اس پانی میں (جو کوئی حوض کی قسم سے پانی کے مجتمع ہونے کی جگہ تھی) سب لوگ ہاتھ ڈال دیتے ہیں، گھر میں صاف پانی رکھا ہوا ہے اس میں سے لاؤں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، جس میں سے سب پیتے ہیں اسی میں سے پلاؤ، انہوں نے پیش کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا اور آنکھوں پر ڈالا، پھر دوبارہ لے کر پیا اور اپنے اوپر دوبارہ ڈالا۔ [کنز]

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا کہ ہم میں اور منافقین میں یہ فرق ہے کہ وہ زمزم کے پانی کو خوب سیراب ہو کر نہیں پیتے (معمولی سا پیتے ہیں)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ڈول بھرنے کا حکم فرمایا، ڈول بھر کر کنویں کے کنارہ پر رکھا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ڈول کو ہاتھ سے پکڑ کر بسم اللہ کہہ کر دیر تک پیا، پھر فرمایا: الحمد للہ، اس کے بعد پھر بسم اللہ کہہ کر دیر تک پیا، پھر فرمایا: الحمد للہ، پھر ارشاد فرمایا کہ ہم میں اور منافقوں میں یہی فرق ہے کہ وہ خوب سیراب ہو کر اس کو نہیں پیتے۔ ایک حدیث میں آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نیک لوگوں کے مصلّے پر نماز پڑھا کرو اور نیک لوگوں کے پانی سے پانی پیا کرو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ نیک لوگوں کا مصلّی کیا چیز ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میزابِ[1] رحمت کے نیچے۔ پھر صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ نیک لوگوں کا پانی کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمزم۔ [اتحاف]

اُمِ معبد رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میرے خیمہ کے پاس کو ایک غلام گذرے، جن کے ساتھ دو مشکیزے[2]

حل لغات: (۱) کعبہ کا پرنالہ۔ (۲) پانی رکھنے کا چمڑے کا تھیلا، مشک۔

پانی کے تھے، میں نے پوچھا: یہ مشکیزے کیسے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ حضور اقدس ﷺ کا والا نامہ[1] میرے سردار کے پاس پہونچا کہ حضور ﷺ کی خدمت میں زمزم کا پانی بھیجا جائے، میں بہت عُجلت[2] سے لے جانا چاہتا ہوں تاکہ راستہ میں خشک نہ ہو جائے۔ [کنز] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زمزم کا پانی اپنے ساتھ لے جاتی تھیں اور یہ نقل کرتی ہیں کہ حضور ﷺ بھی لے جایا کرتے تھے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ ساتھ لے جایا کرتے تھے اور بیماروں پر چھڑکتے تھے اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی تحنیک کے وقت ان کو دیا تھا۔ [شرح لباب]

بچہ کے پیدا ہونے کے بعد سب سے پہلے اس کے منہ میں کچھ ڈالنے کو تحنیک کہتے ہیں اور اس سے بڑھ کر کیا فضیلت ہوگی کہ شبِ معراج میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آسمان سے براق لائے اور جنت سے سونے کا طشت[3] لائے، لیکن قلبِ اطہر[4] کو دھونے کے لیے بجائے جنت کے پانی کے زمزم کا پانی استعمال کیا گیا حالانکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جب بہت سی چیزیں وہاں سے لائے تو جنت کا پانی لانے میں کیا اشکال تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضور اقدس ﷺ جب زمزم کا پانی پیتے، تو یہ دعا پڑھتے:

﴿اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ عِلْمًا نَّافِعًا وَرِزْقًا وَاسِعًا وَشِفَاءً مِّنْ كُلِّ دَاءٍ﴾ [اتحاف] ”اے اللہ! میں تجھ سے ایسا علم مانگتا ہوں جو نفع دینے والا ہو اور وسیع رزق اور ہر بیماری سے شفاء چاہتا ہوں“۔

(۱۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَكَّةَ: مَا أَطْيَبَكِ مِنْ بَلَدٍ وَأَحَبَّكِ إِلَيَّ وَلَوْلَا أَنَّ قَوْمِيْ أَخْرَجُوْنِيْ مِنْكِ مَا سَكَنْتُ غَيْرَكِ۔	حضور اقدس ﷺ نے مکہ کو خطاب فرما کر ارشاد فرمایا کہ تو کتنا بہتر شہر ہے اور مجھ کو کتنا زیادہ محبوب ہے، اگر میری قوم مجھے نہ نکالتی تو تیرے سوا کسی دوسری جگہ قیام نہ کرتا۔

[رواه الترمذي وقال: حديث حسن غريب إسنادًا كذا في المشكوٰة وفي الأخرىٰ له: وَاللهِ إِنَّكِ لَخَيْرُ أَرْضِ اللهِ وَأَحَبُّ أَرْضِ اللهِ إِلَى اللهِ۔ الحديث]

فائدہ: اس حدیث کی وجہ سے نیز ان احادیث کی وجہ سے جن میں مکہ کی ہر نیکی کا ثواب ایک لاکھ آیا ہے، ایک بڑی جماعت کا مذہب یہ ہے کہ مکہ مکرمہ سارے شہروں سے افضل ہے اور وہاں قیام کرنا مستحب اور افضل ہے، اور ظاہر ہے کہ جب ایک ایک نماز ایک لاکھ کی شمار ہوتی ہو، تو پھر کون ہے جس کو یہ مرغوب[5] نہ ہو، لیکن اس کے باوجود بڑے اکابر وہاں کے قیام کو پسند نہ فرماتے تھے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ

حل لغات: (۱) مبارک خط۔ (۲) جلدی۔ (۳) بڑی تھالی۔ (۴) پاکیزہ دل۔ (۵) پسندیدہ۔

نے لکھا ہے کہ مکہ مکرمہ کا قیام صاحبین[1] کے نزدیک مستحب[2] ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور یہی بعض شافعیہ اور بعض حنابلہ کا مختار ہے، لیکن امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وہاں کے مستقل قیام کو مکروہ فرماتے تھے۔ اور ایک بڑی جماعت کا محتاط[3] لوگوں میں سے یہی مذہب ہے۔ مبادا[4] وہاں رہ کر آدمی کو وہاں سے کوئی گرانی[5] اور ملال[6] پیدا ہو، یا اس کے احترام میں کسی قسم کی کمی ہوجائے یا وہاں رہ کر آدمی سے کسی قسم کا گناہ صادر[7] ہوجائے کہ جیسا وہاں نیکیوں کا ثواب کہیں زیادہ ہے، ایسے ہی وہاں رہ کر گناہ کرنے کا وبال بھی بہت زیادہ سخت ہے، لیکن اللہ کے وہ مخلص بندے جو گناہوں سے مُحترز[8] ہوں؛ ان کے لیے افضلیت میں کیا کلام ہے؛ لیکن وہ اتنی قلیل[9] مقدار ہے کہ ان پر حکم لگانا بھی ایسا ہے جیسا عام مخلوق میں بادشاہ، لیکن پارسائی[10] کا جھوٹا دعویٰ کرنے والوں کا اعتبار نہیں کہ ویسے تو ہر شخص اپنے کو یہی کہتا ہے کہ میں وہاں رہنے کے شرائط پورے کرسکتا ہوں۔ دعویٰ بہت سہل ہے۔

بہت آساں ہے یاروں میں معاذ اللہ کہہ دینا　　　بہت مشکل ہے بچنا بادۂ[11] گل گوں سے خلوت[12] میں

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانہ کے لوگوں کے حالات کے لحاظ سے کراہت[13] اور ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا، اگر وہ ان حالات کو دیکھتے جن کو ہم اپنے زمانہ میں دیکھ رہے ہیں تو وہ وہاں کے قیام کے حرام ہونے کا فتویٰ دیتے۔ یہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مشاہیر علماء میں ہیں، ۱۰۱۴ھ میں وفات پائی ہے، جب یہ اپنے زمانہ کا یہ حال فرما رہے ہیں تو آج چودھویں صدی کے آخر کا جو حال ہوگا، وہ اظہر من الشمس[14] ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جن محتاط علماء نے مکہ کے قیام کو مکروہ بتایا ہے، اس کی تین وجہ ہیں: اوّل یہ کہ ایسا نہ ہو کہ وہاں کے قیام سے وہ ذوق وشوق اور تڑپ بے قراری جو کعبہ شریف کے ساتھ ہونا چاہیے وہ کم ہوجائے۔ دوسرے یہ کہ اس سے روانگی کے وقت جو فراق[15] کی تڑپ اور دوبارہ لوٹنے کا جذبہ پیدا ہوگا وہ وہاں رہنے میں حاصل نہیں ہوتا، اسی لیے بزرگوں کا ارشاد ہے کہ تو کسی دوسرے شہر میں رہے اور تیرا دل مکہ مکرمہ میں اٹکا رہے، یہ بہتر ہے اس سے کہ تو مکہ میں رہے اور تیرے دل میں کسی دوسری جگہ کا داعیہ پیش آئے اور بعض بزرگوں سے نقل کیا گیا کہ بہت سے لوگ خراسان میں رہنے

حل لغات: (۱) حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ۔ (۲) پسندیدہ۔ (۳) احتیاط کرنے والے۔ (۴) کہیں ایسا نہ ہو۔ (۵) بھاری پن، بوجھ۔ (۶) رنج، غم۔ (۷) واقع ہوجائے۔ (۸) بچنے والے۔ (۹) کم۔ (۱۰) تقویٰ طہارت۔ (۱۱) گلاب کی طرح لال رنگ کی شراب۔ (۱۲) تنہائی۔ (۱۳) ناپسند۔ (۱۴) سورج سے زیادہ روشن۔ (۱۵) جدائی۔

والے مکہ سے تعلق کے اعتبار سے بعض ان لوگوں سے قریب ہیں جو طواف کر رہے ہوں، بلکہ بعض لوگ تو ایسے ہوتے ہیں کہ خود کعبہ ان کی زیارت کو جاتا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ مبادا وہاں رہ کر کوئی گناہ صادر ہوجائے کہ یہ سخت خطرناک ہے اور اللہ جَلَّ شانُہٗ کے غصہ کا موجب ہے فقط۔ ویسے تو مکہ مکرمہ سارا ہی بابرکت ہے، اس کی ہر جگہ، ہر در و دیوار، ہر پتھر اور ریت کا ذرّہ بابرکت ہے؛ لیکن چند مقامات اور بھی زیادہ خصوصیت رکھتے ہیں، جن میں سے بعض اس فصل میں گذر چکے ہیں، مستقل احادیث ان کے فضائل میں لکھی جا چکی ہیں۔ ان کے علاوہ حضرت خدیجہ رَضِیَ اللہُ عَنْہا کا دولت کدہ[1] جہاں حضرت فاطمۃ الزہرا رَضِیَ اللہُ عَنْہا پیدا ہوئیں اور حضرت ابراہیم رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کے علاوہ سب اولاد یہیں پیدا ہوئی، ہجرت تک حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا قیام اسی مکان میں رہا، علماء نے لکھا ہے کہ مسجدِ حرام کے بعد مکہ کے تمام مکانات میں یہ مکان افضل ہے۔ دوسرے حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی پیدائش کی جگہ جو مولدِ نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے نام سے مشہور ہے۔ تیسرے حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کا مکان جو زُقَاقِ صَوَّاغِیْن (زرگروں کی گلی) میں ہے، اس کو دارُ الہجرت بھی کہتے ہیں، اس لیے کہ ہجرت کی ابتدا اسی مکان سے ہوئی، ہجرت سے قبل حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ روزانہ یہاں تشریف لایا کرتے تھے، وہاں دو پتھر تھے: ایک کا نام مُتَکَلِّم[2] ہے، اس نے حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو سلام کیا تھا، دوسرا مُتَّکَا[3] جس پر حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ٹیک لگا کر بیٹھے تھے۔ مولدِ علی رَضِیَ اللہُ عَنْہُ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی پیدائش کی جگہ۔ دارِ اَرقم جو دارِ خَیزرَان سے مشہور ہے، صفا پہاڑ کے قریب ہے۔ اس میں حضرت عمر رَضِیَ اللہُ عَنْہُ اسلام لائے تھے اور چالیس کا عدد آپ کے ایمان لانے پر پورا ہوا تھا۔ اور قرآن پاک کی آیت ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ [سورۂ انفال: ۶۴] اس پر نازل ہوئی تھی، اسی میں حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ابتداءِ اسلام میں مخفی[4] رہا کرتے تھے۔ جبل[5] ثور کا غار، جس میں ہجرت کے وقت حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اور حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللہُ عَنْہُ پوشیدہ ہوئے تھے۔ قرآن پاک میں ﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ﴾ میں اسی غار کا ذکر ہے۔ جبلِ حرا کا غار جس میں حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نبوت سے پہلے کئی کئی دن تک عبادت کیا کرتے اور تنہائی اختیار فرمایا کرتے تھے اور اسی میں سب سے پہلے آپ پر اِقْرَاْ نازل ہوئی۔ مسجد الرَّایَۃ: مکہ میں مُعلّیٰ کی طرف ہے، حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اس میں نماز پڑھی ہے۔ مسجد الجن جس جگہ جنات کا اجتماع ہوا اور حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حضرت عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کے ساتھ اس جگہ تشریف لے گئے اور حضرت ابن مسعود رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کو ایک جگہ بٹھا کر خود آگے

حل لغات: (۱) مکان، گھر۔ (۲) بات کرنے والا۔ (۳) تکیہ لگانے والا۔ (۴) پوشیدہ، چھپا ہوا۔ (۵) پہاڑ۔

تشریف لے گئے اور جنّات کو تعلیم فرمائی، قرآن پاک سنایا۔ مسجد الشَّجَرَۃ جو مسجد جن کے مقابل ہے، اس جگہ ایک درخت تھا جس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا، وہ زمین کو چیرتا ہوا حاضر خدمت ہوگیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ واپس چلے جاؤ، وہ اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ مَسْجِدُ الْغَنَم جس کو مَسْجِدُ الْاِجَابَۃ بھی کہتے ہیں، اس جگہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ میں بیعت لی تھی۔ مسجد اَجْیَاد، مسجد جَبَلِ اَبُوقُبَیْس جو حرم شریف سے نظر آتی ہے، لیکن اس جگہ بکری کی سری کھانے کے متعلق جو روایت مشہور ہے، وہ غلط ہے۔ مسجد طُویٰ جو تَنْعِیْم کے راستہ میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جب عمرہ یا حج کے لیے تشریف آوری ہوئی تو اس جگہ قیام فرمایا۔ مسجد عائشہ رضی اللہ عنہا تنعیم پر جہاں عمرہ کا احرام باندھا جاتا ہے۔ مسجد الْعَقَبَۃ منیٰ کے قریب جہاں انصار نے ہجرت سے قبل بیعت کی تھی، یہ مسجد مکہ سے منیٰ جاتے ہوئے بائیں ہاتھ پر راستہ سے علیحدہ[1] کو ہے۔ مسجد الجِعرّانہ جہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد جب طائف سے لوٹ رہے تھے، احرام باندھا تھا۔ مسجد الْکَبْش جس کو منحر[2] ابراہیم بھی کہتے ہیں، یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کیا تھا۔ مسجد الخَیْف منیٰ میں مشہور مسجد ہے جس میں کہتے ہیں کہ ستّر نبی وہاں مدفون ہیں۔ غار مرسلات جو مسجد خیف کے قریب ہے سورۂ وَالْمُرْسَلٰتِ وہاں نازل ہوئی۔ جنت المعلیٰ مکہ مکرمہ کا مقبرہ جہاں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی قبر ہے اور احادیث میں اس مقبرہ[3] کی فضیلت بھی آئی ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے مُتبرّک مقامات ہیں، اور مکہ مکرمہ میں کون سی جگہ ایسی ہوگی جہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قدم مبارک نہ پڑے ہوں؛ لیکن ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان مواضع[4] کو خاص طور سے ذکر کیا ہے۔

حل لغات: (۱) الگ۔ (۲) قربان گاہ۔ (۳) قبرستان۔ (۴) مقامات، جگہیں۔

ساتویں فصل: عمرہ کے بیان میں

جیسا کہ نماز میں کچھ تو فرض نمازیں ہیں، جو پانچ مخصوص اوقات میں فرض کی گئیں اور کچھ نوافل ہیں، جو جاں نثار قدردانوں کے لیے اس لیے مشروع[1] کی گئیں کہ جب ان کا دربار کی حاضری کو دل چاہے حاضر ہو جائیں۔ اسی طرح سے بیت اللہ شریف کی زیارت میں ایک تو حج فرض ہے جو مخصوص وقت میں ہوتا ہے، دوسرا عمرہ ہے جو سال بھر میں بجز پانچ دن کے یعنی نویں ذی الحجہ سے تیرا[۱۳] تک تو عمرہ کرنا مکروہ ہے کہ یہ حج کا مخصوص وقت ہے، اس کے علاوہ جس دن جتنے دل چاہے عمرے کرے، یہ بھی اللہ کا فضل عظیم ہے کہ مشتاق[2] لوگوں کی حاضری کے واسطے ہر وقت حاضری کی اجازت فرمادی۔ عمرہ اگرچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سنت ہے؛ لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب ہے، اس لیے کم از کم ایک عمرہ آدمی کو ضرور کر لینا چاہیے کہ دو اماموں کے نزدیک یہ مستقل واجب ہے اور حنفیہ کے نزدیک بھی ایک عمرہ کم از کم کرنا سنّت موکّدہ ہے، مشہور قول کے موافق؛ ورنہ بعض علمائے حنفیہ نے اس کو واجب کہا ہے اور بعض نے فرض کفایہ، اس لیے ایک عمرہ تو جو شخص جانے کی طاقت رکھتا ہو یا وہاں پہونچ جائے وہ ضرور ہی کرلے، قرآن پاک میں بھی اس کا حکم فرمایا ہے ﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ [سورۂ بقرہ] ''اور پورا پورا ادا کیا کرو حج اور عمرہ کو خالص اللہ جلَّ شانُہٗ کے واسطے''۔

فائدہ: ایک حدیث میں آیا ہے کہ حج اور عمرہ کا پورا پورا ادا کرنا یہ ہے کہ اپنے گھر سے حج کا یا عمرہ کا احرام باندھ کر چلے۔ [درمنثور] اپنے گھر سے احرام باندھ کر چلنا افضل ہے، مُتعدّد روایات میں اس کی فضیلت آئی ہے، لیکن چونکہ احرام میں بہت سی چیزوں کی احتیاط ضروری ہے اور زیادہ دن تک احرام باندھنے میں بسا اوقات[3] ایسی چیزیں صادر[4] ہو جاتی ہیں جو احرام کے منافی[5] ہیں، اس لیے علماء احتیاط اس میں بتاتے ہیں کہ میقات[6] ہی سے احرام باندھا جائے کہ گناہ سے بچنا فضیلت حاصل کرنے سے زیادہ اہم اور مُقدّم[7] ہے۔

احادیث میں بھی عمرہ کے فضائل بہت سی روایات میں آئے ہیں، ان میں سے بعض پہلی فصل میں حج کے ساتھ گذر چکے ہیں، جیسا کہ حدیث نمبر گیارہ[۱۱]، بارہ[۱۲]، تیرہ[۱۳] میں گذرا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد حج تو ایک ہی مرتبہ کیا ہے، لیکن عمرے چار کیے، جن میں سے ایک پورا نہ ہوسکا کہ مشرکین نے مکہ

حل لغات: (۱) یعنی شریعت میں مقرر کی گئیں۔ (۲) خواہش مند۔ (۳) بہت دفعہ۔ (۴) واقع۔ (۵) خلاف۔ (۶) وہ جگہ جہاں سے احرام باندھا جاتا ہے۔ (۷) پہلے۔

میں داخل نہ ہونے دیا اور اس پر فیصلہ ہوا کہ اس سال نہ کریں، دوسرے سال آ کر کرلیں اور تین عمرے پورے کیے۔

① عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ حَجَّةٌ مَبْرُوْرَةٌ أَوْعُمْرَةٌ مَبْرُوْرَةٌ۔ [أخرجه أحمد والطبراني كذا في الدر]	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ افضل ترین عمل نیکی والا حج یا نیکی والا عمرہ ہے۔

فائدہ: پہلی فصل کی حدیث نمبر ۲ میں نیکی والے حج کا بیان گذر چکا ہے، وہی مطلب نیکی والے عمرہ کا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ عمرہ چھوٹا حج ہے۔ [درمنثور] یعنی جو برکات وثمرات[1] اور فضائل حج کے ہیں وہی سب کچھ کمی کے ساتھ عمرہ کے ہیں۔

② عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا [متفق عليه كذا في المشكوة]	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک درمیانی حصہ کے لیے کفّارہ ہے۔

فائدہ: یعنی ایک عمرہ کرنے کے بعد دوسرے عمرہ تک کے درمیان میں جس قدر لغزشیں[2] ہوئی ہوں گی، وہ معاف ہوجائیں گی۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک کفّارہ ہے درمیان کے گناہوں کا اور خطاؤں کا۔ [کنز] اور بھی متعدد[3] روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے۔

③ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: جَاءَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: حَجَّ أَبُوْ طَلْحَةَ وَابْنُهُ وَتَرَكَانِيْ. فَقَالَ: يَا أُمَّ سُلَيْمٍ! عُمْرَةٌ فِيْ رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً مَعِيْ [رواه ابن حبان في صحيحه كذا في الترغيب]	حضرت اُمِّ سُلیم رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ (میرے خاوند) ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے تو حج کو چلے گئے اور مجھے چھوڑ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے۔

فائدہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ''رمضان المبارک میں عمرہ کرنا حج کے برابر فضیلت رکھتا ہے'' مختلف احادیث میں وارد ہوا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حج کو تشریف لے جانے لگے، تو ایک صحابی عورت نے اپنے خاوند سے کہا کہ مجھے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کرادو، انہوں

حل لغات: ① نتیجہ۔ ② گناہ۔ ③ چند، کئی۔

نے فرمایا کہ میرے پاس کوئی سواری نہیں، بیوی نے کہا کہ تمہارا فلاں اونٹ ہے، خاوند نے فرمایا کہ وہ تو میں اللہ کے راستہ میں وقف کر چکا ہوں مجبوراً وہ بے چاری رہ گئیں۔ جب حضور ﷺ حج سے فارغ ہو کر تشریف لائے تو خاوند نے یہ قصہ حضور ﷺ سے عرض کیا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ حج بھی تو اللہ ہی کا راستہ تھا، اگر اس اونٹ پر حج کرا دیتے تو کچھ مُضَائقہ[1] نہ تھا، پھر خاوند نے عرض کیا کہ حضور! میری اہلیہ نے سلام عرض کیا ہے اور یہ دریافت کیا ہے کہ آپ کے ساتھ حج نہ کرنے کی تلافی[2] اب کیا ہو سکتی ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری طرف سے ان کو سلام کہہ دینا اور یہ کہہ دینا کہ رمضان المبارک میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے۔ [ابوداؤد]

اسی قسم کا قصہ حضرت اُمّ سِنان رضی اللہ عنہا کے ساتھ بھی پیش آیا اور اُمّ معقِل رضی اللہ عنہا کے ساتھ بھی، اُمّ طُلَیق رضی اللہ عنہا کے ساتھ بھی اور امّ ہُشَیم رضی اللہ عنہا کے ساتھ بھی کہ یہ سب حج کا ارادہ فرماتی رہیں، لیکن کسی نہ کسی عذر کی وجہ سے نہ جا سکیں، تو حضور ﷺ نے ہر ایک سے یہی ارشاد فرمایا کہ رمضان المبارک کا عمرہ حج کے برابر ہے۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں ان کی روایات ذکر فرمائی ہیں کہ عمرہ کا حج کے برابر ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ اس عمرہ سے حج فرض پورا ہو جائے گا، یہ اجماعی مسئلہ ہے، اس میں کسی کو بھی خلاف نہیں ہے کہ حج فرض اس سے ادا نہیں ہوتا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ عمرہ کے ساتھ رمضان المبارک کی فضیلت مل جانے کی وجہ سے حج کے ثواب کے برابر ہو جاتا ہے۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بسا[3] اوقات وقت کی فضیلت کی وجہ سے عمل کا ثواب بڑھ جاتا ہے جیسا کہ خلوص نیت اور اخلاص کی وجہ سے بڑھ جاتا ہے۔ [فتح الباری]

④ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْحَاجُّ وَالْعُمَّارُ وَفْدُ اللهِ، إِنْ دَعَوْهُ أَجَابَهُمْ وَإِنِ اسْتَغْفَرُوْهُ غَفَرَ لَهُمْ۔ [رواہ ابن ماجہ کذا فی المشکوٰۃ]	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے اللہ جَلَّ شانُہٗ کا وفد ہیں اگر وہ لوگ دعا مانگیں، تو اللہ جَلَّ شانُہٗ ان کی دعا قبول کرتا ہے اور اگر وہ مغفرت چاہیں تو ان کے گناہوں کی مغفرت فرماتا ہے۔

فائدہ: جیسا کہ بہت سے آدمی ایک جماعت بنا کر بطور وفد کے کہیں سرکاروں، درباروں میں جاتے ہیں، ایسے ہی یہ لوگ گویا وفد کے طور پر حق تعالیٰ شانُہٗ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں اور جیسا کہ وُفود[4] کا اکرام و اعزاز ہوتا ہے، ایسے ہی ان کا بھی اللہ جَلَّ شانُہٗ کے یہاں اکرام ہوتا ہے۔ ایک اور حدیث میں

حل لغات: ① حرج۔ ② بھرپائی۔ ③ بعض، کبھی۔ ④ وفد کی جمع حاکم یا بادشاہ سے ملاقات کرنے والی جماعت۔

آیا ہے کہ اللہ کا وفد تین قسم کے لوگ ہیں: ایک مجاہد، دوسرے حاجی، تیسرے عمرہ کرنے والے۔ [مشکوۃ] ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ حاجی اور عمرہ کرنے والے اللہ جَلَّ شانُہٗ کا وفد ہیں، جب دعا کرتے ہیں قبول ہوتی ہے اور اللہ سے جو مانگتے ہیں ان کا سوال پورا کیا جاتا ہے۔ [ترغیب عن جابر رضی اللہ عنہ]

ایک اور حدیث میں ہے کہ حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے اللہ کا وفد ہیں، جو مانگتے ہیں وہ دیا جاتا ہے، جو دعا کرتے ہیں وہ قبول ہوتی ہے، جو خرچ کرتے ہیں اس کا بدل ان کو ملتا ہے، قسم ہے اس پاک ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ جب کسی اونچی جگہ پر کوئی شخص لَبَّيْك کہتا ہے یا تکبیر کہتا ہے، تو اس کے سامنے کا سارا حصہ زمین کا دنیا کے ختم تک لَبَّيْك اور تکبیر کہنے لگتا ہے۔ [ترغیب] ایک اور حدیث میں ہے کہ حاجی اور عمرہ کرنے والے اللہ کا وفد ہیں، جو مانگتے ہیں وہ ان کو ملتا ہے، جو دعا کرتے ہیں وہ قبول کی جاتی ہے، جو خرچ کرتے ہیں اس کا بدل ان کو ملتا ہے اور ایک ایک درہم[1] کے بدلہ میں دس دس لاکھ درم دیے جاتے ہیں۔ [ترغیب] ایک حدیث میں ہے کہ مکہ کے رہنے والے اگر اس کو جان لیں کہ حاجیوں کا ان پر کتنا حق ہے تو ان کی آمد پر یہ لوگ جا کر ان کی سواریوں کو بوسہ دیں، اس لیے کہ وہ لوگ اللہ کا وفد ہیں۔ [درمنثور]

⑤ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَابِعُوْا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَإِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوْبَ كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ وَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ۔ [رواه الترمذي والنسائي كذا في المشكوٰة]	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مُتابَعت[2] کرو درمیان حج اور عمرہ کے کہ وہ دونوں مفلسی اور گناہوں کو ایسا دور کرتے ہیں، جیسا آگ کی بھٹی لوہے اور سونے چاندی کے مَیل کو دور کر دیتی ہے۔

فائدہ: متابعت کرنے کا مطلب بعض علماء نے لکھا ہے کہ قران کرو، جو حج کی تین قسموں میں سے ایک قسم ہے اور حنفیہ کے نزدیک سب قسموں میں سب سے زیادہ افضل یہی صورت ہے اور مُحققین کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا احرام بھی اسی کا تھا، اس میں حج اور عمرہ کا دونوں کا احرام ایک ساتھ باندھا جاتا ہے۔ اور متابعت کرنے کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر پہلے حج کر لیا ہے، تو بعد میں عمرہ کرے اور پہلے عمرہ کیا ہے، تو بعد میں حج کرے کہ یہ بھی متابعت ہوگئی۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حج اور عمرہ کے درمیان متابعت عمر میں اضافہ کرتی ہے اور فقر اور

حل لغات: ① چاندی کا سکہ۔ ② ایک بعد ایک کرنا۔

گناہوں کو ایسا زائل[1] کرتی ہے جیسا آگ کی بھٹی میل کو زائل کرتی ہے۔ [ترغیب] ایک حدیث میں ہے: أَدِيمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ [الحدیث] حج اور عمرہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہمیشہ کرتے رہو کہ یہ دونوں فقر اور گناہوں کو ایسا زائل کرتے ہیں، جیسا بھٹی لوہے کے زنگ کو۔ [کنز] ایک اور حدیث میں ہے کہ حج اور عمرہ کی کثرت[2] فقر کو روک دیتی ہے۔ [کنز] ایک اور حدیث میں ہے کہ لگاتار حج کرنا اور لگاتار عمرہ کرنا فقر اور گناہوں کو ایسا دور کرتے ہیں، جیسا کہ آگ لوہے کے میل کو۔ [کنز] ایک اور حدیث میں ہے کہ حج اور عمرہ میں متابعت کرنا عمر کو بھی بڑھاتا ہے اور روزی کو بھی زیادہ کرتا ہے۔ [کنز]

اور بھی بہت سی روایات میں یہ مضمون ذکر کیا گیا۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ عمرہ کثرت سے کرنا مستحب[3] ہے۔ اور ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ کوئی مہینہ ایسا نہ جانا چاہیے جس میں بشرطِ قدرت کم از کم ایک عمرہ نہ کرے اور دو تین کر لے تو بہت بہتر ہے۔ [شرح مناسک]

⑥ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: جِهَادُ الْكَبِيْرِ وَالضَّعِيْفِ وَالْمَرْأَةِ: اَلْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ۔ [رواه النسائي بإسناد حسن كذا في الترغيب]	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بوڑھے اور ضعیف[4] لوگوں کا اور عورتوں کا جہاد حج اور عمرہ ہے۔

فائدہ: پہلی فصل کی گیارہویں حدیث کے ذیل میں بھی یہ مضمون گذر چکا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا عورتوں پر بھی جہاد ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتوں پر ایسا جہاد ہے جس میں قتال[5] نہیں، اور وہ حج اور عمرہ ہے۔ [ترغیب]

ایک صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں بہت کم ہمت ہوں دشمن کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں ایسا جہاد بتاؤں جس میں لڑائی نہ ہو؟ انہوں نے عرض کیا: ارشاد فرماویں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حج اور عمرہ ہے۔ [درمنثور]

⑦ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ مِنْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ غُفِرَ لَهٗ۔ [رواه ابن ماجه بإسناد صحيح كذا في الترغيب]	حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص بیت المقدس سے عمرہ کا احرام باندھ کر آئے، اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے۔

حل لغات: ① دور، ختم۔ ② زیادتی۔ ③ پسندیدہ۔ ④ کمزور۔ ⑤ لڑائی۔

فائدہ: ام حکیم رحمۃ اللہ علیہا تابعی[1] عورت ہیں، انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث سنی اور صرف احرام باندھنے کے لیے بیت المقدس تشریف لے گئیں اور وہاں سے احرام عمرہ کا باندھ کر واپس آئیں۔ [ترغیب]

یہ وقعت[2] تھی ان حضرات کے یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشادات کی کہ جو شخص کوئی حدیث سن لیتا تھا، اپنی وُسعت کے موافق اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتا تھا، چاہے اس میں کتنی ہی مشقّت اٹھانا پڑے۔ ایک اور حدیث میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے یہ الفاظ نقل کیے گئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص حج یا عمرہ کے لیے مسجدِ اقصیٰ سے مسجدِ حرام تک آئے، اس کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور جنت اس کے لیے واجب ہوجاتی ہے۔ [درمنثور]

حل لغات: (۱) جسے صحابہ رضی اللہ عنہم کی صحبت ملی ہو۔ (۲) اہمیت۔

آٹھویں فصل: زیارتِ مدینہ میں

ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو مشہور عالم، فقیہ[1]، مُحدِث[2]، حنفی ہیں، انہوں نے لکھا ہے کہ چند حضرات کے علاوہ جن کا خلاف کچھ مُعتبر[3] نہیں، بالا تفاق تمام مسلمانوں کے نزدیک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اہم ترین نیکیوں میں ہے اور افضل ترین عبادات میں ہے اور اعلیٰ درجات تک پہونچنے کے لیے کامیاب ذریعہ اور پُر امید[4] وسیلہ ہے، اس کا درجہ واجبات کے قریب ہے؛ بلکہ بعض علماء نے واجب کہا ہے اُس شخص کے لیے جس میں وہاں حاضری کی وسعت ہو، اس کا چھوڑنا بڑی غفلت اور بہت بڑی جفا[5] ہے۔ اور بعض مالکیہ نے کہا ہے کہ وہاں قیام کے ارادہ سے چلنا مکہ مکرمہ میں قیام کے ارادہ سے چلنے سے افضل ہے یعنی حج کی وجہ سے چلنا تو دوسری بات ہے اس کے علاوہ مدینہ پاک کی طرف چلنا افضل ہے۔ فقط۔

درِّ مختار میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت مندوب[6] ہے بلکہ بعض علماء نے اُس شخص کے حق میں جس میں وُسعت[7] ہو، واجب کہا ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ خیر رملی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے اس قول کو نقل کیا اور اس کی تائید کی۔

یقیناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم **كَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَيَرْضٰى وَبِعَدَدِ مَا يُحِبُّ وَيَرْضٰى** کے جتنے احسانات امت پر ہیں اور جو توقعات[8] مرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ[9] ہیں، اُن کے لحاظ سے وسعت اور طاقت کے بعد بھی حاضری نہ نصیب ہو؛ بے حد محرومی ہے اور معمولی اَعذار[10] سے اس سعادتِ عُظمیٰ[11] سے محرومی، انتہائی قساوت[12] اور جفا ہے۔ اگرچہ بعض علماء نے بعض روایات کی بناء پر بجائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کے مسجد کی زیارت کی نیت کو ضروری بتایا ہے، لیکن ائمہ اربعہ کے سب مذاہب اس پر متفق ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کا ارادہ بھی مستحب ہے، حنفیہ کی معتبر کتاب سے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت اوپر نقل کر چکا ہوں۔

شافعیہ کے مقتدا[13] امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مناسک میں لکھتے ہیں کہ جب حج سے فارغ ہو جائے، تو چاہیے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کی نیت سے مدینہ منورہ کا ارادہ کرے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت اہم ترین قُربات[14] میں سے اور کامیاب مَساعی[15] سے ہے۔

حل لغات: (۱) علم فقہ کا ماہر۔ (۲) علم حدیث کا ماہر۔ (۳) ماننے کے لائق۔ (۴) امیدوالا ذریعہ ہے۔ (۵) بے وفائی۔ (۶) پسندیدہ۔ (۷) کشادگی، فراخی۔ (۸) امیدیں۔ (۹) جڑی ہوئی، متعلق۔ (۱۰) عُذر۔ (۱۱) بڑی سعادت۔ (۱۲) سنگدلی۔ (۱۳) جس کی اتباع کی جائے۔ (۱۴) قریب ہونے کا اہم ذریعہ۔ (۱۵) کوششوں۔

"انوارِ ساطعہ" میں مالکیہ کے مذہب میں لکھا ہے: ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت پسندیدہ سنت ہے، جو شرعاً مطلوب ہے اور مرغوب[1] ہے اور اللہ جلّ شانہٗ کے یہاں قربت پیدا کرنے میں بہت اونچی چیز ہے اور قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے شفا میں لکھا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت مُجمع علیہ سنت ہے۔ بلکہ بعض علمائے مالکیہ رحمۃ اللہ علیہ نے تو واجب فرما دیا جیسا کہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مواہب میں ابوعمران فارسی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا۔

"مُغنی" جو فقہ حنابلہ رحمۃ اللہ علیہ کی بہت معتبر کتاب ہے، اس میں لکھا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت مستحب ہے، اس لیے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص حج کرے پھر میری قبر کی زیارت کرے، اس نے گویا زندگی میں میری زیارت کی۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی۔ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نقل کی کہ جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر سلام کرے تو میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ اور شرحِ کبیر میں جو مذہب حنابلہ کی اہم کتاب ہے، لکھا ہے کہ جب حج سے فارغ ہو جائے تو مستحب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ساتھیوں کی قبر کی زیارت کرے۔ اس کے بعد وہی احادیث ذکر کیں جو مغنی میں گذریں۔

"دلیل الطالب" جو فقہ حنبلی کا مشہور متن[2] ہے اس میں حج کے احکام لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ساتھیوں کی قبر کی زیارت مسنون ہے، اس کے شارح[3] "نَیلُ المآرِب" میں لکھتے ہیں کہ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ان قبروں کی زیارت کے لیے سفر کرنا بھی مستحب ہے، اس لیے کہ حاجی حج کے بعد بغیر سفر کے ان کی زیارت کیسے کر سکتا ہے۔ اسی طرح "روض المربع" فقہ حنبلی میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اَطہر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ساتھیوں کی قبروں کی زیارت مستحب ہے، اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جس نے حج کیا پھر میری قبر کی زیارت کی، وہ ایسا ہے جیسا کہ میری زندگی میں میری زیارت کی۔

ان سب سے معلوم ہوا کہ ائمۂ اربعہ کا مُتَّفقہ[4] مسئلہ ہے، اسی لیے بعض علماء نے اس کو اجماعی مسئلہ بتایا جیسا کہ شروع میں گذرا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی متعدد روایات میں اس کی ترغیب وارد ہوئی ہے۔

① عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ زَارَ قَبْرِيْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ۔	ابن عمر رضی اللہ عنہما حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی، اس کے لیے میری شفاعت ضروری ہو گئی۔

حل لغات: ① پسندیدہ۔ ② کتاب کا اصل مضمون۔ ③ شرح کرنے والا۔ ④ ایسا مسئلہ جس میں سب کا اتفاق ہو۔

زیارت مدینہ

[رواه البزار والدارقطني قاله النووي۔ وقال ابن حجر في شرح المناسک: رواه ابن خزيمة في صحيحه، وصححه جماعة كعبد الحق والتقي السبكي اھ۔ وقال القاري في شرح الشفاء: صححه جماعة من أئمة الحديث]

② عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ جَاءَنِيْ زَائِرًا لَايُهِمُّهُ إِلَّا زِيَارَتِيْ، كَانَ حَقًّا عَلَيَّ أَنْ أَكُوْنَ لَهُ شَفِيْعًا۔	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو میری زیارت کو آئے اور اس کے سوا کوئی اور نیت اس کی نہ ہو تو مجھ پر حق ہو گیا کہ اس کی سفارش کروں۔

[قال العراقي: رواه الطبراني، وصححه ابن السكن كذا في الاتحاف، وبسط في تخريجه، وقال: صححه عبدالحق في سكوته والتقي السبكي باعتبار مجموع الطرق]۔

فائدہ: دنیا میں کون شخص ایسا ہوگا جس کو محشر کے ہولناک منظر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت[1] کی ضرورت نہ ہو اور کتنا خوش قسمت ہے وہ شخص جس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمادیں کہ اس کی شفاعت میرے ذمہ ضروری ہے۔ علامہ زُرقانی رحمۃ اللہ علیہ شرح مَواہب میں لکھتے ہیں کہ اس کے لیے خصوصی شفاعت مراد ہے، رفعِ درجات کی ہو یا اس ہولناک دن میں امن کی ہو یا جنت میں بغیر حساب داخلہ کی یا عمومی سفارش کے علاوہ اس کے لیے خصوصیت سے شفاعت ہو۔

ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ شرح مناسک نووی رحمۃ اللہ علیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ حدیث میں جو یہ وارد ہوا ہے ''کہ جو شخص میرے پاس آئے اور میری زیارت کے علاوہ کوئی اور غرض اس کی نہ ہو، تو مجھ پر اس کا حق ہو گیا کہ میں قیامت کے دن اس کی سفارش کروں''۔ میری زیارت کے سوا کوئی اور غرض اس کی نہ ہو'' کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسی غرض نہ ہو جو زیارت کے متعلق نہ ہو، لہٰذا مسجدِ نبوی میں اعتکاف کی نیت یا عبادت کی کثرت یا صحابہ وغیرہ کی زیارت کی نیت اس کے منافی[2] نہیں، بلکہ ہمارے علماء نے اس کی تصریح[3] کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے ساتھ مسجد نبوی کی زیارت کی بھی نیت کرلے۔ حنفیہ میں سے صاحب دُرِّمختار نے بھی یہی لکھا ہے کہ قبر شریف کے ساتھ مسجدِ نبوی کی زیارت کی بھی نیت کرلے، لیکن ابن ہُمام رحمۃ اللہ علیہ نے فقہاء[4] حنفیہ میں سے لکھا ہے کہ اس حدیث کی بناء پر پہلی مرتبہ تو صرف قبر مبارک ہی کی نیت ہونا چاہیے، البتہ اگر مقدر یاوری[5] کرے اور دوبارہ حاضری کی سعادت نصیب ہو تو مسجد اور قبر شریف دونوں کی نیت کرے۔ اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ملّا جامی رحمۃ اللہ علیہ سے

حل لغات: ① سفارش۔ ② خلاف۔ ③ بیان کرنا۔ ④ فقیہ کی جمع علم فقہ کا ماہر۔ ⑤ مدد۔

نقل کیا ہے کہ انھوں نے ایک مرتبہ محض زیارت کی نیت سے سفر کیا اس میں حج کو بھی شامل نہ کیا، تا کہ محض زیارت ہی کی نیت ہو، محبت کی بات تو یہی ہے۔

③ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ زَارَنِيْ بَعْدَ وَفَاتِيْ فَكَأَنَّمَا زَارَنِيْ فِيْ حَيَاتِيْ۔	حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی، تو ایسا ہے گویا کہ میری زندگی میں زیارت کی۔

[رواه الطبراني والدارقطني والبيهقي وضعفه كذا في الاتحاف. وفي المشكوٰة برواية البيهقي في الشعب بلفظ: مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِيْ بَعْدَ مَوْتِيْ كَانَ كَمَنْ زَارَنِيْ فِيْ حَيَاتِيْ۔ واستدل به الموفق في المغني على استحباب الزيارة۔]

فائدہ: مشکوۃ شریف میں ارشاد نقل کیا گیا کہ جس شخص نے حج کیا پھر میری قبر کی زیارت کی، وہ مثل اس شخص کے ہے جس نے کہ میری زندگی میں زیارت کی ہو۔ اس کے مثل ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ صحابی ہو گیا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں، تو گویا یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ زندگی میں کوئی شخص درِ دولت[1] پر حاضر ہو اور مکان سے باہر ہی مل کر آئے۔ اس حدیث میں یہ فرمایا گیا کہ "حج کے بعد میری زیارت کرے" اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ مدینہ طیبہ کی حاضری پہلے ہونا چاہیے یا حج پہلے کرنا چاہیے؟ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ہمارے اکثر مشائخ کی یہ رائے ہے کہ حج پہلے کرنا چاہیے، لیکن مُوَجَّہ[2] یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر وقت میں وسیع[3] گنجائش ہو کہ حج سے پہلے زیارت اطمینان سے کر سکے اور پھر حج بھی اطمینان سے ہو سکے تو زیارت پہلے کر لے، ایسا نہ ہو کہ حج کے بعد کوئی عارض[4] پیش آ جائے، البتہ اگر وقت میں تنگی ہو تو حج کو مقدّم[5] کرے۔ ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اگر حج فرض ہے، تب تو حج کو مقدّم کرنا چاہیے بشرطے کہ مدینہ منورہ راستہ میں نہ پڑتا ہو، اگر راستہ میں پڑتا ہو تو پھر بغیر زیارت کے آگے بڑھنا قساوت[6] ہے، یہ بہر حال ضروری ہے کہ حج کے وقت میں گنجائش ہو، اس کے فوت[7] ہونے کا اندیشہ[8] نہ ہو اور اگر حج نفل ہے تو اس کو اختیار ہے کہ جس کو چاہے مقدّم کرے اور اولیٰ یہ ہے کہ حج کو مقدّم کرے، تا کہ گناہوں سے حج کی بدولت پاک ہو کر پاک کی زیارت کرے۔

حل لغات: ① گھر کا دروازہ۔ ② معقول، عقل میں آنے والی بات۔ ③ زیادہ۔ ④ رکاوٹ، تکلیف، بیماری۔ ⑤ پہلے کرنا۔ ⑥ سخت دلی۔ ⑦ چھوٹنا۔ ⑧ ڈر، خوف۔

زیارت مدینہ

④ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ اٰلِ الْخَطَّابِ عَنِ النَّبِيِّ صلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ زَارَنِيْ مُتَعَمِّدًا كَانَ فِيْ جِوَارِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. وَمَنْ سَكَنَ الْمَدِيْنَةَ وَصَبَرَ عَلٰى بَلَائِهَا. كُنْتُ لَهٗ شَهِيْدًا وَشَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ. وَمَنْ مَاتَ فِيْ أَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بَعَثَهُ اللهُ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔	حضور ﷺ سے نقل کیا گیا کہ جو شخص ارادہ کر کے میری زیارت کرے، وہ قیامت میں میرے پڑوس میں ہوگا، اور جو شخص مدینہ میں قیام کرے اور وہاں کی تنگی اور تکلیف پر صبر کرے، میں اس کے لیے قیامت میں گواہ اور سفارشی ہوں گا، اور جو حرم مکہ مکرمہ یا حرم مدینہ میں مرجائے گا وہ قیامت میں امن والوں میں اٹھے گا۔

[رواه البيهقي في الشعب كذا في المشكوٰة. وفي الاتحاف برواية الطيالسي بسنده إلى ابن عمر عن عمر. ثم قال: وعن رجل من آل حاطب رفعه: مَنْ زَارَنِيْ مُتَعَمِّداً كَانَ فِيْ جِوَارِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ: الحديث۔ أخرجه البيهقي وهو مرسل. والرجل المذكور مجهول اهـ وبسط الكلام على طرقه السبكي وقال: هو مرسل جيد]

فائدہ: متعدد روایات میں یہ مضمون آیا ہے کہ جو شخص ارادہ کر کے میری زیارت کرے، وہ قیامت میں میرا پڑوسی ہے۔ "ارادہ کر کے" کا مطلب یہ ہے کہ محض① اسی ارادہ سے آیا ہو، یہ نہ ہو کہ سفر تو کسی دنیوی غرض سے تھا، راستہ چلتے زیارت بھی کرلی۔ حدیث نمبر ۲ میں بھی اسی قسم کا لفظ گذر چکا ہے کہ میری زیارت کے علاوہ کوئی اور ارادہ نہ ہو۔ دوسرا مضمون جو حدیثِ بالا میں مدینہ منورہ میں قیام کے متعلق ہے اس کی روایات آئندہ آرہی ہیں۔

⑤ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ وَلَمْ يَزُرْنِيْ فَقَدْ جَفَانِيْ۔	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا کہ جس شخص نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی، اُس نے مجھ پر ظلم کیا۔

[رواه ابن عدي في الكامل وغيره كذا في شفاء الأسقام. وفي شرح اللباب رواه ابن عدي بسند حسن. وبسط في تخريجه صاحب الاتحاف. وقال: رد السيوطي على ابن الجوزي في إيراده في الموضوعات. وقال: لم يصب اهـ۔ وقال القاري: في شرح الشفاء رواه ابن عدي بسند يحتج به]

فائدہ: کتنی سخت وعید ہے اور بالکل ظاہر ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے جو احسانات امّت پر ہیں، ان کے لحاظ سے وسعت کے باوجود حاضر نہ ہونا؛ سراسر ظلم و جفا② ہے۔ محدثین حضرات نے اس حدیث

حل لغات: ① صرف۔ ② بے وفائی۔

پر کلام کر دیا ورنہ اس کی وجہ سے زیارت واجب ہی ہوتی۔ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ ''مواہب لدنیہ'' میں لکھتے ہیں کہ جس شخص نے باوجود وسعت کے زیارت نہ کی، اس نے یقیناً جفا[1] کی۔

⑥ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: لَمَّا خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَكَّةَ أَظْلَمَ مِنْهَا كُلُّ شَيْئٍ، وَلَمَّا دَخَلَ الْمَدِيْنَةَ أَضَاءَ مِنْهَا كُلُّ شَيْئٍ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْمَدِيْنَةُ بِهَا قَبْرِيْ وَبِهَا بَيْتِيْ وَتُرْبَتِيْ. وَحَقٌّ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ زِيَارَتُهَا. [أخرجه أبوداود، كذا في الاتحاف. فلينظر فلم أجده]	حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مکہ سے تشریف لے گئے تو وہاں کی ہر چیز پر اندھیرا چھا گیا اور جب مدینہ پہونچے تو وہاں کی ہر چیز روشن ہوگئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ میں میرا گھر ہے اور اسی میں میری قبر ہوگی اور ہر مسلمان پر حق ہے کہ اس کی زیارت کرے۔

فائدہ: یقیناً ہر مسلمان پر حق ہے کہ اس پاک جگہ کی زیارت کرے اور کس قدر خوش نصیب ہیں، مسلمان جن کو وہاں کا قیام نصیب ہے کہ ہر وقت یہ سعادت ان کو میسّر[2] ہوتی رہتی ہے اور اس حق کی ادائیگی ان کو ہر وقت میسر ہے۔

⑦ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ زَارَنِيْ فِي الْمَدِيْنَةِ مُحْتَسِبًا كَانَ فِيْ جِوَارِيْ وَكُنْتُ لَهٗ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ.	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص مدینہ میں آکر میری زیارت ثواب کی نیت سے کرے (یعنی کوئی اور غرض نہ ہو)، وہ میرے پڑوس میں ہوگا اور میں قیامت کے دن اس کا سفارشی ہوں گا۔

[رواه العقيلي والبيهقي وأبوعوانة بألفاظ مختلفة. ذكرها القاري في شرح الشفاء ، وقال: قوله: ''فِيْ جِوَارِيْ'' بكسر الجيم وفي نسخة بضم الجيم أي: في ذمتي وعهدي.]

فائدہ: یہ مضمون حدیث نمبر ۴ کے ذیل میں بھی گذر چکا ہے۔ اس حدیث میں بعض علماء نے ''جوار'' کو جیم کے پیش سے بتایا ہے، اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ وہ شخص میرے عہد اور میری پناہ میں ہوگا، اس ہَول[3] کے دن میں کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ میں آجائے، اس سے بڑھ کر کیا دولت ہو سکتی ہے؟

⑧ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: مَنْ حَجَّ إِلٰى مَكَّةَ ثُمَّ قَصَدَنِيْ فِيْ مَسْجِدِيْ	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا کہ جو شخص حج کے لیے مکہ جائے پھر میرا قصد[4] کرکے

حل لغات: ① بے وفائی۔ ② آسانی سے حاصل۔ ③ خوف، گھبراہٹ۔ ④ ارادہ۔

كُتِبَ لَهُ حَجَّتَانِ مَبْرُوْرَتَانِ۔	میری مسجد میں آئے، اس کے لیے دو حج مقبول لکھے جاتے ہیں۔
[أخرجه الديلمي كذا في الاتحاف]	
⑨ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ إِلَّا رَدَّ اللهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ حَتّٰى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ۔	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص بھی میری قبر کے پاس آ کر مجھ پر سلام کرے تو اللہ جَلَّ شَانُہٗ میری روح مجھ تک پہونچا دیتے ہیں، میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

[رواه أحمد في رواية عبدالله كذا في المغني للموفق. وأخرجه أبوداؤد بدون لفظ: عِنْدَ قَبْرِيْ. لكن رواه في باب زيارة القبور بعد أبواب المدينة من كتاب الحج۔]

فائدہ: ابن حجر شرحِ مناسک میں لکھتے ہیں کہ ''میری روح مجھ تک پہونچاتے'' کا مطلب یہ ہے کہ بولنے کی قوت عطا فرما دیتے ہیں۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی روح مبارک اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی حضوری میں مستغرق[1] رہتی ہے تو اس حالت سے سلام کا جواب دینے کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ [بذل]

اکثر علماء نے منجملہ[2] اُن کے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے بھی علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا کہ یہ مطلب نہیں کہ اس وقت روح واپس آتی ہے بلکہ وہ تو وصال کے بعد ایک مرتبہ واپس آ چکی، تو مطلب یہ ہے کہ میں (چونکہ روح میری واپس آ چکی) اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

⑩ وَقَالَ ابْنُ أَبِيْ فُدَيْكٍ: سَمِعْتُ بَعْضَ مَنْ أَدْرَكْتُ يَقُوْلُ: بَلَغَنَا أَنَّهُ مَنْ وَقَفَ عِنْدَ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ: إِنَّ اللهَ وَمَلٰئِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ثُمَّ يَقُوْلُ: صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ ۔ مَنْ يَّقُوْلُهَا سَبْعِيْنَ مَرَّةً. نَادَاهُ مَلَكٌ: صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ يَا فُلَانُ، وَلَمْ تَسْقُطْ لَهُ حَاجَةٌ۔	یہ نقل کیا گیا کہ جو شخص حضور اقدس ﷺ کی قبر مبارک کے پاس کھڑے ہو کر یہ آیت پڑھے: ﴿إِنَّ اللهَ وَمَلٰئِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ﴾ اس کے بعد ستّر مرتبہ صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ کہے، تو ایک فرشتہ کہتا ہے کہ اے شخص! اللہ جَلَّ شَانُہٗ تجھ پر رحمت نازل کرتا ہے اور اس کی ہر حاجت پوری کر دی جاتی ہے۔

[كذا في الشفاء. قال القاري في شرحه: رواه البيهقي وابن أبي فديك وثقه جماعة، واحتج به أصحاب الكتب الستة ومعنى قوله: بلغنا. أي في الحديث۔]

حل لغات: ① ڈوبی ہوئی۔ ② ان میں سے۔

فائدہ: ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ يَامُحَمَّدُ کی جگہ یَارَسُوْلَ اللهِ کہے تو زیادہ بہتر ہے۔ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ زین الدین مراغی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے بھی یہی نقل کیا کہ ''یارسول اللہ'' کہنا اولیٰ[1] ہے۔ علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ شرح مواہب میں لکھتے ہیں کہ یہ اس وجہ سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر پکارنے کی ممانعت[2] ہے، لیکن اگر یہی لفظ روایت میں منقول[3] ہے تو منقول کی رعایت کی وجہ سے ممانعت نہ رہے گی۔ اس ناپاک و ناکارہ کے خیال میں روضۂ اقدس پر مزوروں[4] کے رٹے ہوئے الفاظ بغیر سمجھے طوطے کی طرح پڑھنے کے بجائے نہایت خضوع[5] خشوع، سکون و وقار[6] سے ستر مرتبہ اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ ہر حاضری کے وقت پڑھ لیا کرے تو شاید زیادہ بہتر ہو۔

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ شرح مواہب میں لکھتے ہیں کہ ستر مرتبہ کی خصوصیت اس لیے ہے کہ اس عدد کو اجابت[7] میں دخل ہے۔ قرآن پاک میں بھی منافقین کے بارہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوا ہے ﴿ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللهُ لَهُمْ ﴾ ''اگر تم ان منافقوں کے لیے ستر مرتبہ استغفار کرو تب بھی اُن کی مغفرت نہ ہوگی۔''

⑪ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ سَمِعْتُهٗ، وَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ نَائِيًا كُفِيَ أَمْرُ دُنْيَاهُ وَاٰخِرَتِهٖ، وَكُنْتُ لَهٗ شَهِيْدًا وَشَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس کھڑا ہو کر مجھ پر درود پڑھتا ہے، میں اس کو خود سنتا ہوں اور جو کسی اور جگہ درود پڑھتا ہے تو اس کی دنیا اور آخرت کی ضرورتیں پوری کی جاتی ہیں اور میں قیامت کے دن اس کا گواہ اور اس کا سفارشی ہوں گا۔

[رواه البيهقي في الشعب والخطيب وابن عساكر كذا في الدر. وبسط طرقه السبكي في شفاء الأسقام وفي المواهب وشرحه عزاه إلى ابن أبي شيبة وعبد الرزاق۔]

فائدہ: دوسری متعدد احادیث میں آیا ہے کہ جو دور سے کوئی شخص درود شریف پڑھتا ہے، تو اللہ جل شانہٗ نے فرشتے مقرر فرما رکھے ہیں، جو اس کا سلام مجھ تک پہونچاتے ہیں۔ اس حدیث شریف میں قبر شریف پر کھڑے ہو کر درود شریف پڑھنے کی کس قدر فضیلت ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو خود بہ نفس نفیس[8] سنتے ہیں اور کس قدر خوش نصیب ہیں وہ مبارک حضرات جو اس پاک شہر میں رہنے والے ہیں اور ہر

حل لغات: ① بہتر، اچھا۔ ② منع۔ ③ نقل کیا گیا۔ ④ زیارت کرنے والے۔ ⑤ دھیان اور خوف سے۔ ⑥ سنجیدگی، متانت۔ ⑦ دعا کا قبول ہونا۔ ⑧ خود اپنی ذات سے۔

وقت بلا واسطہ درود شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سناتے رہتے ہیں۔

سلیمان بن سُحَیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی، میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: یا رسول اللہ! یہ جو لوگ حاضرِ خدمت ہو کر سلام کرتے ہیں، آپ کو ان کا علم ہوتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں ہوتا ہے اور میں ان کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

[اخرجہ سعید بن منصور کذا فی الاتحاف]

⑫ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَاتُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلٰى ثَلٰثَةِ مَسَاجِدَ: مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصٰى وَمَسْجِدِيْ هٰذَا۔	حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ نہ سفر کیا جائے مگر تین مسجدوں کی طرف، ایک مسجدِ حرام، دوسرے مسجدِ بیت المقدس، تیسرے میری یہ مسجد۔

[متفق عليه كذا في المشكوٰة۔ وعند أحمد وأبي يعلى وابن خزيمة والطبراني والضياء من حديث أبي سعيد بلفظ: لا تشد رحال المطي إلى مسجد يذكر الله فيه إلا إلى ثلاثة مساجد. كذا في الاتحاف۔]

فائدہ: چونکہ اس حدیث شریف میں تین مساجد کے علاوہ کسی اور جگہ کے سفر کی مُمانعت کی گئی، اس لیے بعض علماء نے اس سے دلیل پکڑ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار پاک کے ارادہ سے سفر کی ممانعت فرمائی ہے۔ وہ حضرات فرماتے ہیں کہ اس نیت سے سفر نہ کرے بلکہ مسجد نبوی کی زیارت کی نیت سے سفر کرے، البتہ وہاں پہونچنے کے بعد مزار پاک کی زیارت میں کوئی مُضائقہ[1] نہیں، لیکن جُمہور[2] علماء کے نزدیک اس حدیث شریف کا یہ مطلب ہرگز نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کے ارادہ سے سفر نہ کرے، اس لیے کہ یہ تین مساجد تو بہت اہمیت رکھتی ہیں جیسا کہ چھٹی فصل کی حدیث نمبر چھ میں گذر چکا ہے، اس کے علاوہ اور مساجد میں کوئی خاص خصوصیت نہیں۔

جُمہور کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس مضمون کی بعض روایات میں خود تصریح[3] موجود ہے چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ''کسی مسجد کی طرف سفر نہ کیا جائے بجز[4] ان تین مساجد کے''، یہ صاف اور واضح ہے کہ خاص خاص شہروں کی مساجد کی نیت کر کے سفر نہ کیا جائے، جیسا کہ ہمارے زمانہ میں دستور[5] ہے کہ دہلی کی جامع مسجد میں آخری جمعہ پڑھنے کی نیت سے بمبئی، کلکتہ تک سے لوگ آتے ہیں، یہ محض[6] فضول اور لغو[7] ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے اس حدیث کی وجہ سے علماء اور صلحاء[8]

حل لغات: ① حرج۔ ② بڑی جماعت۔ ③ بیان، وضاحت۔ ④ سوائے، علاوہ۔ ⑤ رواج۔ ⑥ صرف۔ ⑦ بیکار۔ ⑧ صالح کی جمع نیک۔

کی قبروں کی زیارت کے سفر کو ناجائز بتایا، حالاں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں نے قبروں کی زیارت کو منع کر دیا تھا، اب (اجازت دیتا ہوں) زیارت کیا کرو۔ اور حدیث مذکورہ بالا مساجد کے بارہ میں وارد ہوئی ہے کہ ان تین مسجدوں کے علاوہ اور سب مساجد برابر ہیں، ان میں کوئی ایسی ترجیح[1] نہیں جس کی وجہ سے سفر کیا جائے، اور مزارات کی برکات اور چیز ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کیا انبیاء کی قبروں کی زیارت کو بھی منع کر دیا جائے گا؟ اور جب اس کو منع نہیں کیا جا سکتا تو اولیاء کی قبریں بھی ایسی ہی ہیں۔ فقط

بندہ ضعیف کہتا ہے کہ اولیاء کی قبروں کے لیے سفر کرنا تو مختلف فیہ[2] ہے کہ جائز ہے یا نہیں، لیکن اس میں شک نہیں کہ ان مساجد کے علاوہ بہت سے سفر بالاتفاق جائز بلکہ بعض واجب ہیں جیسا کہ حج کی نیت سے سفر، جہاد کے لیے سفر، طلب علم کے لیے سفر، ہجرت کا سفر، تجارت کے لیے سفر، اس لیے یہ تو بہر حال کہنا ہوگا کہ اس حدیث پاک سے مطلقاً سفر کی ان تین مساجد کے علاوہ مُمانعت مقصود نہیں ہے۔

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مواہب لدنیہ میں یہ قصہ نقل کیا ہے کہ شیخ ولی الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میرے والد زین الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ عبد الرحمن بن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ دونوں حضرات حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی قبر کی زیارت کو ساتھ چلے، جب شہر کے قریب پہونچے تو ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ کو خیال آیا، کہنے لگے کہ میں نے حضرت خلیل اللہ کی مسجد میں نماز پڑھنے کی نیت کر لی تا کہ قبر کی زیارت کی نیت نہ رہے۔ زین عراقی رحمۃ اللہ علیہ کہنے لگے کہ تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے خلاف کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین مساجد کے علاوہ سفر نہ کیا جائے اور تم نے ان تین کے علاوہ چوتھی کی نیت کر لی اور میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور ارشاد ہے کہ قبور[3] کی زیارت کیا کرو، اور کسی حدیث میں یہ نہیں آیا کہ انبیاء علیہم السلام کے قبور کے علاوہ، لہٰذا میں نے ارشاد کے موافق کیا۔ [زرقانی]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین حضرات سے قبر اطہر کی زیارت کے لیے سفر ثابت ہے۔

(۱) علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا سفر شام سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت کے لیے عمدہ سندوں سے ثابت ہے، جو متعدد روایات میں مذکور ہے، مِن جملہ[4] ان کے یہ ہے کہ بیت المقدس کی فتح کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ مجھے یہاں قیام کی اجازت دے دی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منظور فرما لیا اور انھوں نے وہاں قیام فرمایا، وہیں نکاح کر لیا۔ اس کے بعد ایک دن خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور فرمایا ''بلال! یہ کیا جفا[5] ہے؟ کیا میری زیارت کرنے کا وقت نہیں آیا؟'' یہ خواب دیکھتے ہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ

حل لغات: (۱) فضیلت خصوصیت۔ (۲) جس میں اختلاف ہو۔ (۳) قبر کی جمع۔ (۴) ان میں سے۔ (۵) بے وفائی۔

کی آنکھ کھلی تو نہایت غمگین، خوف زدہ، پریشان تھے۔ فوراً اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور روتے ہوئے مزار پاک پر حاضر ہوئے۔ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما خبر سن کر تشریف لائے اور بلال رضی اللہ عنہ سے اذان کہنے کی فرمائش کی، یہ ان سے مل کر لپٹ گئے اور صاحبزادوں کی تعمیل① ارشاد میں اذان کہی، آواز سن کر گھروں سے مرد عورتیں بے قرار روتی ہوئی نکل آئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی یاد نے سب ہی کو تڑپا دیا۔ یہاں استدلال② اس خواب سے نہیں ہے، بلکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے سفر سے ہے۔

② متعدد روایات میں ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ مستقل طور پر شام سے اونٹ سوار قاصد بھیجا کرتے تھے تاکہ قبر اطہر پر ان کا سلام پہونچائیں۔ [شفاء الاسقام]

③ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب بیت المقدس تشریف لے گئے، تو کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ جو یہود کے بہت بڑے عالم تھے؛ مسلمان ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے اسلام لانے کی بڑی خوشی ہوئی اور ان سے فرمائش کی کہ میرے ساتھ مدینہ چلیں، تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضری ہو، انھوں نے قبول کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد کی تعمیل کی۔

④ محمد بن عبید اللہ بن عمرو العتبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا تو قبر اطہر پر زیارت کے لیے حاضر ہوا اور حاضری کے بعد وہیں ایک جانب کو بیٹھ گیا، اتنے میں ایک شخص اونٹ پر سوار بدوانہ③ صورت حاضر ہوئے اور آکر عرض کیا کہ یا خَیْرَ الرُّسُل (اے رسولوں کی بہترین ذات) اللہ جلّ شانُہٗ نے آپ پر قرآن شریف میں نازل فرمایا: ﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ ﴾ [سورہ نساء: ۶۴]

اور اگر یہ لوگ جب انھوں نے اپنے نفس پر ظلم کر لیا تھا، آپ کے پاس آجاتے اور آکر اللہ تعالیٰ شانُہٗ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے لیے معافی مانگتے تو ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا پاتے۔" اے اللہ کے رسول! میں آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں اور اللہ جلّ شانُہٗ سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتا ہوں اور اس میں آپ کی شفاعت کا طالب ہوں، اس کے بعد وہ بدّو④ رونے لگے اور یہ شعر پڑھے:

يَاخَيْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ أَعْظُمُهٗ　　فَطَابَ مِنْ طِيْبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْأَكَمُ

ترجمہ: "اے بہترین ذات ان سب لوگوں میں جن کی ہڈیاں ہموار⑤ زمین میں دفن کی گئیں، کہ ان کی وجہ سے زمین اور ٹیلوں میں بھی عمدگی پھیل گئی"۔

حل لغات: ① حکم ماننا۔ ② دلیل بنانا۔ ③ دیہاتیوں جیسی۔ ④ دیہاتی۔ ⑤ برابر جس میں اونچ نیچ نہ ہو۔

نَفْسِي الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ أَنْتَ سَاكِنُهٗ ۔۔۔ فِيْهِ الْعَفَافُ وَفِيْهِ الْجُوْدُ وَالْكَرَمُ

ترجمہ: ''میری جان قربان اس قبر پر جس میں آپ مقیم[1] ہیں کہ اس میں عفت[2] ہے، اس میں جود[3] ہے، اس میں کرم[4] ہے۔'' اس کے بعد انھوں نے استغفار کی اور چلے گئے۔ عتبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میری ذرا آنکھ لگ گئی، تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جاؤ، اس بدّو سے کہہ دو کہ میری سفارش سے اللہ جَلّ شانُہٗ نے اس کی مغفرت فرما دی۔

[ذكره ابن عساكر في تاريخه. وابن الجوزي في مثير العزم. وغيرهما بأسانيدهم. كذا في شفاء الأسقام والمواهب. وذكره الموفق مختصراً]

اکثر حضرات نے یہی دو شعر نقل کیے ہیں مگر امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مناسک میں اس کے بعد دو شعر اور نقل کیے ہیں۔

أَنْتَ الشَّفِيْعُ الَّذِيْ تُرْجٰى شَفَاعَتُهٗ ۔۔۔ عَلَى الصِّرَاطِ إِذَا مَا زَلَّتِ الْقَدَمُ

ترجمہ: آپ ایسے سفارشی ہیں جن کی سفارش کے ہم امیدوار ہیں، جس وقت کہ پل صراط پر لوگوں کے قدم پھسل رہے ہوں گے۔

وَصَاحِبَاكَ لَا أَنْسَاهُمَا أَبَدًا ۔۔۔ مِنِّي السَّلَامُ عَلَيْكُمْ مَا جَرَى الْقَلَمُ

ترجمہ: اور آپ کے دو ساتھیوں کو تو میں کبھی بھی نہیں بھول سکتا، میری طرف سے تم سب پر سلام ہوتا رہے، جب تک کہ دنیا میں لکھنے کے لیے قلم چلتا رہے، یعنی قیامت تک۔

حل لغات: (۱) رہنے والے۔ (۲) پاکدامنی۔ (۳) بخشش، سخاوت۔ (۴) احسان۔

نویں فصل: آدابِ زیارت میں

حج کے متعلق جتنے رسائل[1] عربی، فارسی یا اردو میں لکھے گئے ہیں، سب میں روضۂ اطہر پر حاضری اور زیارت کے آداب وفضائل تفصیل سے لکھے گئے ہیں۔ علماء نے اس سے مستقل استدلال[2] اس کی فضیلت اور اِستحباب پر کیا ہے کہ جو شخص بھی احکام حج لکھتا ہے، وہ اس کے ساتھ ہی ساتھ آدابِ زیارت بھی لکھتا ہے۔

اسحٰق بن ابراہیم فقیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہمیشہ سے حُجّاج کا یہ معمول مُتعارَف[3] ہے کہ جو شخص حج کرتا ہے، وہ مدینہ منورہ حاضر ہوتا ہے، تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں نماز پڑھے اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کی زیارت سے تبرّک حاصل کرے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور قبر شریف اور بیٹھنے کی جگہ اور جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دستِ مبارک لگا ہے یا قدم شریف گذرا ہے، وغیرہ وغیرہ اُمور سے برکت حاصل کرے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح شفاء میں لکھتے ہیں: لیکن ان سب میں اصلی نیت حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہی کی ہونا چاہیے، باقی مَشاہِد[4] کی زیارت تَبَعاً[5] ہونا چاہیے۔

اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے ہر سال لاکھوں کی تعداد میں حج کے لیے مخلوق جاتی ہے اور بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جو اَعذار[6] کی وجہ سے مدینہ طیبہ حاضر نہ ہوتے ہوں۔ اگر ان حضرات کی یہ حاضری روضۂ اطہر کی زیارت کے لیے نہیں ہے، بلکہ مسجد نبوی کی زیارت کے لیے جانا ہے، تو ان میں سے دسواں بیسواں حصہ مسجدِ اقصیٰ کی زیارت کے لیے بھی تو جایا کرے، تاکہ وہ بھی تین مساجد میں سے ایک ہے، اس لیے جن علماء نے اس کو اجماعی[7] مسئلہ لکھا ہے، وہ بے محل[8] نہیں ہے۔ آٹھویں فصل کے شروع میں چاروں ائمہ کی فقہ کی کتابوں کی عبارتیں نقل کی گئیں ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب حضرات اس کے استحباب[9] پر متفق ہیں، بلکہ فقہ حنبلی کی کتاب ''دلیلُ الطّالِب'' میں قبر شریف کی زیارت کو تو سنت لکھا ہے اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز کو مستحب لکھا ہے۔ جن حضرات نے حج میں رسائل لکھے ہیں، ان میں زیارت کے آداب اور زیارت کے وقت سلام وغیرہ کے الفاظ بھی تحریر فرمائے ہیں۔ مختصر طور پر چند آداب اس رسالہ میں بھی لکھے جاتے ہیں، ورنہ اصل تو یہ ہے کہ ع

''محبت تجھ کو آدابِ محبت خود سکھا دے گی''۔

آدابِ حج میں جو مضامین گذر چکے ہیں وہ بھی خاص طور سے ملحوظ[10] رکھے جائیں۔

حل لغات: (۱) چھوٹی کتابیں۔ (۲) دلیل لینا۔ (۳) جانا پہچانا۔ (۴) بابرکت جگہیں۔ (۵) ضمنی طور پر۔ (۶) بیماریاں، تکلیفیں۔ (۷) جس پر سب کا اتفاق ہے۔ (۸) نامناسب۔ (۹) مستحب ہونا۔ (۱۰) خیال رکھنا۔

(۱) اس میں اختلاف ہے کہ حج کو مقدّم کرے یا زیارت کو، اس کے متعلق اس سے پہلی فصل کی حدیث نمبر تین[۳] میں بیان گذر چکا ہے۔

(۲) جب زیارت کا ارادہ کرے تو سب سے اوّل چیز یہ ہے کہ اس سفر میں سفر کی نیت کیا ہونا چاہیے؟ بہت سے حضرات نے اُس حدیث کی بناء پر جو اس سے پہلی فصل کے نمبر بارہ[۱۲] پر گذری ہے، یہ تحریر فرمایا ہے کہ روضۂ اطہر کی زیارت کے ساتھ ساتھ مسجد نبوی کی بھی زیارت کی نیت کر لے، تا کہ[۱] اشکال ہی باقی نہ رہے، لیکن شیخ ابن ہُمام رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ اس عبدِ ضعیف کے نزدیک نیت کو خالص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کے لیے خاص کرنا چاہیے کہ اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اکرام[۲] کی زیادتی بھی ہے اور اس حدیث شریف پر عمل بھی ہے، جس میں ''لَا تُعْمِلُهُ حَاجَةٌ إِلاَّ زِيَارَتِيْ'' وارد[۳] ہوا ہے کہ ''میری زیارت کے علاوہ کوئی اور کام اس کو نہ ہو''، پھر اگر کبھی مُقدّر نے یاوَری[۴] کی، تو دوسری مرتبہ میں قبر شریف کے ساتھ مسجد کی زیارت کی بھی نیت کر لے۔ اس حدیث کا شیخ نے ذکر فرمایا ہے، اس کے ہم معنی دوسری حدیث آٹھویں فصل کے نمبر دو[۲] پر گذر چکی۔ قُطبِ عالم حضرت گنگوہی نَوَّرَ اللہُ مَرقَدَہٗ نے بھی اسی کو ترجیح[۵] دی ہے، چنانچہ زُبدۃُ المناسک میں تحریر فرمایا ہے کہ غرض جب عزم[۶] مدینہ کا ہو، تو بہتر یوں ہے کہ نیت زیارت قبر مُطہّر کی کر کے جاوے، تا[۷] مصداق[۸] اس حدیث کا ہو جاوے کہ ''جو کوئی محض میری زیارت کو آوے شفاعت اس کی مجھ پر حق ہوگئی''۔ یہ وہی حدیث ہے جو پہلی فصل کی نمبر دو[۲] پر گذر چکی۔

(۳) جب زیارت کی نیت سے سفر کرے، خواہ قبر اطہر کی زیارت کی نیت ہو یا مسجد کی زیارت کی، تو اپنی نیت کو خالص اللہ کی رضا کے واسطے خاص کرے، اس میں کوئی شائبہ[۹] ریا کا، تفاخُر[۱۰] کا، شہرت کا، سیر و سیاحت کا یا کسی اور دنیوی غرض کا ہرگز نہ ہونا چاہیے، کہ اس صورت میں نیکی برباد گناہ لازم ہے، اگر محض اس وجہ سے سفر کیا کہ لوگ طعن دیں گے کہ بخل کی وجہ سے مدینہ کا سفر بھی نہ کیا، تو اپنی جان کو بے فائدہ مشقّت[۱۱] میں ڈالا اور پیسے ضائع[۱۲] کیے، جیسا کہ پہلی فصل کی حدیث نمبر ایک[۱] اور آدابِ حج میں یہ مضمون گذر چکا ہے۔

(۴) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح لُباب میں لکھا ہے کہ نیت کے خالص ہونے کی علامت یہ ہے کہ فرائض اور سُنن نہ چھوٹنے پاویں، ورنہ زیارت سے مشقت اور مالی نقصان کے سوا کچھ بھی حاصل نہ ہوا، بلکہ توبہ اور کفّارہ[۱۳] ذمہ ہوگیا۔ بندۂ ناکارہ کے خیال میں سُنَن کا اس سفر میں خاص اہتمام رکھے، اگرچہ سفر

حل لغات: (۱) اعتراض۔ (۲) احترام، عزت۔ (۳) آیا ہے۔ (۴) ساتھ دینا۔ (۵) پسند کرنا۔ (۶) ارادہ کرنا۔ (۷) تا کہ۔ (۸) کسی موافق ہونا، مطابق ہونا۔ (۹) شک وشبہ۔ (۱۰) آپس میں فخر کرنا۔ (۱۱) مشکل۔ (۱۲) برباد۔ (۱۳) غلطی کی بھرپائی۔

کی وجہ سے سنتوں میں خفت[1] آجاتی ہے اور سفر میں سنتوں کا وہ حکم نہیں رہتا جو حضر[2] میں ہے؛ لیکن مدینہ پاک کی حاضری میں حتی الوسع[3] زیادہ اہتمام مناسب ہے، بلکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات، عاداتِ شریفہ کی تحقیق کر کے ان کے اتباع کی سعی[4] کرے، تو اس سفر کی شان کے زیادہ مناسب ہے۔

⑤ اس سفر میں درود شریف کی خصوصیت سے کثرت رکھے اور نہایت توجہ سے پڑھے، تمام علماء نے اس کی بہت تاکید لکھی ہے کہ اس سفر میں درود شریف کی نہایت کثرت کرے، جتنی کثرت ہوگی اتنا ہی مفید ہوگا، بلکہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے تو شرحِ لُباب میں یہاں تک لکھا ہے کہ فرائض اور ضروریاتِ مَعاش سے جتنا وقت بچے، وہ سب کا سب درود شریف کے پڑھنے میں خرچ کرے، اس لیے کہ جتنی بھی مقصد میں توجہ تام[5] ہوگی اتنا ہی ثواب زیادہ ہوگا۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ شرحِ مناسکِ نَوَوِی میں لکھتے ہیں کہ اس راستہ میں درود شریف کی کثرت افضل ہے، تو کیا تلاوت سے بھی افضل ہوگی یا تلاوت اس سے افضل ہوگی؟ یا دونوں برابر؟ تین صورتیں ہوگئیں اور اسی طرح سے ہر وہ جگہ جہاں درود شریف کی کثرت مطلوب ہے، جیسا کہ شبِ[6] جمعہ وغیرہ۔ اور ظاہر یہ ہے کہ اس جگہ درود شریف کی کثرت تلاوت کی کثرت سے بھی افضل ہے۔ اس لیے کہ یہ اس وقت ایک وقتی وظیفہ[7] ہے اور علما نے اس کی تصریح[8] کی ہے کہ تلاوت مطلقاً افضل ہے، لیکن جن خصوصی مواقع[9] کے لیے خاص خاص ذکر وارد[10] ہوئے ہیں، وہاں وہی ذکر افضل ہوں گے۔ علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ حصنِ حصین میں لکھتے ہیں: أَفْضَلُ الذِّكْرِ الْقُرْاٰنُ إِلَّا فِيْمَا شُرِعَ بِغَيْرِهٖ۔ یعنی سب سے افضل ذکر قرآن پاک کی تلاوت ہے، مگر جو جگہ کسی دوسرے ذکر سے مشروع[11] ہو وہاں وہ افضل ہوگا۔ مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں: مثلاً رکوع سجدہ تسبیح کے ساتھ مشروع ہے، حتی کہ اس میں اگر تلاوت کی جائے تو مکروہ ہوگی۔

⑥ ذوق شوق پیدا کرے اور جتنا قریب ہوتا جائے شوق واشتیاق[12] میں زیادتی پیدا کرے

وعدۂ وصل چوں شُوَد نزدیک   آتشِ شوق تیز تَر گردَد

جب وصل کا وعدہ قریب آتا ہے تو شوق کی آگ اور زیادہ بھڑک جایا کرتی ہے، کبھی کبھی اس ذوق کو پیدا کرنے کے واسطے نعتیہ[13] اشعار بھی پڑھ لیا کرے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی کوئی کتاب ساتھ ہو یا مل جائے، تو اس کو پڑھ لیا کرے، یا سن لیا کرے، آپس کی مجلسوں میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے حالات کا تذکرہ رہا کرے اور جو دن مدینہ پاک کے قُرب[14] کا آتا جائے اس میں خوشی اور اشتیاق بڑھتا جائے۔

حل لغات: ① ہلکا پن۔ ② سفر کی ضد، اپنے مقام پر رہنا۔ ③ جہاں تک ہو سکے۔ ④ کوشش۔ ⑤ پوری، مکمل۔ ⑥ جمعہ کی رات۔ ⑦ ذکر۔ ⑧ بیان۔ ⑨ جگہوں، مقامات۔ ⑩ آیا ہے۔ ⑪ جائز کیا ہوا۔ ⑫ شوق۔ ⑬ نعت کے شعر۔ ⑭ نزدیکی۔

⑦ راستہ میں جو مسجدیں یا مواقع ایسے آئیں، جن میں حضور اقدس ﷺ یا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا قیام یا نماز پڑھنا معلوم ہو، ان کی زیارت کرتا جائے اور وہاں نوافل پڑھے یا ذکر وتلاوت وغیرہ کرے، اسی طرح جو کنویں راستہ میں ایسے آئیں، ان کا پانی برکت کے حصول کی نیت سے پیے، ان میں سے بعض کا بیان دسویں فصل میں آئے گا اور ان کے علاوہ دوسرے رسائل[1] سے تلاش کرے۔ مُعَلِّمُ الحُجَّاج اور زیارت الحرمین جن کا شروع میں ذکر آچکا ہے، ان میں بھی بہت سے مواقع ذکر کیے گئے ہیں، ان کو غور سے پڑھے اور مواقع کی تحقیق کرے، ان سب میں ''مُعَرَّس'' جو ذوالحلیفہ کے قریب ہے، وہاں نماز پڑھنا زیادہ اہم ہے، کہ شافعیہ اس کو سنتِ مؤکدہ کہتے ہیں اور بعض علماء سے اس کا واجب ہونا نقل کیا گیا۔
[شرح مناسک نووی]

⑧ جب مدینہ طیبہ قریب آجائے تو بہت زیادہ ذوق وشوق میں غرق[2] ہوجائے، کثرت سے درود شریف بار بار پڑھے، اگر سواری پر ہو تو اس کو تیز چلانے کی کوشش کرے۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ جب سفر سے واپس تشریف لاتے اور مدینہ طیبہ قریب ہوتا تو اپنی سواری کو تیز چلاتے۔

وَأَبْرَحُ مَا يَكُوْنُ الشَّوْقُ يَوْمًا　　　إِذَا دَنَتِ الْخِيَامُ إِلَى الْخِيَامِ

ترجمہ: سب سے بڑھا ہوا شوق اس دن ہوتا ہے جب عُشّاق کے خیمے معشوق کے خیمہ کے قریب ہوجائیں۔

⑨ جب مدینہ طیبہ کی دیواروں پر نظر پڑجائے اور اس کے مُعطّر[3] باغ نظر آنے لگیں، جو بیر علی[4] رضی اللہ عنہ کے بعد سے نظر آنے لگتے ہیں، تو بہتر یہ ہے کہ سواری سے نیچے اتر جائے اور روتا ہوا ننگے پاؤں چلے۔

وَلَمَّا رَأَيْنَا رَسْمَ مَنْ لَّمْ يَدَعْ لَنَا　　　فُؤَادًا لِعِرْفَانِ الرُّسُوْمِ وَلَا لُبًّا

نَزَلْنَا عَنِ الْأَكْوَارِ نَمْشِيْ كَرَامَةً　　　لِمَنْ بَانَ عَنْهُ أَنْ نُلِمَّ بِهٖ رَكْبًا

ترجمہ: جب ہم نے اس محبوب کے شہر کے نشانات دیکھے، جس نے نشانات کے پہچاننے کے واسطے نہ ہمارے پاس دل چھوڑا، نہ عقل چھوڑی، تو ہم اپنی سواریوں سے اتر گئے اور اس کے اکرام میں پیدل چلنے لگے، اس لیے کہ اس کی شان سے یہ بہت بعید[5] بات تھی کہ اس کے پاس سوار ہوکر جائیں۔

پہلے اُمراء[6]، وزراء[7] کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ذوالحلیفہ سے جو تقریباً چھ میل ہے، پیدل چلنے لگتے تھے اور حق یہ ہے کہ اس جگہ پاؤں کے بجائے سر کے بل بھی چلے تو اس جگہ کے حق کا کوئی حصہ بھی ادا نہیں ہوسکتا۔

حل لغات: ① چھوٹی کتابیں۔ ② ڈوبنا۔ ③ خوشبودار۔ ④ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کنواں۔ ⑤ دور۔ ⑥ امیر کی جمع۔ ⑦ وزیر کی جمع۔

لَوْجِئْتُكُمْ قَاصِدًا أَسْعٰى عَلٰى بَصَرِيْ ۔۔۔ لَمْ أَقْضِ حَقًّا وَأَيُّ الْحَقِّ أَدَّيْتُ

ترجمہ: اگر میں تمہاری خدمت میں پاؤں کے بجائے آنکھوں سے چل کر آتا، تب بھی میں حق ادا نہ کرسکتا تھا اور میں نے آقا تمہارا اور ہی کون سا حق ادا کیا جو یہی ادا کرتا۔

وَلَمَّا رَأَيْنَا مِنْ رُّبُوْعِ حَبِيْبِنَا ۔۔۔ بِطَيْبَةَ أَعْلَامًا أَثَرْنَ لَنَا الْحُبَّا

وَبِالتُّرْبِ مِنْهَا إِذْ كَحَلْنَا جُفُوْنَنَا ۔۔۔ شُفِيْنَا فَلَا بَأْسًا نَخَافُ وَلَا كَرْبًا

ترجمہ: جب مدینہ پاک میں محبوب کی منزل کے آثار[1] نظر آنے لگے، تو انہوں نے محبت کو بھڑکا دیا اور جب وہاں کی مٹی کو آنکھوں کا سرمہ بنایا، تو ساری بیماریوں سے شفا ہوگئی کہ اب نہ کسی قسم کا مرض ہے نہ تکلیف۔

(۱۰) جب فصیل[۲] مدینہ آجائے تو درود شریف کے بعد یہ دعا پڑھے: اَللّٰهُمَّ هٰذَا حَرَمُ نَبِيِّكَ فَاجْعَلْهُ لِيْ وِقَايَةً مِّنَ النَّارِ وَ أَمَانًا مِّنَ الْعَذَابِ وَسُوْءِ الْحِسَابِ "اے اللہ! یہ تیرے نبی کا حرم آگیا، اس کو تو میرے آگ سے بچنے کا ذریعہ بنادے اور عذاب سے بچنے کا ذریعہ بنادے اور حساب کی برائی سے بچنے کا سبب بنادے"۔

اس کے بعد اس پاک شہر کی خیر و برکت حاصل ہونے کی دعا کرے اور اس کے آداب بجالانے[۳] کی توفیق کی دعا کرے اور کسی نامناسب حرکت میں ابتلاء[۴] سے بچنے کی دعا کرے اور خوب دعائیں کرے۔

(۱۱) بہتر یہ ہے کہ شہر میں داخل ہونے سے پہلے غسل کرے اور پہلے میسّر[۵] نہ ہو، تو داخل ہونے کے بعد مسجد میں داخل ہونے سے پہلے کرلے اور غسل نہ ہوسکے تو وضو کم ازکم ضرور کرلے، لیکن اَولٰی[۶] غسل ہی ہے کہ جتنی نظافت[۷] اور طہارت زائد ہوگی، اتنا ہی اَولٰی ہے، اس کے بعد بہترین لباس پہنے اور خوشبو لگائے، جیسا کہ عیدین یا جمعہ کے لیے کرتا ہو، مگر تواضع[۸] اور انکسار ملحوظ[۹] رہے، تفاخر[۱۰] پاس نہ آئے۔

قبیلہ عبدالقیس کا وفد[۱۱] جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دور سے دیکھ کر سب لوگ شوق و اضطراب[۱۲] میں اونٹوں سے کود پڑے اور اونٹ چھوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ[۱۳] میں دوڑ پڑے، لیکن اس وفد کے رئیس[۱۴] مُنذِر بن عائذ رضی اللہ عنہ جن کو اَشجّ عبدالقیس سے تعبیر[۱۵] کرتے ہیں، وہ اونٹوں کے ساتھ جائے قیام[۱۶] پر پہونچے اور اپنا اور سب ساتھیوں کا سامان جمع کیا اور احتیاط سے رکھا،

حل لغات: (۱) نشانات۔ (۲) شہر کی حفاظت کی دیوار۔ (۳) پورا کرتے، ادا کرنے۔ (۴) مبتلا ہونا۔ (۵) مہیا، ملنا۔ (۶) بہتر، اچھا۔ (۷) پاکیزگی، صفائی۔ (۸) خود کو چھوٹا اور کمتر سمجھنا۔ (۹) خیال رکھنا۔ (۱۰) گھمنڈ۔ (۱۱) بادشاہ سے ملاقات کرنے والا گروہ۔ (۱۲) بیقراری۔ (۱۳) دربار۔ (۱۴) سردار۔ (۱۵) جانتے ہیں۔ (۱۶) ٹھہرنے کی جگہ۔

اس کے بعد غسل کیا، نئے کپڑے پہنے اور آہستہ آہستہ وقار[۱] کے ساتھ مسجد نبوی میں حاضر ہوئے، اوّل دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھی اور دعا کی، پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس ادا کو پسند فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ تم میں دو خصلتیں[۲] ایسی ہیں جو اللہ جلّ شانہٗ کو پسند ہیں: ایک حِلم یعنی بردباری[۳]، دوسرے وقار۔ [مظاہر]

(۱۲) بعض علماء نے اس وقت کچھ صدقہ کرنا بھی آداب میں لکھا ہے، یعنی مسجد میں داخل ہونے سے پہلے کچھ صدقہ کر دے۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مسنون یہ ہے کہ کچھ صدقہ کرے، چاہے قلیل[۴] ہی کیوں نہ ہو، اور اس کا اہل مدینہ پر صَرف[۵] کرنا اَولیٰ[۶] اور بہتر ہے، یعنی ان لوگوں پر جو خاص مدینہ کے باشندے ہیں؛ البتہ اگر غیر مدنی زیادہ محتاج ہوں تو وہ مُقدَّم[۷] ہیں، بندہ کے خیال میں اس وقت کی خصوصیت غالباً اس آیت شریفہ کی وجہ سے ہے جو سورۂ مجادلہ میں ہے: ﴿يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۚ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرُ ۚ فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ [سورۂ مجادلہ: ۱۲] ترجمہ: ”اے ایمان والو! جب تم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سرگوشی[۸] کیا کرو تو اس سے پہلے کچھ خیرات دے دیا کرو، یہ تمہارے لیے (ثواب حاصل ہونے کے لیے) بہتر ہے اور (گناہوں سے) پاک ہونے کا ذریعہ ہے، اگر تم میں صدقہ دینے کی قدرت نہ ہو تو اللہ جلّ شانہٗ غفور رحیم ہے۔

یہ حکم ابتداءً[۹] واجب تھا، اس کے بعد کی آیت سے منسوخ[۱۰] ہو گیا، حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس صدقہ والی آیت پر سب سے پہلے میں نے عمل کیا، جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی تو میرے پاس ایک دینار (اشرفی) تھا، اس کو میں نے بھُنا[۱۱] کر درم بنا لیے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرتا تو ایک درم پہلے صدقہ کر دیتا، اس کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

(۱۳) جب شہر میں داخل ہو تو اس وقت کی خصوصی دعائیں پڑھتا ہوا نہایت خشوع خضوع سے داخل ہو، اب تک کی عدم[۱۲] حاضری کا قلق[۱۳] ہو، دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب نہ ہونے کا رنج ہو، آخرت میں زیارت نصیب ہونے کی آرزو اور تمنا ہو اور اس کا خوف ہو کہ نہ معلوم مقدر ہے یا نہیں اور جیسا کہ کسی بڑے سے بڑے دربار میں حاضری کے وقت رعب وجلال کا اثر ہو، وہی منظر یہاں ہو، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور قدر[۱۴] و منزلت ملحوظ[۱۵] ہو، درود شریف لگاتار زبان پر جاری ہو۔ [لباب]

حل لغات: (۱) سنجیدگی۔ (۲) عادتیں۔ (۳) نرم مزاجی۔ (۴) تھوڑی، کم۔ (۵) خرچ کرنا۔ (۶) بہتر۔ (۷) پہلے۔ (۸) کانا پھوسی۔ (۹) شروع میں۔ (۱۰) ختم۔ (۱۱) بڑی رقم کو چھوٹی رقموں میں کرنا۔ (۱۲) حاضر نہ ہونا۔ (۱۳) افسوس۔ (۱۴) شان و شوکت۔ (۱۵) خیال رکھنا۔

زیارت مدینہ

(۱۴) جب قُبّۂ خضراء[1] پر نظر پڑے تو عظمت و ہیبت اور حضور ﷺ کی عُلوِ شان[2] کا اِستحضار[3] کرے اور یہ سوچے کہ اس پاک قُبّہ میں وہ ذات اقدس ہے جو ساری مخلوقات سے افضل ہے، انبیاء علیہم السلام کی سردار ہے، فرشتوں سے افضل ہے، قبر شریف کی جگہ ساری جگہوں سے افضل ہے، جو حصہ حضور ﷺ کے بدن مبارک سے ملا ہوا ہے وہ کعبہ سے افضل ہے، عرش سے افضل ہے، کرسی سے افضل ہے؛ حتیٰ کہ آسمان وزمین کی ہر جگہ سے افضل ہے۔ [لباب]

(۱۵) شہر میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے مسجدِ نبوی میں حاضر ہو، اگر مستورات کی یا سامان وغیرہ کی مجبوری ہو تو دوسری بات ہے، ورنہ سب علماء نے لکھا ہے کہ شہر میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے مسجد میں حاضر ہونا افضل ہے، حضورِ اقدس ﷺ کا عام معمول بھی احادیث میں یہی آیا ہے کہ جب سفر سے واپس تشریف لاتے، تو اوّل مسجد میں تشریف لے جاتے۔

(۱۶) عورتوں کے لیے مناسب یہ ہے کہ اگر شہر میں دن کو داخل ہونے کی نوبت آوے تو وہ رات تک انتظار کریں اور رات کے وقت مسجد میں حاضر ہوں؛ اس لیے کہ ان کے لیے ہر وہ چیز مقدم ہے، جو پردہ میں مُعین[4] ہو۔

(۱۷) مسجد میں داخلہ کے وقت اس جگہ کے آداب کی رعایت رکھے کہ دایاں پاؤں پہلے مسجد میں رکھے پھر بایاں پاؤں رکھے اور مسجد میں داخل ہونے کی دعائیں پڑھے اور اعتکاف کی نیت کرے، اگر ہر مسجد میں ہمیشہ داخل ہوتے ہوئے اعتکاف کی نیت کرلیا کرے، تو مفت کا ثواب ہے، اس لیے مناسب ہے کہ جب کسی مسجد میں داخل ہو تو اعتکاف کی نیت کرلیا کرے۔

(۱۸) بہتر یہ ہے کہ مسجدِ نبوی میں بابِ جبرئیل[5] سے داخل ہو، اس لیے کہ حضورِ اقدس ﷺ کا معمول اس دروازہ سے داخل ہونے کا تھا، جس کی غالباً وجہ یہ ہے کہ اَزواجِ مُطہّرات کے حُجرے[6] اسی جانب زیادہ تھے۔ [شرح مناسک نووی] لیکن اس دروازہ سے داخل ہونا ضروری نہیں، جس دروازہ سے چاہے داخل ہو جائے۔ [شرح لباب]

(۱۹) مسجد میں داخل ہونے کے بعد خشوع خضوع، عجز[7] وانکسار میں بہت اہتمام کرے، وہاں کی زیب و زینت، فرش[8] فروش[9]، جھاڑ، فانوس[10]، قالین، قُمقُموں[11] میں نہ لگ جائے، نہ اُن چیزوں کی طرف التفات[12] کرے، نہایت ادب اور وقار[13] سے نیچی نظر کیے ہوئے نہایت ہی ادب اور احترام سے جائے، بے ادبی

حل لغات: (۱) ہرا گنبد۔ (۲) شان کی بلندی۔ (۳) یاد۔ (۴) مددگار۔ (۵) دروازہ۔ (۶) کمرے، گھر۔ (۷) تواضع۔ (۸) بچھانے کی چیزیں۔ (۹) شیشے کا برتن جس میں لائٹ یا بتی ہو۔ (۱۰) ایک قسم کی بڑی قندیل یعنی شیشے کا برتن جس میں لائٹ یا بتی ہو۔ (۱۱) بلب۔ (۱۲) متوجہ ہونا۔ (۱۳) سنجیدگی۔

اور لا اُبالی[1] پن کی کوئی حرکت نہ کرے، بڑے اونچے دربار میں پہونچ گیا ہے، ایسا نہ ہو کہ بے ادبی کی کوئی حرکت حرمان[2] وخسران[3] کا سبب بن جائے۔

(۲۰) مسجد میں جانے کے بعد سب سے پہلے رَوضۂ مُقدَّسہ میں جائے، یہ جگہ وہ حصہ ہے جو منبر شریف اور قُبہ شریف کے درمیان میں ہے، اس کو "روضہ" اس لیے کہا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ "میری قبر اور میرے منبر کا درمیانی حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے"۔ روضہ باغ کو کہتے ہیں۔ آئندہ فصل میں یہ حدیث آرہی ہے۔ اگر بابِ جبرئیل سے مسجد میں داخل ہونے کی نوبت آتی ہے تو بہتر یہ ہے کہ حجرہ شریف کے پیچھے سے روضہ میں جائے، تاکہ حجرہ کے سامنے سے گذرنے کی صورت میں بغیر سلام کیے آگے بڑھنا نہ پڑے۔

(۲۱) رَوضۂ مُقدَّسہ میں پہونچ کر اوّل تَحِیَّۃُ المسجد پڑھے، مسجد میں حاضری کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری سے قبل تحیۃ المسجد کا پڑھنا اَولیٰ ہے، اس لیے کہ یہ اللہ کا حق ہے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حق پر مقدم ہے، نمبر گیارہ[11] میں اُشَجّ عبدالقیس رضی اللہ عنہ کے قصہ میں گذر چکا ہے کہ انہوں نے اوّل تَحِیَّۃُ المسجد پڑھی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سفر سے آیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تحیۃ المسجد پڑھ لی؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، فرمایا: جاؤ پہلے تحیۃ المسجد پڑھ کر بعد میں میرے پاس آنا۔ [شرح مناسک نووی]

(۲۲) تحیۃ المسجد کی ان دو رکعتوں میں "قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ" یا اور "قُلْ هُوَ اللّٰهُ" پڑھنا اولیٰ ہے، اس لیے کہ پہلی سورت میں شرک سے نفی اور انکار ہے اور دوسری سورت میں اللہ کی وحدانیت اور ذات وصفات کا اقرار ہے۔

(۲۳) علماء نے لکھا ہے کہ روضہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کھڑے ہونے کی جگہ، برکت کی نیت سے کھڑا ہونا اَولیٰ ہے، اس جگہ کی تعیین[5] زُبدہ میں اس طرح کی ہے کہ منبر داہنے مونڈھے[6] کی سیدھ پر رہے اور وہ ستون[7] جس کے سامنے صندوق[8] ہے سامنے رہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء میں بھی یہی لکھا ہے کہ وہ ستون جس کے پاس صندوق ہے، منہ کے سامنے ہو اور وہ دائرہ جو مسجد کی قبلہ کی دیوار میں ہے سامنے رہے، لیکن ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مناسک میں لکھا ہے کہ اب وہاں صندوق نہیں رہا وہ جل گیا، اب اس کی جگہ ایک محراب بنادی گئی ہے، یہی وہ جگہ ہے جس کو "محراب النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کہتے ہیں، سب اکابر علماء نے اس جگہ قیام کو اَولیٰ بتایا ہے، اس لیے اس بابرکت جگہ کا اہتمام کرنا چاہیے، لیکن

حل لغات: (۱) بے توجہی۔ (۲) محرومی۔ (۳) نقصان۔ (۴) بہتر، اچھا۔ (۵) نشاندہی۔ (۶) کندھے۔ (۷) کھنبا۔ (۸) بڑا بکس۔

اس ناپاک کو مدینہ طیبہ کے ایک سالہ قیام میں ایک مرتبہ بھی یہاں کھڑے ہونے کی جرأت[1] اور ہمت نہ ہوئی، اگر یہ جگہ کسی وجہ سے میسّر نہ ہو سکے، تو پھر سارے روضہ میں کسی جگہ تحیۃ المسجد پڑھے۔

(۲۴) تحیۃ المسجد سے فارغ ہونے کے بعد اللہ جَلَّ شانُہٗ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرے کہ اس نے یہ نعمتِ جلیلہ[2] عطا فرمائی اور اس پاک ذات سے حج و زیارت کی قبولیت کی دعا کرے اور چاہے سجدۂ شکر کرے، چاہے دو رکعت شکرانہ پڑھے، بہت سے علماء نے اس وقت سجدۂ شکر کرنے کو لکھا ہے، یہاں یہ بات قابل یاد رکھنے کے ہے کہ حنفیہ کے نزدیک مشہور قول کے موافق شکرانہ کا محض[3] سجدہ مشروع[4] نہیں، بلکہ جہاں شکر کا سجدہ وارد[5] ہوا ہے، ان کی تحقیق کے موافق وہاں شکرانہ کی نفلیں مراد ہیں، لیکن اس جگہ پر حنفیہ نے سجدۂ شکر کا جواز[6] لکھا ہے جیسا کہ شرح لُباب میں تصریح ہے۔ اور اس کے بالمقابل شافعیہ کی تحقیق کے موافق سجدۂ شکر بغیر نفلوں کے بھی مشروع ہے؛ لیکن اس جگہ وہ سجدۂ شکر کے قائل نہیں، جیسا کہ شرح مناسک نووی میں ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح[7] کی ہے۔

(۲۵) اگر مسجد میں داخل ہونے کے وقت فرض نماز کھڑی ہونے کو ہو تو اس وقت تحیۃ المسجد نہ پڑھے، بلکہ فرض نماز میں شرکت کرے، اسی میں تحیۃ المسجد کی بھی نیت کر لے، تو تحیۃ المسجد کا ثواب بھی مل جائے گا، اسی طرح اگر ایسے وقت میں مسجد میں داخل ہوا، جبکہ نفلیں مکروہ ہیں، جیسا کہ عصر کے بعد تو اس وقت بھی تحیۃ المسجد نہ پڑھے۔

(۲۶) نماز سے فراغت کے بعد قبر شریف کی طرف چلے، اس حال میں کہ دل کو سب کُدُورات[8] اور آلائشوں[9] سے پاک رکھے اور ہمہ تن[10] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کی طرف پوری توجّہ کرے۔ علماء نے لکھا ہے کہ جس قلب میں دنیا کی گندگیاں اور لہو و لعب[11]، شہوتیں[12] اور خواہشیں بھر رہی ہوں، اس دل پر وہاں کی برکات[13] کا کچھ اثر نہیں ہوتا، بلکہ ایسے دل والوں پر جو دنیا پر پڑے رہیں اور آخرت سے اور اس کے فکر سے بے تعلّق ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ اور اعراض[14] کا اندیشہ[15] ہے، اللہ ہی اپنے فضل سے اس سے پناہ دے، لہٰذا ہر شخص کے لیے ضروری ہے جہاں تک ممکن ہو اس وقت اپنے دل کو دنیوی خرافات[16] سے خالی رکھنے کی کوشش کرے اور اللہ کی رحمت کی وسعت، عفو و کرم کے کمال کی اُمید رکھے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمۃ للعالمین پر نظر رکھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے وسیلہ سے اللہ سے معافی کا طالب بن کر حاضر ہو۔ [شرح لباب]

حل لغات: (۱) بہادری، دلیر۔ (۲) بڑی اور عظیم نعمت۔ (۳) صرف۔ (۴) شریعت۔ (۵) آیا۔ (۶) جائز ہونا۔ (۷) بیان کرنا۔ (۸) رنجشوں۔ (۹) میل کچیل۔ (۱۰) بالکل، مکمل طور سے۔ (۱۱) کھیل کود۔ (۱۲) برے جذبات۔ (۱۳) برکت کی جمع۔ (۱۴) منہ پھیرنا۔ (۱۵) ڈر۔ (۱۶) بیکار چیزیں۔

(۲۷) جب کسی قبر پر حاضری ہو تو میّت کے پاؤں کی طرف سے جائے، تا کہ میّت کو اگر حق تعالیٰ شانہٗ آنے والے کا کشف[۱] عطا فرمائے تو دیکھنے میں سہولت رہے، اس لیے کہ جب میّت قبر میں دائیں کروٹ لیٹی ہے تو اس کی نظر قدموں کی طرف ہوتی ہے، اگر کوئی سرہانے کی جانب سے آئے تو میّت کو دیکھنے میں تعب[۲] اور مُشقّت[۳] ہوتی ہے۔ [فتح القدیر] اسی ضابطہ کے موافق اس جگہ بھی بعض علماء نے لکھا ہے کہ قدم مبارک کی جانب سے حاضر ہو، جیسا کہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مناسک میں نقل کیا ہے۔ مواہب میں لکھا ہے کہ زائر[۴] کے لیے مناسب یہ ہے کہ قبلہ کی جانب سے ہو کر مواجہ شریف پر حاضر ہو، لیکن اگر پاؤں کی طرف سے حاضر ہو تو یہ ادب کے لحاظ[۵] سے اولیٰ ہے، مگر بعض علماء نے عام ضابطہ کے خلاف اس جگہ پر سرہانے سے حاضری کو ترجیح[۶] دی ہے، اس وجہ سے کہ تحیۃ المسجد روضہ میں پڑھی گئی، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل سرہانے ہے، اس صورت میں اگر وہاں سے چل کر پاؤں کی طرف آئے گا، تو صورت قبر مبارک کے طواف کی سی بن جائے گی اور قبر کا طواف[۷] بالکل جائز نہیں؛ اس لیے اس کی صورت سے بچنے کی رعایت[۸] سے اس جگہ سرہانے سے حاضری کو گوارا کیا گیا، ورنہ عام ادب ہر قبر پر حاضری کا یہی ہے کہ پاؤں کی طرف سے حاضر ہو۔

(۲۸) جب مواجہ[۹] شریف پر حاضر ہو تو سرہانے کی دیوار کے کونہ میں جو ستون ہے، اس سے تین چار ہاتھ کے فاصلہ سے کھڑا ہو اور پشت[۱۰] قبلہ کی طرف کرے اور بائیں طرف کو ذرا مائل[۱۱] ہو، تا کہ چہرۂ انور[۱۲] کے بالکل سامنے ہو جائے۔ [زُبدہ] صاحبِ اِتحاف کہتے ہیں کہ یہ ستون اب پیتل کی دیوار کے اندر آ گیا۔ ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ چاندی کی کیل جو اس دیوار میں ہے اس کے مقابل کھڑا ہو۔ [شرح لباب] لیکن اب تین جھروکے[۱۳] کے سامنے کی پیتل کی دیوار میں کر دیے گئے، جن سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہما کی مبارک قبروں کا سامنا ہوتا ہے۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ چاندی کی میخ[۱۴] جس پر سونے کا جھول[۱۵] ہے، وہ چہرۂ انور کی مُحاذات[۱۶] میں ہے۔

(۲۹) دیوار سے تین چار گز کے فاصلہ پر کھڑا ہو، زیادہ قریب نہ ہو کہ ادب کے خلاف ہے اور نگاہ نیچی رہنا چاہیے، اِدھر اُدھر دیکھنا اس وقت سخت بے ادبی ہے، ہاتھ پاؤں بھی ساکن اور وقار سے رہیں، یہ خیال کرے کہ چہرۂ انور اس وقت میرے سامنے ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو میری حاضری کی اطلاع ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عُلوِّ شان[۱۷] اور عُلوِّ مرتبت کا استحضار پوری طرح سے دل میں ہو۔ ابن امیر الحاج رحمۃ اللہ علیہ مدخل

حل لغات: (۱) اظہار۔ (۲) محنت، تکلیف۔ (۳) مشکل۔ (۴) زیارت کرنے والا۔ (۵) اعتبار۔ (۶) فوقیت، بڑھاوا۔ (۷) چکر لگانا۔ (۸) خیال رکھنا۔ (۹) روضہ اقدس کے سامنے ہونے کی جگہ مراد۔ (۱۰) پیٹھ۔ (۱۱) متوجہ۔ (۱۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک۔ (۱۳) چھوٹی کھڑکی۔ (۱۴) کیل۔ (۱۵) خول۔ (۱۶) سامنے۔ (۱۷) شان کی بلندی۔

میں لکھتے ہیں کہ جتنے بھی تواضع[1] اور آداب اس وقت کی حاضری کے لکھے جاتے ہیں، اس سے کہیں زیادہ تواضع اور عجز وانکسار ہونا چاہیے، اس لیے کہ آپ کی ذات ایسی شفیع[2] ہے جس کی شفاعت مقبول ہے، جس نے آپ کے دَر[3] کا ارادہ کیا وہ مراد کو پہونچا اور جو آپ کی چوکھٹ پر حاضر ہو گیا وہ نامراد نہیں رہا، جس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کی وہ قبول ہوئی اور جو مانگا وہ ملا، تجربہ اور واقعات اس کی شہادت دیتے ہیں، اس لیے جتنا زیادہ ادب ہو سکے دریغ[4] نہ کرے اور یہ سمجھے: گویا میں زندگی میں آپ کی مجلس میں حاضر ہوں، اس لیے کہ امّت کے حالات کے مُشاہدہ[5] میں اور ان کے ارادہ اور قصد[6] کے ظہور میں اس وقت آپ کی حیات اور مَمات[7] میں کوئی فرق نہیں۔ [مدخل اوّل]

(۳۰) اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھے، مناسک کے رسائل[8] میں سلام کے الفاظ بہت سے نقل کیے گئے ہیں، اس میں سلف[9] کا معمول مختلف رہا ہے، بعض اکابر مختلف عنوان اور مختلف الفاظ کے ساتھ سلام پڑھتے تھے اور ذوق وشوق کا تقاضا یہی ہے۔

یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں وَاں ایک خامشی تیری سب کے جواب میں[10]

اور بعض حضرات نہایت مختصر الفاظ میں سلام پڑھتے تھے، ادب اور ہیبت[11] کا تقاضہ یہی ہے

بے زبانی ترجمانِ شوق بے حد ہوتو ہو ورنہ پیشِ یار کام آتی ہیں تقریریں کہیں

مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بعض اکابر جیسے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ صرف اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ پر اکتفا کرتے تھے اور بعض حضرات طویل سلام کو اختیار کرتے تھے اور احادیث میں مختلف الفاظ اور مختلف عنوانوں سے درود شریف وارد ہونے سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت گنگوہی نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَہٗ نے ''زبدہ'' میں سلام کے الفاظ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ سلام میں جس قدر چاہے الفاظ زیادہ کرے، مگر ادب اور عجز[12] کے کلمات ہوں، لیکن سلف یہاں مختصر الفاظ کہنے کو پسند کرتے ہیں اور جہاں تک بھی اختصار[13] ہو سکے مُستحسن[14] رکھتے ہیں۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مناسک میں سلام کے طویل الفاظ لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ سے غایتِ[15] اختصار نقل کیا گیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما تو اتنا ہی کہتے تھے: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَبَابَكْرٍ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَبَتَاهُ۔ اس ناکارہ کے ناقص خیال میں جو شخص سلام کے الفاظ کا ترجمہ اور مطلب سمجھتا ہو اور ان الفاظ کے بڑھانے سے ذوق میں اضافہ ہوتا ہو، اس کو تو

حل لغات: (۱) انکساری، عاجزی۔ (۲) شفاعت والے۔ (۳) دروازہ۔ (۴) کوتاہی۔ (۵) معائنہ۔ (۶) ارادہ۔ (۷) موت۔ (۸) چھوٹی کتابوں۔ (۹) بزرگوں۔ (۱۰) یہاں لاکھوں باتیں زبان پر بے چینی سے آرہے ہیں اور ان کے جواب میں تیری ایک خاموشی ہے۔ (۱۱) رعب۔ (۱۲) عاجزی۔ (۱۳) مختصر۔ (۱۴) پسندیدہ۔ (۱۵) بہت مختصر، انتہائی کمی۔

تَطْوِیْل[1] مناسب ہے؛ اور اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو طوطے کی طرح سے مُزَوِّرِیْن[2] کے الفاظ دہرانے کی ضرورت نہیں۔ انتہائی ذوق وشوق اور غایت سکون اور وقار سے آہستہ آہستہ ٹھیرا ٹھیرا کر اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ پڑھتا رہے اور جب تک شوق میں اضافہ پاوے، انہی الفاظ کو یا اور کسی سلام کو بار بار پڑھتا رہے۔ اس سے پہلی فصل کے دس پر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ، ستر مرتبہ پڑھنا گذرا ہے وہ بھی بہتر ہے، مگر سکون اور وقار اور ذوق شوق سے پڑھے۔

(۳۱) یہ نہایت اہم اور ضروری بات ہے کہ سلام پڑھتے وقت شور وشَغَب ہرگز نہ کرے، نہ زور سے چلّائے بلکہ اتنی آواز سے کہے کہ اندر تک پہونچ جائے۔ ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ نہ تو زیادہ جہر[3] ہو اور نہ بالکل اِخفَاء[4] ہو، بلکہ مُتوسِّط[5] اور مُعتدِل[6] آواز حضورِ[7] قلب اور اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے شرم وحیا لیے ہوئے ہو۔ بخاری شریف میں ایک قصّہ لکھا ہے: حضرت سائب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں کھڑا تھا، ایک شخص نے میرے ایک کنکری ماری، میں نے اُدھر دیکھا تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے، انہوں نے مجھے (اشارہ سے بلاکر) کہا کہ یہ دو آدمی جو بول رہے ہیں، اُن کو بلا کر لاؤ، میں ان دونوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ طائف کے رہنے والے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اگر تم اس شہر کے رہنے والے ہوتے تو تمہیں مزہ چکھاتا، تم حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں چلّا کر بول رہے ہو''۔

محمد بن مَسلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کسی شخص کو بھی یہ نہیں چاہیے کہ مسجد میں زور سے بولے۔ [شرح شفا]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قصّہ میں بعض روایات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا گیا کہ ایسے کوڑے مارتا کہ بدن درد کرنے لگتا۔ اب گویا اجنبی دوسرے شہر کے ہونے کی وجہ سے مسئلہ سے ناواقفیت[8] کو عذر قرار دیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب کہیں قریب کِیل میخ وغیرہ کے ٹھوکنے کی آواز سنتیں تو آدمی بھیج کر ان کو روکتیں کہ زور سے نہ ٹھوکیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف کا لحاظ رکھیں۔ حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ کو اپنے مکان کے کواڑ بنوانے کی ضرورت پیش آئی، تو بنانے والوں کو فرمایا کہ شہر کے باہر بقیع میں بنا کر لائیں، ان کے بنانے کی آواز کا شور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک نہ پہونچے۔ علّامہ قَسطلانی رحمۃ اللہ علیہ مَواہب میں لکھتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادب کا وہی معاملہ ہونا چاہیے جو زندگی میں تھا، اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ [شرح مواہب]

حق تعالیٰ سُبْحَانَہٗ وَتَقَدَّسَ نے قرآن پاک میں سورۂ حجرات میں خصوصیت سے اس طرف تنبیہ

حلِ لغات: (۱) لمبا کرنا۔ (۲) زیارت کرانے والے۔ (۳) اونچی آواز۔ (۴) بغیر آواز کے۔ (۵) درمیانہ۔ (۶) نہ کم نہ زیادہ۔ (۷) دل حاضر کر کے۔ (۸) نہ جاننا۔

زیارتِ مدینہ

فرمائی ہے، ارشادِ والا ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ﴾الآیۃ۔ [سورۂ حجرات: ۲]

''اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں نبی کریم ﷺ کی آواز سے اونچی نہ کرو اور نہ آپ سے ایسے زور سے گفتگو کرو جیسا کہ آپس میں ایک دوسرے سے گفتگو کرتے ہیں (ایسا نہ ہو کہ اس حرکت سے) تمہارے (پہلے کیے ہوئے نیک) عمل برباد ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو''۔

بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ حضراتِ شیخین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وحضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان کسی مشورہ کی گفتگو میں جو حضور ﷺ کی مجلس میں تھی، اختلافِ رائے کی وجہ سے تیز گفتگو ہو گئی تھی، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جب حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہما پر یہ عتاب[۱] ہے تو ہم تم کس شمار[۲] میں ہیں۔ احادیث میں آیا ہے کہ اس آیتِ شریفہ کے بعد حضور ﷺ کی مجلس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز ایسی ہوتی کہ بعض اوقات مکرّر[۳] پوچھنا پڑتا کہ کیا کہا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں تو اب سے آپ سے اس طرح گفتگو کروں گا جیسا کہ کوئی راز کی بات کرتا ہو۔ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ جَہُوْرِیُّ[۴] الصَّوت تھے۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اس رنج وغم میں کہ میں تو ہمیشہ ہی زور سے بولتا ہوں میں تو بس جہنّمی ہو گیا، گھر سے نہ نکلتے تھے۔ کئی دن کے بعد حضور ﷺ نے دریافت فرمایا، تو واقعہ معلوم ہوا، حضور ﷺ نے ان کی تسلّی فرمائی اور ان کو جنّتی ہونے کی بشارت[۵] دی۔ [درمنثور] ایسی حالت میں جو لوگ وہاں شور برپا کرتے ہیں، ان کو ڈرنا چاہیے اور بہت احتیاط لازم ہے۔

(۳۲) سلام کے بعد اللہ جلّ شانہٗ سے حضور ﷺ کے وسیلہ سے دعا کرے اور حضور ﷺ سے شفاعت کی درخواست کرے۔ بعض علماء نے توسّل[۶] کو منع فرمایا ہے، لیکن جمہور علماء اس کے جواز[۷] کے قائل ہیں۔ ''مُغنی'' جو فقہ حنابلہ میں مشہور معروف ہے، اس میں الفاظِ سلام میں یہ الفاظ بھی ذکر کیے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ قُلْتَ وَقَوْلُكَ الْحَقُّ ''وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا'' وَقَدْ اَتَیْتُكَ مُسْتَغْفِرًا مِّنْ ذُنُوْبِیْ مُسْتَشْفِعًا بِكَ اِلٰی رَبِّیْ فَاَسْئَلُكَ یَارَبِّ اَنْ تُوْجِبَ لِیَ الْمَغْفِرَةَ كَمَاۤ اَوْجَبْتَهَا لِمَنْ اَتَاهُ فِیْ حَیَاتِهٖ اِلخ۔ ترجمہ: ''اے اللہ! تیرا پاک ارشاد ہے اور تیرا ارشاد حق ہے اور وہ یہ ہے: وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا آخر آیت تک'' اب میں آپ کے پاس آیا ہوں اور اپنے گناہوں سے مغفرت چاہتا ہوں اور آپ سے اپنے رب کی بارگاہ میں شفاعت چاہتا ہوں، اے اللہ! میں تجھ سے یہ مانگتا ہوں کہ تو میری مغفرت کو واجب کر دے جیسا کہ تُو نے اس شخص کی مغفرت کو واجب کیا، جو حضور ﷺ کی خدمت میں ان کی زندگی میں حاضر ہوا ہو''۔

حل لغات: (۱) ناراضگی، غصہ۔ (۲) گنتی۔ (۳) باربار۔ (۴) بلند آواز۔ (۵) خوشخبری۔ (۶) وسیلہ لگانا۔ (۷) جائز ہونے۔

یہی الفاظ شرح کبیر میں بھی نقل کیے گئے۔ اسی طرح ان دونوں کتابوں میں عتبی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ قصہ بھی نقل کیا گیا جو اس سے پہلی فصل کے آخر میں گذرا اور اس میں آیت شریفہ ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَّلَمُوْا﴾ الآیۃ کا ترجمہ بھی گذر چکا ہے۔ خلفائے عبّاسیہ میں سے منصور عباسی نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ دعا کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چہرہ کروں یا قبلہ کی طرف، تو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے منہ ہٹانے کا کیا محل[1] ہے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیرا بھی وسیلہ ہیں اور تیرے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا بھی وسیلہ ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منہ کرکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت چاہو، اللہ جلّ شانہٗ ان کی شفاعت قبول کرے۔ علامہ زُرقانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے کہ اس قصہ کو قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے معتبر اساتذہ سے نقل کیا ہے، اس کا انکار کرنا جرأت ہے۔ [شرح مواہب]

علّامہ قسطلانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مواہب میں لکھا ہے کہ زائرین[2] کو چاہیے کہ بہت کثرت سے دعائیں مانگیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت چاہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ایسی ہی ہے کہ جب ان کے ذریعہ سے شفاعت چاہی جائے تو حق تعالیٰ شانہٗ قبول فرمائیں۔ علّامہ زُرقانی مالکی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ علّامہ خلیل (مالکی رحمۃ اللہ علیہ) کی مناسک میں بھی یہی مضمون لکھا ہے۔

ابن ہُمام رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر میں لکھا ہے اور اس سے حضرت قُدّس سرّہٗ نے زُبدہ میں نقل کیا ہے کہ سلام کے بعد پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرے اور شفاعت چاہے اور یہ الفاظ کہے:

يَا رَسُوْلَ اللهِ! أَسْأَلُكَ الشَّفَاعَةَ وَأَتَوَسَّلُ بِكَ إِلَى اللهِ فِيْ أَنْ أَمُوْتَ مُسْلِمًا عَلٰى مِلَّتِكَ وَسُنَّتِكَ "اے اللہ کے رسول! میں آپ سے شفاعت چاہتا ہوں اور آپ کے وسیلہ سے اللہ سے یہ مانگتا ہوں کہ میری موت آپ کے دین اور آپ کی سنّت پر ہو"۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مناسک میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر سلام کے بعد لکھا ہے کہ پھر پہلی جگہ یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے اپنے لیے دعا کرے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے ذریعہ اللہ جلّ شانہٗ سے دعا کرے اور بہتر چیز ہے وہ جو عتبی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کی گئی، عتبی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ اس سے پہلی فصل کے ختم پر گذر چکا۔ ابن حجر مکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسُّل[3] کرنا سلفِ صالح[4] کا طریقہ رہا ہے اور انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمۃ اللہ علیہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کی ہے۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت نقل کی ہے اور اس کو صحیح بتایا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے دانہ کھانے کی خطا[5] صادر[6] ہوئی، تو انہوں نے اللہ جلّ شانہٗ سے

حل لغات: (۱) موقع۔ (۲) زیارت کرنے والے۔ (۳) وسیلہ پکڑنا۔ (۴) پہلے کے نیک لوگ۔ (۵) غلطی۔ (۶) واقع ہونا۔

حضور ﷺ کے طفیل دعا کی، اللہ جلّ شانُہٗ نے دریافت کیا کہ آدم! تم نے محمد (ﷺ) کو کیسے جانا؟ ابھی تو میں نے ان کو پیدا بھی نہیں کیا؟ تو حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا اللہ! جب آپ نے مجھے پیدا کیا تھا اور مجھ میں جان ڈالی تھی تو میں نے عرش کے ستونوں[1] پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا ہوا دیکھا تھا، تو میں نے سمجھ لیا تھا کہ آپ نے اپنے پاک نام کے ساتھ جس کا نام ملایا ہے، وہ ساری مخلوق میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہوگا۔ حق تعالیٰ شانُہٗ نے فرمایا کہ بیشک وہ ساری مخلوق میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اور جب اُس کے طفیل تم نے مغفرت طلب کی تو میں نے تمہاری خطا معاف کردی۔

نیز نسائی اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہما نے نقل کیا ہے کہ ایک نابینا[2] حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بینائی[3] کے لیے دعا چاہی، حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم کہو تو میں دعا کروں، لیکن اگر تم صبر کرو تو زیادہ بہتر ہے۔ انہوں نے دعا کی درخواست کی۔ حضور اقدس ﷺ نے ان کو فرمایا کہ پہلے بہت اچھی طرح سے وضو کرو، اس کے بعد یہ دعا پڑھو: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ یَا مُحَمَّدُ! اِنِّیْٓ اَتَوَجَّہُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ لِتُقْضٰی لِیْ اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْہُ فِیَّ۔ ترجمہ: ”اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں اور آپ کے نبی جو رحمت کے نبی ہیں ”محمد“ ﷺ کے واسطے سے آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، اے محمد! میں آپ کے طفیل اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، تاکہ میری یہ حاجت پوری ہوجائے، اے اللہ! حضور ﷺ کی سفارش میرے حق میں قبول فرما۔“

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو صحیح بتایا ہے اور بیہقی کی روایت میں اس کے آگے یہ بھی ہے کہ اس دعا کے پڑھنے کے بعد وہ صاحب بینا[4] ہوگئے۔ اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدہ[5] سند کے ساتھ حضور ﷺ کی ایک دعا کے الفاظ یہ نقل کیے: بِحَقِّ نَبِیِّکَ وَالْاَنْبِیَاءِ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِیْ۔ [کذافی الاصل] ”اے اللہ! تیرے نبی کے طفیل اور گذشتہ انبیاء علیہم السلام کے طفیل“۔ اس کے بعد ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اور بھی تائیدیں اس مضمون کی نقل کیں اور اس دعا کے متعلق ایک قصہ زیارت کے قصوں میں تینتیس[۳۳] پر بھی آرہا ہے۔

(۳۴) اس مضمون سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس دعا کے وقت بھی مُنہ حضور اقدس ﷺ کی طرف ہونا چاہیے۔ اگرچہ عام دعا کا ادب یہ ہے کہ مُنہ قبلہ کی طرف ہونا چاہیے، لیکن اس وقت قبلہ کی طرف مُنہ کرنے سے حضور اکرم ﷺ کی طرف پُشت[6] ہوتی ہے جو ادب کے خلاف ہے، اس لیے اس وقت اسی

حل لغات: (۱) پائے، کھمبے۔ (۲) اندھے۔ (۳) آنکھ میں دیکھنے کی طاقت۔ (۴) دیکھنے والا۔ (۵) اچھی سند۔ (۶) پیٹھ۔

طرف مُنہ کر کے دعا کرے۔

(۳۴) اس کے بعد اگر کسی اور شخص نے اپنی طرف سے حضور ﷺ کی بارگاہ میں سلام عرض کرنے کی فرمائش کی ہو تو اس کی طرف سے بھی اس طرح سلام عرض کرے: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مِنْ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ يَسْتَشْفِعُ بِكَ إِلٰى رَبِّكَ۔ ''آپ پر سلام اے اللہ کے رسول! فلاں کی طرف سے جو فلاں کا بیٹا ہے اور وہ آپ سے اللہ کی پاک بارگاہ میں سفارش چاہتا ہے''۔

پہلے فلاں کی جگہ اس شخص کا نام لے، دوسرے فلاں کی جگہ اس کے باپ کا نام لے، اگر عربی میں کہنا مشکل ہو تو اردو میں عرض کر دے کہ فلاں فلاں آدمیوں نے آپ کی بارگاہ میں سلام عرض کیا اور شفاعت کی درخواست کی ہے۔ علّامہ زُرقانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کسی سے سلام پہونچانے کی درخواست کی ہو اور اس نے اس درخواست کو قبول کر لیا ہو یعنی وعدہ کر لیا ہو کہ میں سلام پہونچا دوں گا، تو اس پر اب اس سلام کا پہونچانا واجب ہو گیا، اس لیے کہ یہ بمنزلہ[1] اس کی امانت کے ہے جس کو یہ قبول کر چکا۔ صاحب اتحاف لکھتے ہیں کہ سَلَف خَلَف[2] سب کا معمول دوسروں کی معرفت[3] سلام بھیجنے کا رہا ہے۔ اور سلاطین[4] تو مستقل قاصد مدینہ طیبہ حضور ﷺ کی خدمت میں سلام پہونچانے کے لیے بھیجا کرتے تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ بھی حضور ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کرنے کے لیے مستقل قاصد بھیجا کرتے تھے۔ ناظرین رسالہ سے یہ رُوسیاہ[5] بھی درخواست کرتا ہے کہ اگر اس مبارک وقت میں یہ سیہ کار کسی کو یاد آ جائے تو اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مِنْ زَكَرِيَّا بْنِ يَحْيٰى الْكَانْدَهْلَوِيْ يَسْتَشْفِعُ بِكَ إِلٰى رَبِّكَ عرض کر دیں، احسان ہوگا اور یہ الفاظ یاد نہ رہیں تو اردو ہی میں اس ناکارہ کا سلام عرض کر دیں۔

(۳۵) حضور اقدس ﷺ پر سلام پڑھنے کے بعد تقریباً ایک ہاتھ دائیں طرف ہٹ کر حضرت صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ پر سلام پڑھے۔ مشہور قول کے موافق حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک حضور ﷺ کی قبر اطہر کے پیچھے اس طرح سے ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا سر مبارک حضور ﷺ کے شانہ کے مقابل[6] ہے، اس لیے ایک ہاتھ دائیں جانب کو ہو جانے سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا سامنا ہو جاتا ہے۔

(۳۶) حضرت صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ پر سلام سے فراغت کے بعد ایک ہاتھ دائیں جانب ہٹ کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر سلام پڑھے، اس لیے کہ مشہور قول کے موافق حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک

حل لغات: (۱) درجے میں۔ (۲) اگلے اور پچھلے اچھے لوگوں۔ (۳) ذریعہ۔ (۴) بادشاہ۔ (۵) مراد حضرت شیخ محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (۶) سامنے۔

زیارت مدینہ

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک کے پیچھے ایسی طرح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سر حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ کے شانہ کے مقابل ہے۔

(۳۷) ان دونوں حضرات کی خدمت میں بھی اگر کسی نے سلام عرض کرنے کی درخواست کر دی ہو، تو ہر ایک کی خدمت میں اپنا سلام پڑھنے کے بعد اس کا سلام عرض کر دے اور یہ سراپا خطا وقصور بھی درخواست کرتا ہے کہ اگر ناظرین کو کسی وقت یاد آ جائے، تو اس ناپاک کا سلام بھی دونوں بارگاہوں تک پہونچا دیں۔ اللہ جَلّ شانُہٗ آپ کو اس احسان کا اپنے لطف سے اجر عطا فرمائے۔

(۳۸) بہت سے علماء نے لکھا ہے کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما پر علیٰحدہ علیٰحدہ سلام پڑھنے کے بعد پھر ان دونوں حضرات کے درمیان میں کھڑا ہو، یعنی جس جگہ کھڑے ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر سلام پڑھا ہے، اس سے تقریباً نصف ہاتھ بائیں جانب کو کھڑا ہو، تاکہ دونوں کے درمیان میں ہو جائے اور پھر دونوں پر مُشترک سلام پڑھے جس کے الفاظ زُبدہ میں یہ لکھے ہیں: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمَا یَا ضَجِیْعَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَرَفِیْقَیْہِ وَوَزِیْرَیْہِ، جَزَاکُمَا اللّٰہُ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ. جِئْنَاکُمَا نَتَوَسَّلُ بِکُمَا إِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِیَشْفَعَ لَنَا وَیَدْعُوْلَنَا رَبَّنَا أَنْ یُحْیِیَنَا عَلٰی مِلَّتِہٖ وَسُنَّتِہٖ وَیَحْشُرَنَا فِیْ زُمْرَتِہٖ وَجَمِیْعَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ ”تم دونوں پر سلام اے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں لیٹنے والو! تم پر سلام اے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ساتھیو! تم پر سلام اے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں وزیرو! تمہیں حق تعالیٰ شانُہٗ (ہماری طرف سے) بہترین بدلہ (تمہارے احسانات) کا عطا فرمائے، ہم تمہارے پاس اس لیے حاضر ہوئے کہ تم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اس بات کی سفارش چاہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے اللہ پاک کی بارگاہ میں شفاعت فرما دیں اور اللہ سے یہ دعا فرما دیں کہ وہ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت پر زندہ رکھے اور ہمارا اور تمام مسلمانوں کا حشر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت میں ہو“۔

بعض حضرات نے اس سلام کے الفاظ بھی کم وبیش لکھے ہیں، جیسا کہ سب سلاموں میں بعض حضرات نے مختصر الفاظ نقل فرمائے ہیں اور بعض نے زائد تحریر فرمائے ہیں اور بعض نے اس مشترک سلام کو ذکر ہی نہیں کیا کہ جب علیٰحدہ علیٰحدہ سلام عرض کر چکا ہے پھر مشترک کی کیا ضرورت باقی رہی؟ لیکن جن حضرات نے اس کو ذکر فرمایا ہے، غالباً اسی وجہ سے کہ یہاں اب دوبارہ سلام تو بمنزلۂ تمہید اور ادب کے ہے، اصل مقصود ان دونوں حضرات کی خدمت میں سفارش کی درخواست ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

حل لغات: (۱) سر سے پیر تک۔ (۲) آدھا۔ (۳) ایک ساتھ۔ (۴) بازو میں، بغل میں۔ (۵) کم اور زیادہ۔ (۶) زیادہ لکھا۔ (۷) شروع کے درجہ میں۔

کی بارگاہ میں دعا کی درخواست اور سفارش کر دیں، اسی لیے اس کا ترجمہ لکھا ہے کہ اس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ اس تکرار[1] سلام کی غرض کیا ہے۔

(۳۹) اس کے بعد پھر دائیں طرف آ کر دوبارہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہو کر ہاتھ اُٹھا کر اوّل اللہ جَلّ شانُہٗ کی خوب حمد وثناء[2] کرے، اس نعمتِ[3] جلیلہ کا اور اس کی تمام نعمتوں کا شکر ادا کرے پھر خوب ذوق وشوق سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھے پھر آپ کے وسیلہ سے اللہ جَلّ شانُہٗ سے اپنے لیے، اپنے والدین کے لیے، اپنے مشائخ[4] کے لیے، اپنے اہل وعیال کے لیے، اپنے عزیز واقارب کے لیے، اپنے دوستوں اور ملنے والوں کے لیے اور ان لوگوں کے لیے جنہوں نے دعا کی درخواست کی ہو اور تمام مسلمانوں کے لیے، زندوں کے لیے اور مُردوں کے لیے خوب دعا کرے اور اپنی دعا کو آمین پر ختم کرے۔ [شرح لباب] اور یاد آ جائے تو ناکارہ ''زکریا'' کو بھی اپنی اس مبارک دعا میں شامل کر لے۔

(۴۰) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ شیخین[5] رضی اللہ عنہما کی مبارک قبروں کی ترتیب اور صورت میں سات روایات کتبِ حدیث وسِیَر میں آئی ہیں، ان سب میں دو[6] روایتیں زیادہ مشہور ہیں، ان دونوں کی صورت یہاں لکھی جاتی ہے تاکہ حاضرین کو سمجھنے میں سہولت ہو، پہلی صورت یہ ہے:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم		
	حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ	
		حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

دوسری صورت یہ ہے:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم	حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ
حضرت صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ	

علّامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے وفاء الوفاء میں ان سب صورتوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور اس صورت کو سب سے زیادہ صحیح اور راجح روایت بیان کیا ہے۔ اس کے اتباع[7] میں صاحب اتحاف نے بھی اس کو اَشہرُ الرِّوایات لکھا ہے۔ علّامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ دو صورتیں ان سب روایات میں زیادہ راجح ہیں، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی تصویر میں وارد ہوئی ہیں۔ ابوداوٗد شریف میں یہ دوسری صورت وارد ہوئی اور حاکم نے اس کو صحیح بتایا۔ علّامہ زُرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرحِ مواہب میں لکھا ہے کہ ان سات روایات میں سے پانچ ضعیف ہیں اور دو صحیح ہیں۔ ان دو میں بھی پہلی صورت کو اکثر علماء نے

حل لغات: (۱) باربار۔ (۲) تعریف۔ (۳) بڑی نعمت۔ (۴) شیخ کی جمع پیر۔ (۵) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وحضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ (۶) بہت سی روایتوں میں ایک مشہور روایت۔ (۷) مانتے ہوئے۔

راجح قرار دیا اور رَزِین رحمۃ اللہ علیہ نے اسی پر وُثوق[1] کیا، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مشہور روایت قرار دیا۔

(۴۱) اس کے بعد اُسطُوانہ[2] اَبُولُبابہ کے پاس آکر دو رکعت نفل پڑھ کر دعا کرے۔ [زبدہ]

(۴۲) پھر دوبارہ روضہ میں جاکر نفلیں پڑھے اور دعا درود وغیرہ میں خضوع خشوع سے مشغول رہے۔ دسویں فصل میں جہاں مسجد کے ستونوں کا ذکر آرہا ہے، اس میں اس ستون کا مُفَصَّل[3] حال آرہا ہے۔

(۴۳) اس کے بعد منبر کے پاس آکر دعا کرے۔ علماء نے لکھا ہے کہ منبر کی اس جگہ پر جس کو ''رُمّانہ'' کہتے ہیں، ہاتھ رکھ کر دعا کرے اس لیے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے وقت اس پر دستِ مبارک رکھتے تھے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء میں لکھا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ نیچے والے ''رُمّانہ'' پر ہاتھ رکھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر ہاتھ رکھتے تھے، لیکن ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ وہ ''رُمّانہ'' اب باقی نہیں، جب مسجد نبوی میں دوسری مرتبہ آگ لگی ہے اس میں جل گیا تھا۔ شِفاء قاضی عیاض اور اس کی شرح لِعَلی القاری میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنھما کو دیکھا گیا کہ منبر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے کی جگہ ہاتھ پھیر کر انہوں نے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا۔ اور ابنِ قُسَیط رحمۃ اللہ علیہ اور عَتْبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ منبر کے اس ''رُمّانہ'' پر جو قبر کے نزدیک ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اپنے داہنے ہاتھ سے پکڑا کرتے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم برکت کی نیّت سے اس پر دایاں ہاتھ پھیرا کرتے تھے۔ ''رُمّانہ'' منبر کی وہ موٹھ کہلاتی ہے جو انار کی شکل کناروں پر بنی ہوئی ہوتی ہے۔

(۴۴) اس کے بعد اُسطُوانۂ حنّانہ کے پاس جاکر درود شریف اور دعا اہتمام سے کرے۔ [زبدہ] ستونوں کے بیان میں سب سے پہلے اسی کا ذکر آرہا ہے۔

(۴۵) اس کے بعد باقی مشہور ستونوں کے پاس جاکر دعا کرے۔ [لباب]

(۴۶) اور اس کی کوشش کرے کہ وہاں کے قیام میں کوئی نماز مسجد نبوی کی جماعت سے فوت[4] نہ ہونے پائے۔ [فتح القدیر] کہ قیام تھوڑا ہے اور ثواب بہت زیادہ، نہ معلوم پھر حاضری مُیَسَّر[5] ہوسکے یا نہ ہوسکے۔

(۴۷) اس کا خیال رکھے کہ زیارت کے وقت نہ دیواروں کو ہاتھ لگاوے کہ یہ بے ادبی اور گستاخی ہے اور نہ دیواروں کو بوسہ دے کہ یہ حجر اسود ہی کا عمل ہے، نہ دیواروں کو چمٹے، نہ طواف کرے، اس لیے کہ طواف بیت اللہ شریف کے ساتھ خاص ہے، قبر کا طواف حرام ہے۔ ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جاہلوں کے فعل کا اتباع نہ کرے، چاہے وہ صورت سے مشائخ معلوم ہوتے ہوں، نہ قبر کے سامنے جھکے، نہ زمین کو بوسہ دے، نہ قبر کی طرف منہ کرکے اس نیت سے کہ ادھر قبر ہے، نماز پڑھے۔ ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اگر قبر کی تعظیم کے لحاظ[6] سے اس طرف منہ کرکے نماز پڑھے تو اس کے کُفر کا

حل لغات: (۱) بھروسہ، کا اعتماد۔ (۲) ستون، کھمبا۔ (۳) تفصیلی۔ (۴) چھوٹنا۔ (۵) مل سکے، آسان ہو۔ (۶) کے طور۔

فتویٰ دیا جائے گا، البتہ حجرہ کی پشت[1] پر چونکہ دیوار حائل[2] ہے اس لیے قبر شریف کا ارادہ کیے بغیر نماز پڑھنا جائز ہے۔ [شرح لباب]

مُوفّق بن قُدامہ رحمۃ اللہ علیہ مُغنی میں لکھتے ہیں کہ قبر اَطہر کی دیوار کو نہ تو چھونا مستحب[3] ہے، نہ چومنا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے معروف ہونے کا انکار فرمایا ہے۔ البتہ انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ فعل نقل کیا کہ وہ منبر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے کی جگہ ہاتھ رکھ کر اپنے منہ پر پھیرا کرتے تھے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ قبر اطہر کا طواف کرنا ناجائز ہے اور پیٹ کا یا کمر کا قبر شریف کی دیوار سے چمٹانا مکروہ ہے، اسی طرح اس پر ہاتھ پھیرنا یا اس کو چومنا؛ بلکہ ادب یہ ہے کہ اس سے دور کھڑا ہو جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ادب کی وجہ سے دور کھڑا ہوتا، یہی صحیح ہے اور تمام علماء کی مُتّفقہ[4] رائے ہے، اس کے خلاف جو بعض عوام کا عمل دیکھے تو اس سے دھوکا نہ کھائے اور ان کی جہالت کی باتوں کی طرف التفات[5] نہ کرے اور جو یہ خیال کرے کہ دیوار پر ہاتھ پھیرنے سے برکت مقصود ہے یہ اس کی جہالت ہے، اس لیے کہ برکت اس میں ہوتی ہے جو شریعتِ مطہرہ کے موافق ہو، حق کے خلاف میں برکت کہاں؟

(۴۸) بلاضرورتِ شدیدہ قبر شریف کی طرف پشت[6] نہ کرے، نہ نماز میں، نہ بغیر نماز کے۔ [شرح لباب] بلکہ نماز میں ایسی جگہ کھڑے ہونے کی سعی کرے کہ نہ اس جانب منہ ہو نہ پشت اور بلا نماز تو اس طرف پشت کرنے کی کوئی وجہ ہو ہی نہیں سکتی۔

(۴۹) اس کا لحاظ رکھے کہ جب قبر شریف کے مقابل سے گذرنا ہو تو کھڑے ہو کر سلام کر کے آگے بڑھے، حتیٰ کہ علماء نے لکھا ہے کہ اگر مسجد سے باہر بھی قبر شریف کے مقابل سے گذرے، تو کھڑے ہو کر سلام کر کے آگے بڑھے۔ حضرت ابو حازم صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص ان کے پاس آئے اور یہ کہا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابو حازم سے کہہ دینا کہ تم میرے پاس سے اِعراض[7] کرتے ہوئے گذر جاتے ہو، کھڑے ہو کر سلام بھی نہیں کرتے۔ اس کے بعد سے ابو حازم رضی اللہ عنہ کا یہ معمول ہو گیا تھا کہ جب ادھر سے گذرتے تو کھڑے ہو کر سلام کر کے آگے بڑھتے۔ [شرح لباب]

(۵۰) مدینہ پاک کے قیام میں قبر شریف پر کثرت سے حاضری کا اہتمام رکھے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ تینوں حضرات کے نزدیک، کثرت سے حاضر ہوتے رہنا پسندیدہ ہے؛ البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کثرت حاضری کو پسند نہیں کیا، جس کی وجہ علماء یہ فرماتے ہیں کہ مبادا[8]

حل لغات: (۱) پیچھے۔ (۲) درمیان میں۔ (۳) پسندیدہ۔ (۴) ایک ساتھ۔ (۵) توجہ۔ (۶) پیٹھ۔ (۷) بے رخی، منہ موڑنا۔ (۸) کہیں ایسا نہیں ہو۔

زیارت مدینہ

بار بار کی حاضری سے طبیعت میں بے رغبتی پیدا نہ ہو جائے۔ [شرح لباب]

(۵۱) مسجد شریف میں رہتے ہوئے حُجرہ شریف کی طرف اور مسجد سے جب باہر ہو تو قُبّہ[1] شریف جہاں سے نظر آتا ہو، بار باران کو دیکھنا، ان پر نظر جمائے رکھنا بھی افضل ہے اور ان شاء اللہ موجب[2] ثواب ہے۔ [شرح لباب وشرح مناسک نووی] نہایت ذوق شوق کے ساتھ چپ چاپ والہانہ نظر جمائے رکھے۔

سکوتِ عشق کو ترجیح ہے اظہارِ الفت پر مری آہیں رسا نکلیں یہ نالے بے اثر نکلے[3]

(۵۲) مدینہ منوّرہ کے قیام میں جتنا زیادہ سے زیادہ وقت مسجد نبوی میں گذر سکے غنیمت سمجھے۔ قرآن پاک کم از کم ایک تو ختم کر ہی لے اور مستقل اعتکاف بھی جے دن کا نصیب ہو سکے نعمت ہے، راتوں کو جتنا زیادہ سے زیادہ عبادت میں گذار سکے بہتر ہے کہ یہ مبارک راتیں پھر کہاں ملیں گی۔ [شرح لباب] زُبدہ میں حضرت قطبِ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: اور جب تک مدینہ منوّرہ میں رہے تلاوت اور ذکر کرتا رہے اور صلوٰۃ وسلام خوب کرتا رہے اور راتوں کو بہت جاگے اور وقت ضائع[4] نہ کرے۔

(۵۳) زُبدہ میں لکھا ہے: اور بعد زیارت قبر مبارک کے ہر روز یا جمعہ کو زیارت مزاراتِ بقیع کی بھی ضرور کرے کہ حضرت عثمان اور حضرت عباس اور حضرت حسن اور حضرت ابراہیم اور ازواجِ مُطہّرات اور اصحاب کرام رِضوانُ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وہاں تشریف رکھتے ہیں۔ شرحِ لُباب میں لکھا ہے کہ زائرین کو روزانہ بقیع میں حاضر ہونا چاہیے اور مدینہ منوّرہ کے رہنے والوں کو جمعہ کو حاضر ہونا چاہیے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مستحب[5] یہ ہے کہ روزانہ بقیع میں حاضر ہو، بالخصوص جمعہ کے دن اور یہ حاضری حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ اَطہر پر حاضری کے بعد ہو اور وہاں جا کر معروف[6] قبروں کی زیارت کرے جیسا کہ حضرت ابراہیم، حضرت عثمان، حضرت عباس، حضرت حسن رضی اللہ عنہم اور حضرت علی بن حسین زین العابدین اور حضرت محمد باقر بن علی اور جعفر بن محمد رحمہم اللہ وغیرہ اور سب سے آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی قبر پر حاضری دے، اس لیے کہ اہلِ بقیع کی قبور کی فضیلت اور ان کی زیارت کے بارے میں بہت کثرت سے احادیث وارد[7] ہوئی ہیں، جن میں سے بعض دسویں فصل کی حدیث نمبر نو کے ذیل میں آ رہی ہیں۔ ابنِ حجر شرحِ مناسک میں لکھتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ وہاں جا کر سب سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک پر حاضر ہو، اگر کسی دوسرے بزرگ کی قبر راستہ میں پڑ جائے تو اس وقت تو مختصر سلام کر کے آگے بڑھ جائے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی قبر شریف کی زیارت کے بعد پھر واپس آ کر کھڑا ہو، اس لیے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان سب میں افضل ہیں جو بقیع میں مدفون[8]

حل لغات: (۱) گنبد۔ (۲) باعث، سبب۔ (۳) محبت کے اظہار سے زیادہ اہمیت عشق کی خاموشی کو حاصل ہے، میرے غموں کی آواز اثر دار نکلے لیکن جو شکایت کر رہا تھا وہ بے اثر نکلے۔ (۴) برباد۔ (۵) پسندیدہ۔ (۶) معلوم۔ (۷) آئی۔ (۸) دفن۔

ہیں اور ان کے بعد پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی قبر پر حاضر ہو۔ بقیع میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی بہت بڑی جماعت مدفون ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تقریباً دس ہزار صحابی مدفون ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ ان سب حضرات کے لیے دعا اور ایصالِ ثواب کرے۔ [شرح مناسک نووی] امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ روزانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھنے کے بعد بقیع کی زیارت کو حاضر ہوا کرے۔ صاحبِ اتحاف بروایت امام مسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ میری باری کی شب میں ہمیشہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بقیع تشریف لے جاتے تھے۔ شرحِ لُباب میں لکھا ہے: اس میں اختلاف ہے کہ بقیع میں حاضری کی ابتدا کہاں سے کرے؟ بعض نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا، اس لیے کہ وہ سب حضرات سے جو وہاں آرام فرمارہے ہیں، افضل ہیں، بعض نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ سے، اس لیے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر گوشہ[1] ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا کہ اگر ابراہیم زندہ رہتے تو نبی ہوتے، بعض نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے، اس لیے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں اور بقیع میں سب سے اوّل ان کی قبر مبارک آتی ہے، وہاں سے بغیر سلام کے آگے چلے جانا بے ادبی ہے، نیز ان کے قریب حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور دیگر اہلِ بیت ہیں کہ ان سب کا مجموعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت سے بڑھ جائے گا۔ مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ مُوَجَّہ[2] ہے اور زیارت کرنے والوں کو اسی میں سہولت ہے کہ یہ جگہ بقیع میں سب سے پہلے آتی ہے۔

(۵۴) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: مستحب[3] یہ ہے کہ ہر پنج شنبہ[4] کو شُہداءِ اُحد کی زیارت کرے، صبح کی نماز مسجد نبوی میں پڑھ کر چلا جائے، تاکہ ظہر تک واپسی ہوجائے اور کوئی نماز مسجد نبوی کی فوت[5] نہ ہو۔ صاحبِ اتحاف لکھتے ہیں کہ پنج شنبہ کی خصوصیت اس وجہ سے شاید ہو کہ یہ واقعہ اس دن ہوا یا اس وجہ سے کہ یہ دن مدینہ والوں کی فراغت[6] کا ہے یا اس وجہ سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پنج شنبہ کی صبح میں امت کے لیے برکت کی خبر یا دعا فرمائی یا کسی اور وجہ سے ہو، سب مُحتَمَل[7] ہیں۔ مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جبلِ[8] اُحد اور شُہداءِ اُحد دونوں کی مستقل زیارت کی نیّت کرے، اس لیے کہ جبلِ اُحد کے فضائل بھی احادیث میں بہت آئے ہیں۔ مستحب یہ ہے کہ پنج شنبہ کی صبح کو سویرے نماز کے بعد روانہ ہوجائے تاکہ ظہر تک واپس ہوسکے اور وہاں جا کر سب سے اوّل سیّد الشُّہداء[9] حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضر ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''میرے سب چچاؤں میں حضرت حمزہ افضل ہیں''۔ دوسری حدیث میں ہے کہ ''قیامت کے دن سب شہداء کے سردار حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہوں گے''۔ وہاں جا کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ

حلِ لغات: (۱) صاحبزادے، لڑکے۔ (۲) سامنا۔ (۳) پسندیدہ، بہتر۔ (۴) جمعرات۔ (۵) چھوٹ۔ (۶) فرصت، چھٹی۔ (۷) احتمال، ممکن۔ (۸) پہاڑ۔ (۹) شہیدوں کے سردار۔

کی قبر مبارک پر نہایت خشوع خضوع سے ان کی عظمت و احترام کی رعایت کرتے ہوئے کھڑا ہو، اس کے بعد پھر دوسرے مزارت پر۔

(۵۵) امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ قُباء کی حاضری کا استحباب[1] بہت مُؤکّد[2] ہے اور اَولیٰ[3] یہ ہے کہ شنبہ[4] کے دن حاضر ہو، اس حاضری میں اس کی زیارت کی نیّت ہو اور اس کی مسجد میں نماز پڑھنے کی نیّت ہو، اس لیے کہ ترمذی شریف وغیرہ میں صحیح حدیث میں آیا ہے کہ مسجد قُباء میں نماز پڑھنا بمنزلہ[5] عمرہ کرنے کے ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر شنبہ کے دن مسجد قُباء تشریف لے جاتے تھے۔ مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مسجدِ مکہ، مسجدِ مدینہ، مسجدِ اقصیٰ کے بعد سب مساجد سے افضل مسجدِ قُباء ہے، بلکہ ایک روایت میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہاں تک نقل کیا گیا کہ میں دو رکعت مسجدِ قُباء میں پڑھوں، یہ مجھے مسجدِ اقصیٰ میں دو دفعہ جانے سے زیادہ محبوب ہے، لیکن مشہور روایات سے مسجدِ اقصیٰ کی فضیلت زیادہ معلوم ہوتی ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ فضیلت اور چیز ہے، محبوبیت دوسری چیز ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول زیادہ تر شنبہ کو تشریف لے جانے کا تھا اور دوشنبہ[6] کو تشریف لے جانا اور بیس[20] رمضان کی صبح کو تشریف لے جانا بھی وارد ہوا ہے۔

(۵۶) ان کے بعد مدینہ پاک کے دوسرے مُتبرّک[7] مقامات کی زیارت اَولیٰ ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ مدینہ منوّرہ کے متبرّک مقامات کی زیارت کرے، جو تقریباً تیس مَوَاضع[8] ہیں، اہلِ مدینہ ان کو جانتے ہیں اور اسی طرح سے ان سات کنوؤں کا پانی پیے، جن سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو یا غسل کرنا وارد ہوا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی مضمون لکھا ہے کہ بیر[9] اریس کے پاس جاکے جو مسجدِ قُباء کے قریب ہے، جس کے متعلّق کہا جاتا ہے کہ اس کنویں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لبِ مبارک ڈالا ہے، اس سے وضو کرے اور اس کا پانی پیے اور مسجدِ فتح کے پاس آئے جو خندق کے قریب ہے اور ایسے ہی بقیہ مساجد اور مُتبرّک مقامات جن کی تعداد تقریباً تیس[10] ہے، اہلِ مدینہ[11] کے یہاں یہ مواقع معروف[11] ہیں، ایسے ہی ساتوں کنوؤں کا پانی شفاء اور برکت کی نیت سے پیے۔ صاحب اِتحاف کہتے ہیں کہ یہ سات[7] کنویں: بیر اریس، بیرِ حاء، بیر رُومہ، بیر غَرس، بیر بُضاعہ، بیر بُصّہ ہیں اور ساتویں میں اختلاف ہے کہ بیر سُقیا، بیر عِہن، بیر جُمَل میں سے کون سا ہے، اس کے بعد صاحب اتحاف نے ان سب کنوؤں کے متعلّق احادیث ذکر کی ہیں۔ صاحبِ لُباب کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا استعمال جن کنوؤں سے نقل کیا جاتا ہے وہ سترا[17] ہیں، لیکن ان میں سب معروف نہیں، اسی طرح نواحِ[12] مدینہ اور

حل لغات: (۱) مستحب ہونا۔ (۲) جس کی تاکید کی گئی ہو۔ (۳) بہتر، اچھا۔ (۴) برابر۔ (۵) سنیچر۔ (۶) پیر۔ (۷) بابرکت۔ (۸) جگہیں۔ (۹) کنواں۔ (۱۰) مدینہ کے رہنے والے۔ (۱۱) جانی، پہچانی جگہیں۔ (۱۲) اطراف۔

مکّہ کے راستہ میں بہت سی مساجد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب[1] ہیں، جن میں سے اکثر زیارتُ الحرمین میں ذکر کی ہیں، وہاں دیکھ لیا جائے۔

(۵۷) وہاں کے قیام میں صدقات کی کثرت رکھے، بالخصوص مدینہ پاک کے رہنے والوں[2] پر۔ صاحبِ لُباب نے لکھا ہے کہ مدینہ کے مستقل رہنے والے ہوں یا باہر کے لوگ جو وہاں آکر مقیم[2] ہو گئے ہوں، وہ باہر کے رہنے والوں پر مُقدّم[3] ہیں، اس لیے کہ مدینہ کے رہنے والوں سے محبّت واجب ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مدینہ کے قیام میں جتنے زیادہ سے زیادہ روزے رکھ سکے رکھے، جتنا زیادہ ممکن ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسیوں پر صدقہ کرے کہ یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی خدمت گذاری میں داخل ہے۔

(۵۸) مدینہ کے قیام میں جو کچھ خریدے، اس میں یہ نیت رکھے کہ یہاں کے تاجروں کی مَعاش[4] یہی ہے، اگر ان کی تجارت میں وسعت[5] اور فروغ[6] رہا تو ان کا یہ سلسلۂ معاش قائم رہے گا اور یہ حضرات راحت سے سکون واطمینان کے ساتھ یہاں قیام کر سکیں گے اور ہم لوگ اس کا ذریعہ بنیں گے، اور جب اس ارادہ سے خریدے گا تو اس میں یہ اشکال[7] بھی نہ ہوگا کہ زیادہ پیسے خرچ ہو گئے کہ یہ بھی حقیقت میں ایک نوع[8] کا صدقہ ہے، بشرطیکہ یہی نیت ہو، بلکہ کچھ چیزیں اسی نیت سے خریدلے کہ ویسے صدقہ کرنے میں جب تک وہ دام لینے والے کے پاس رہیں گے، اس وقت تک وہ مُنتَفِع[9] ہوسکتا ہے اور اس صورت میں ان کی تجارت کو فروغ ہوگا، جس سے وہ دیر تک مُنتَفِع ہو سکتے ہیں؛ البتہ جن حضرات کے پاس سلسلہ تجارتی نہیں ہے، ان کو ویسے ہی ہدیہ کرے اور بہتر یہ ہے کہ بجائے صدقہ کے ہدیہ کی نیت کرے کہ یہ اونچے حضرات ہیں۔

(۵۹) سب اہلِ مدینہ کے ساتھ ہر بات میں حُسنِ سلوک اور اچھا برتاؤ کرے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسی ہیں۔ علّامہ زَرقانی رحمۃ اللہ علیہ شرحِ مَواہب میں لکھتے ہیں کہ وہاں کے رہنے والوں کا اکرام کرو، اور اگر ان میں سے بعض کے متعلّق کوئی ایسی بات کہی گئی ہے، یعنی کوئی نامناسب حرکت اس کی معلوم بھی ہو، تب بھی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسی ہونے کے شرف[10] سے تو بہرہ اندوز[11] ہیں ہی اور اس اَجَلّ محبوب[12] کے پڑوسی ہونے کا فخر تو ان کو ہے ہی، اور اگر ان کی کوئی بُرائی بڑی بھی ہو جائے، تب بھی پڑوسی ہونے کا تمغہ[13] تو ان سے سلب[14] نہیں ہوگا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد کہ ”جبرئیل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے بارہ

حلِ لغات: (۱) نسبت کرنا۔ (۲) رہنے والے۔ (۳) آگے ہونا۔ (۴) روزی۔ (۵) پھیلاؤ۔ (۶) ترقی۔ (۷) اعتراض، نکیر۔ (۸) قسم۔ (۹) فائدہ اُٹھانے والا۔ (۱۰) عزت، سعادت۔ (۱۱) خوش قسمتی حاصل شدہ۔ (۱۲) سب سے بڑے محبوب۔ (۱۳) سند، شان۔ (۱۴) چھن جانا، ختم ہونا۔

میں بار بار وصیت کرتے رہے،'' ہر پڑوسی کو شامل ہے، اس میں اچھے بُرے کی تخصیص[1] نہیں، وہ ہر متقی[2] اور غیر متقی کو شامل ہے؛ اور اگر کوئی شخص ان میں سے کسی کے متعلق حضور ﷺ کا اتباع[3] چھوڑنے کا الزام دے اور یہ بات اس میں ثابت بھی ہوجائے تب بھی پڑوسی ہونے کی وجہ سے جو اکرام اس کا ہے، اس میں کمی نہ کی جائے کہ وہ اس بات کی وجہ سے پڑوسی ہونے کے حق سے محروم نہیں ہوسکتا، بلکہ اللہ کی ذات سے قوی امید ہے کہ اس کو مرنے سے پہلے پہلے رجوع کی توفیق عطا ہوگی اور ان شاء اللہ خاتمہ بالخیر نصیب ہوگا۔

فَيَاسَاكِنِيْ أَكْنَافِ طَيْبَةَ كُلُّكُمْ　　إِلَى الْقَلْبِ مِنْ أَجْلِ الْحَبِيْبِ حَبِيْبٌ

ترجمہ: ''اے طیبہ کے رہنے والو! تم سب کے سب میرے دل کو محبوب ﷺ کی وجہ سے محبوب ہو۔''

اس کے بعد بہت سے اشعار انہوں نے مدنی حضرات کے بارہ میں لکھے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جب امیر المؤمنین مہدی کے پاس تشریف لے گئے، تو بادشاہ نے درخواست کی کہ مجھے کچھ وصیت فرما دیجیے، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: سب سے اوّل اللہ جلّ شانہٗ کا خوف اور تقویٰ اختیار کرنا، اس کے بعد اہلِ مدینہ پر مہربانی کہ وہ حضور ﷺ کے شہر کے رہنے والے، حضور ﷺ کے پڑوسی ہیں، مجھے حضور ﷺ کا یہ ارشاد پہونچا ہے کہ مدینہ میری ہجرت کی جگہ ہے، اسی میں میری قبر ہوگی، اسی سے میں قیامت کے دن اٹھوں گا، اس کے رہنے والے میرے پڑوسی ہیں، میری امّت کے ذمہ ضروری ہے کہ ان کی نگہبانی[4] کریں، جو میری وجہ سے ان کی خبر گیری کرے گا، میں اس کے لیے قیامت میں شفیع[5] یا گواہ بنوں گا اور جو میرے پڑوسیوں کے بارہ میں میری وصیت کی رعایت[6] نہ کرے، حق تعالیٰ شانہٗ اس کو طِینۃُ الخَبال پلائے''۔ دوسری حدیث میں ہے کہ طِینۃُ الخَبال: جہنّمی لوگوں کا نچوڑ ہے۔ یعنی پسینہ، لہو، پیپ وغیرہ۔ [وفاء اوّل]

(۶۰) امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ آداب میں سے یہ بھی ہے کہ مدینہ طیبہ کے پورے قیام میں اس شہر کی عظمت اور بزرگی کا استحضار رہے اور یہ بات تصوّر میں رہے کہ اللہ جلّ شانہٗ نے اس پاک شہر کو اپنے محبوب نبی ﷺ کی ہجرت کے لیے پسند فرمایا اور یہاں حضور ﷺ کا قیام اور اس کو وطن بنانا مقدّر[7] فرمایا اور اس کے گلی کوچوں میں حضور اقدس ﷺ کے چلنے پھرنے کا استحضار رہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جب سے تیری نظر مدینہ پاک پر پڑے، اس مضمون کو اپنے ذہن میں رکھ کہ یہ وہ شہر ہے، جس کو اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے نبی ﷺ کے قیام کے لیے پسند کیا اور اس کی طرف ہجرت تجویز کی اور

حل لغات: (۱) خصوصیت، فرق۔ (۲) تقویٰ والا۔ (۳) پیروی، فرماں برداری۔ (۴) نگرانی، حفاظت۔ (۵) شفاعت کرنے والا۔ (۶) خیال رکھے۔ (۷) تقدیر میں طے فرمایا۔

یہی وہ شہر ہے، جس میں اللہ جَلَّ شانُہٗ نے شریعتِ مطہرہ کے فرائض نازل کیے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنّتیں جاری کیں، اسی شہر میں آکر دشمنوں سے جہاد کیا، اسی شہر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو غلبہ حاصل ہوا، یہاں تک کہ اسی شہر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال[1] ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک بنی اور اسی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو وزیروں[2] کی قبر بنی اور اس میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک جا بجا پڑے اور یہ سوچتا رہ کہ جس جگہ بھی تیرا قدم پڑے، وہاں کسی نہ کسی وقت میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا قدم مبارک بھی پڑا ہوگا، اس لیے اپنا ہر قدم نہایت سکون ووقار[3] کے ساتھ اس بات سے ڈرتے ہوئے کہ اس جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قدم مبارک بھی پڑا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار کی جو کیفیت احادیث میں آئی ہے، اس کو تصور کرتے ہوئے چل، اس کے ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت، رفعتِ شان، جلالت وعظمتِ مرتبت کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ نے اپنے پاک نام کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک رکھا، ذہن میں رکھو اور اس سے ڈرتے رہو کہ کہیں بے ادبی کی نحوست سے اپنے پہلے نیک عمل بھی ضائع[4] نہ ہو جائیں۔ یہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن پاک کی آیت ﴿ يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ ﴾ الآیۃ [سورۂ حجرات: ۲] کے مضمون کی طرف اشارہ کیا، جس کا ترجمہ یہ ہے: ''اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اونچی نہ کرو اور نہ اُن سے ایسے زور سے گفتگو کرو، جیسا کہ آپس میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہیں (ایسا نہ ہو کہ اس سے) تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو''۔

نمبر اکتیس [۳۱] پر یہ مضمون تفصیل سے گزر چکا ہے، اس کے بعد امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ پھر اس دور کا تصور کرو جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی جماعت یہاں حاضر تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مُشاہدہ[5] اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت کلام کے سننے سے مستفید[6] ہوتے تھے۔

چمن کے تخت پر جس دم شہِ[7] گل کا تجمّل[8] تھا — ہزاروں بُلبلوں کی فوج تھی اک شور تھا غُل تھا
جب آئے دن خزاں[9] کے کچھ نہ تھا جُز خار[10] گلشن میں — بتاتا باغباں[11] رو رو یہاں غنچہ[12]، یہاں گُل[13] تھا

اس کے بعد اس پر افسوس اور رنج وغم کرو کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی بھی زیارت سے محروم رہ گیا اور دنیا میں تو یہ محرومی ہو ہی گئی، آخرت کا حال معلوم نہیں کیا ہو؟ زیارتِ اقدس شوق سے نصیب ہوتی ہے یا حسرت[14] سے کہ کہیں دربار سے ہٹا نہ دیا جاؤں اور اپنی بداعمالیاں حاضری میں مانع[15] نہ بن جائیں، اس لیے کہ حدیثِ پاک میں آیا ہے کہ ''قیامت میں بعض آدمی میرے پاس سے ہٹا دیے جائیں گے، میں کہوں گا کہ یہ تو میرے ساتھی ہیں، تو جواب ملے گا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ

حل لغات: (۱) انتقال۔ (۲) حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما۔ (۳) سنجیدگی۔ (۴) برباد۔ (۵) دیکھنا۔ (۶) فائدہ حاصل کرنے والے۔ (۷) پھولوں کے بادشاہ۔ (۸) خوبصورتی۔ (۹) پت جھڑ۔ (۱۰) باغ کانٹا۔ (۱۱) باغ کی حفاظت کرنے والا۔ (۱۲) کلی۔ (۱۳) پھول۔ (۱۴) افسوس۔ (۱۵) رکاوٹ۔

زیارتِ مدینہ

تمہارے بعد انھوں نے کیا کیا''؟ بس اگر تم نے حضور ﷺ کی شریعتِ مُطَہَّرہ[1] کے احترام کی خلاف ورزی کی، تو اس سے بےفکر نہ رہو کہ کسی وقت یہ بے راہی[2] تمہارے اور حضور ﷺ کے درمیان حائل[3] نہ ہو جائے اور اس کے ساتھ ہی اللہ کی پاک ذات سے اُمیدیں وابستہ رکھو کہ جب اس نے دنیا میں اتنے دور وطن سے اس دربار کی حاضری کی سعادت نصیب فرمائی تو اس کے لُطف و کرم سے بعید[4] نہیں کہ آخرت کی بابرکت زیارت سے محروم نہ فرمائے گا، حق تعالیٰ شانہٗ اس سعادت سے اس سیہ کار[5] کو بھی نوازدے۔ آمین۔ یَا رَبَّ[6] الْعَالَمِیْنَ بِوَسِیْلَةِ نَبِیِّكَ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ ﷺ۔

(۶۱) جب زیارت سیّدُ الانسِ والجانّ[7] فخرِ عالم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام اور زیارت مشاہدِ مُتبرّکہ[8] سے فراغت کے بعد واپسی کا ارادہ ہو، تو ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ مسجد نبوی میں دو رکعت نفل الوداعی پڑھے اور روضہ میں ہو تو بہتر ہے، اس کے بعد قبرِ اطہر پر اَلْوَدَاعِی سلام کے لیے حاضر ہو، صلوٰۃ و سلام کے بعد اپنی ضروریات کے لیے دعائیں کرے اور حج و زیارت کے قبول کی دعائیں کرے اور خیر و عافیت کے ساتھ وطن پہونچنے کی دعا کرے اور یہ دعا کرے کہ یہ حاضری آخری نہ ہو، پھر بھی اس پاک دربار کی حاضری نصیب ہو، اور اس کی کوشش کرے کہ رخصت کے کچھ آنسو نکل آئیں کہ یہ قبولیت کی علامات میں سے ہے، پھر رونا نہ آوے تب بھی رونے والوں کی سی صورت کے ساتھ حسرت و رنج و غم ساتھ لیے ہوئے واپس ہو اور چلتے وقت بھی کچھ صدقہ جو مُیسّر[9] ہو کرے اور سفر سے واپسی کے وقت جو دعائیں احادیث میں وارد ہوئی ہیں وہ پڑھتے ہوئے اور واپسی سفر کے آداب کی رعایت کرتے ہوئے واپس ہو۔

اُٹھ کے ثاقب گو چلا آیا ہوں اس کی بزم سے | دل کی تسکین کا مگر ساماں اُسی محفل میں ہے

اپنی نااہلیت[10] سے حاضری کے آداب پورے نہ لکھ سکا، نمونہ کے طور پر چند آداب لکھ دیے ہیں، ناظرین[11] اس سے اندازہ لگائیں اور دو اُصول کے تحت میں شریعتِ مُطَہَّرہ کے دائرہ کے اندر رہ کر جو کچھ کر سکتے ہوں، کسر[12] نہ چھوڑیں۔ اوّل ادب و احترام، دوسرے شوق و ذوق۔

اس کے بعد زائرین[13] کے چند واقعات پر اس فصل کو ختم کرتا ہوں کہ ان کے حالات بھی نمونہ اور اُسوہ ہیں، عَتبی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قصہ اور اس کے علاوہ چند واقعات اس سے پہلی فصل کے ختم پر بھی گذر چکے ہیں۔

حلِ لغات: (۱) پاک۔ (۲) گمراہی۔ (۳) رکاوٹ۔ (۴) دور۔ (۵) گنہگار۔ (۶) اے تمام عالم کے رب! اپنے نبی رسولوں کے سردار کے وسیلے سے قبول فرما۔ (۷) انسان و جنات کے سردار۔ (۸) بابرکت جگہیں۔ (۹) موجود ہو، ملے۔ (۱۰) کمی۔ (۱۱) دیکھنے والے یعنی کتاب پڑھنے والے۔ (۱۲) کمی نہ کریں۔ (۱۳) زیارت کرنے والے۔

(۱) حضرت اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ مشہور تابعی ہیں، سیّد التابعین[1] ان کا لقب ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ انھوں نے پایا ہے، مگر ماں کی خدمت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری سے قاصر رہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن کے متعلق نقل کیا گیا کہ بہترین تابعی اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ایک روایت میں ان کے متعلق آیا ہے کہ اگر وہ کسی بات پر قسم کھالیں، تو اللہ جلّ شانہٗ اس کو پورا کریں۔ ایک حدیث میں اُن کے متعلق آیا ہے کہ جو اُن سے ملے، ان سے اپنے لیے مغفرت کی دعا کرائے۔ ایک حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان سے اپنے لیے استغفار کرائیں۔ بڑے فضائل اُن کے احادیث[2] میں وارد ہیں۔ جنگِ صِفّین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت[3] میں شہید ہوئے۔ [اصابہ] جب حج کیا اور مدینہ طیبہ کی حاضری پر مسجد نبوی میں داخل ہوئے، تو کسی نے اشارہ سے بتایا کہ یہ ہے قبرِ اطہر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی، تو بے ہوش ہو کر گر پڑے، جب غشی[4] سے افاقہ[5] ہوا تو فرمانے لگے کہ مجھے لے چلو، مجھے اس شہر میں چین نہیں ہے، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدفون[6] ہوں۔ [اتحاف]

(۲) ایک بدّو قبرِ اطہر پر حاضر ہوئے اور کھڑے ہو کر عرض کیا: یا اللہ! تُو نے غُلاموں کے آزاد کرنے کا حکم دیا ہے، یہ تیرے محبوب ہیں اور میں تیرا غلام ہوں، اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر مجھ غُلام کو آگ سے آزادی عطا فرما، غیب سے ایک آواز آئی کہ تم نے اپنے تنہا کے لیے آزادی مانگی، تمام آدمیوں کے لیے آزادی کیوں نہ مانگی؟ ہم نے تمھیں آگ سے آزادی عطا کی۔ [مواہب]

(۳) اَصمعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک بدّو قبر شریف کے سامنے آکر کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یا اللہ! یہ آپ کے محبوب ہیں اور میں آپ کا غُلام اور شیطان آپ کا دشمن، اگر آپ میری مغفرت فرمادیں تو آپ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا دل خوش ہو، آپ کا غُلام کامیاب ہو جائے اور آپ کے دشمن کا دل تلملانے لگے؛ اور اگر آپ مغفرت نہ فرمائیں، تو آپ کے محبوب کو رنج[7] ہو اور آپ کا دشمن خوش ہو اور آپ کا غلام ہلاک ہو جائے، یا اللہ! عرب کے کریم لوگوں کا دستور[8] یہ ہے کہ جب ان میں کوئی بڑا سردار مر جائے، تو اس کی قبر پر غُلاموں کو آزاد کیا کرتے ہیں اور یہ پاک ہستی سارے جہانوں کی سردار ہے، تو اس کی قبر پر مجھے آگ سے آزادی عطا فرما۔ اصمعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا کہ اے عربی شخص! اللہ جلّ شانہٗ نے تیرے اس بہترین سوال پر (ان شاء اللہ) تیری ضرور بخشش کر دی۔ [مواہب]

(۴) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت حاتم اَصم بلخی رحمۃ اللہ علیہ جو مشہور صوفیہ میں ہیں، کہتے ہیں کہ تیس ۳۰ برس تک ایک قُبّہ[9] میں انھوں نے چِلّہ[10] کیا تھا کہ بے ضرورت کسی سے بات نہیں کی،

حل لغات: (۱) تابعین (صحابہ کے شاگردوں) کے سردار۔ (۲) حدیثوں۔ (۳) ساتھ دینا۔ (۴) بے ہوشی۔ (۵) آرام ملا۔ (۶) دفن۔ (۷) تکلیف، غم۔ (۸) معمول۔ (۹) گنبد نما عمارت۔ (۱۰) چالیس دن تک تنہائی اختیار کرنا۔

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر حاضر ہوئے، تو اتنا ہی عرض کیا کہ اے اللہ! ہم لوگ تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت کو حاضر ہوئے، تو ہمیں نامُراد واپس نہ کیجیو، غیب سے ایک آواز آئی کہ ہم نے تمہیں اپنے محبوب کی قبر کی زیارت نصیب ہی اس لیے کی کہ اس کو قبول کریں، جاؤ! ہم نے تمہارے اور تمہارے ساتھ جتنے حاضرین ہیں سب کی مغفرت کردی۔ [زرقانی علی المواہب] بعض اوقات الفاظ چاہے کتنے ہی مختصر ہوں، جب اخلاص سے نکلتے ہیں تو وہ سیدھے پہونچتے ہیں۔

⑤ شیخ ابراہیم بن شَیبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حج سے فراغت پر مدینہ منورہ حاضر ہوا اور قبر اطہر پر حاضر ہو کر میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کیا، تو حجرہ شریف کے اندر سے میں نے ''وَعَلَيْكَ السَّلَامُ'' جواب میں سنا۔ [قول بدیع]

⑥ علامہ قَسطَلانی رحمۃ اللہ علیہ جو مشہور محدث ہیں، مواہبِ لَدُنیہ میں لکھتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ اس قدر سخت بیمار ہوا کہ طبیب[1] علاج سے عاجز ہو گئے اور کئی سال تک مسلسل بیمار چلا گیا، میں نے ایک مرتبہ اٹھائیس ۲۸ جمادی الاولیٰ ۸۹۳ھ کو جب کہ میں مکّہ مکرّمہ میں حاضر تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کی، اس کے بعد میں سو رہا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک آدمی ہیں، جن کے ہاتھ میں ایک کاغذ ہے، جس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ یہ دَوا احمد ابن القسطلانی کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے عطا ہوئی ہے، میں خواب سے جاگا تو مرض کا اثر تک بھی نہ تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ۸۸۵ھ میں مجھے ایک واقعہ اور پیش آیا کہ میں قبر شریف کی زیارت سے واپس ہو رہا تھا کہ راستہ میں ایک حبشی ہرن نے میری خادمہ کے ٹکّر ماری، جس سے وہ گر گئی اور کئی دن تک سخت تکلیف رہی، میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے اس کے لیے دعائے صحت کی، تو خواب میں دیکھا کہ ایک شخص ہیں جن کے ساتھ ایک جن ہے، جس نے ہرن کی صورت میں خادمہ کو ٹکرایا تھا، وہ صاحب کہنے لگے کہ اس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے پاس بھیجا ہے، میں نے اس جن کو ملامت[2] کی اور اس کی قسم دی کہ پھر کہیں ایسی حرکت نہ کرنا، اس کے بعد جو میری آنکھ کھلی تو اس خادمہ پر کچھ بھی اثر تکلیف کا نہ تھا۔ [مواہب]

⑦ حضرت ابراہیم خَواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک سفر میں پیاس سے اس قدر بے چین ہوا کہ چلتے چلتے پیاس کی شدت سے بے ہوش ہو کر گر گیا، کسی نے میرے منہ پر پانی ڈالا، میں نے جو آنکھیں کھولیں تو ایک شخص حسین چہرہ، نہایت خوبصورت گھوڑے پر سوار کھڑا ہے، اس نے مجھے پانی پلایا اور کہا کہ میرے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو جاؤ، تھوڑی دیر چلے تھے، وہ کہنے لگے: یہ کیا آبادی ہے؟ میں نے

حل لغات: ① حکیم، ڈاکٹر۔ ② بُرا بھلا کہنا۔

کہا: یہ تو مدینہ منورہ آ گیا، کہنے لگے: اُتر جاؤ اور جب روضہ اقدس پر حاضر ہو، تو یہ عرض کر دینا کہ آپ کے بھائی خضر نے بھی سلام عرض کیا ہے۔ [روض:۹۰]

(۸) شیخ ابوالخیر اَقطع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ مدینہ طیبہ حاضر ہوا اور پانچ[۵] دن ایسے گزر گئے کہ کھانے کو کچھ بھی نہ ملا، کوئی چیز چکھنے کی بھی نوبت نہ آئی، میں قبر اطہر پر حاضر ہوا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما پر سلام عرض کر کے میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں آج رات کو حضور کا مہمان بنوں گا، یہ عرض کر کے وہاں سے ہٹ کر منبر شریف کے پیچھے جا کر سو گیا، میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، دائیں جانب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور بائیں جانب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سامنے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھ کو بلایا اور فرمایا: دیکھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں، میں اُٹھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک روٹی مرحمت فرمائی، میں نے آدھی کھائی اور جب میری آنکھ کھلی تو آدھی میرے ہاتھ میں تھی۔ [روض، وفاء] اسی قسم کا ایک قصہ شیخ ابن جلاء رحمۃ اللہ علیہ کا نمبر بائیس[۲۲] پر آ رہا ہے۔

(۹) اَبدال[۱] میں سے ایک شخص نے حضرت خضر علیہ السلام سے دریافت کیا کہ تم نے اپنے سے زیادہ مرتبہ والا بھی کوئی ولی دیکھا؟ فرمانے لگے: ہاں دیکھا ہے، میں ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں حاضر تھا، میں نے امام عبدالرزاق محدث رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ وہ احادیث سنا رہے ہیں اور مجمع ان کے پاس احادیث سن رہا ہے اور مسجد کے ایک کونہ میں ایک جوان گھٹنوں پر سر رکھے علیحدہ[۲] بیٹھا ہے، میں نے اس جوان سے کہا: تم دیکھتے نہیں کہ مجمع حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں سُن رہا ہے، تم ان کے ساتھ شریک نہیں ہوتے؟ اس جوان نے نہ تو سر اُٹھایا، نہ میری طرف التفات کیا اور کہنے لگا کہ اُس جگہ وہ لوگ ہیں، جو رزّاق کے عبد[۳] سے حدیثیں سنتے ہیں اور یہاں وہ ہیں جو خود رزّاق سے سنتے ہیں نہ کہ اس کے عبد سے، حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: اگر تمہارا کہنا حق ہے تو بتاؤ کہ میں کون ہوں؟ اس نے اپنا سر اُٹھایا اور کہنے لگا کہ اگر فراست صحیح ہے تو آپ خضر علیہ السلام ہیں، حضرت خضر علیہ السلام فرماتے ہیں: اس سے میں نے جانا کہ اللہ جلّ شانہٗ کے بعض ولی ایسے بھی ہیں، جن کے عُلُوِّمرتبہ[۴] کی وجہ سے میں ان کو نہیں پہچانتا، حق تعالیٰ شانہٗ ان سے راضی ہو اور ہم کو بھی ان سے نفع پہونچائے آمین۔ [روض]

(۱۰) ایک بزرگ فرماتے ہیں ہم مدینہ منورہ میں حاضر تھے اور ان کرامات کا تذکرہ کر رہے تھے، جو اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے سے تعلق رکھنے والوں کو عطا فرمائی ہیں، ایک نابینا ہمارے قریب بیٹھے ہوئے ہماری باتیں سُن رہا تھا، وہ آگے بڑھا اور کہنے لگا کہ مجھے تمہاری باتوں سے اُنس[۵] ہوا، ایک بات سنو! میں

حل لغات: (۱) ولیوں کے ایک مقامات کا ایک درجہ۔ (۲) الگ۔ (۳) بندہ۔ (۴) مرتبہ کی بلندی۔ (۵) دلچسپی۔

عیال(۱) دار آدمی تھا، بقیع میں لکڑیاں کاٹنے جایا کرتا تھا، میں نے ایک مرتبہ وہاں ایک نوجوان کو دیکھا کہ اس پر کتّان(۲) کا کُرتا ہے، ہاتھ میں جوتے لے رکھے ہیں، میں نے خیال کیا کہ کوئی پاگل ہے، میں نے اس کے کپڑے چھیننے کا ارادہ کیا اور اس سے کہا کہ اپنے کپڑے اُتار دے، اس نے کہا: جا! اللہ کی حفاظت میں چلا جا، میں نے دوبارہ سہ بارہ اسی طرح تقاضا کیا، اس نے کہا کہ میرے کپڑے ضرور ہی لے گا؟ میں نے کہا: اس کے بغیر چارہ نہیں، اس نے دو انگلیوں سے میری آنکھوں کی طرف اشارہ کیا، وہ دونوں نکل کر باہر گر پڑیں، میں نے کہا: تجھے خدا کی قسم! تُو یہ تو بتادے کہ تو کون ہے؟ وہ کہنے لگا کہ میں ابراہیم خوّاص ہوں۔ صاحب روض کہتے ہیں کہ حضرت خوّاص رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے لٹیرے پر اندھے ہونے کی بددُعا کی اور حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے اس سپاہی کے لیے جس نے ان کو پیٹا تھا، جنت کی دعا کی، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت خواص رحمۃ اللہ علیہ نے چور کی حالت سے یہ اندازہ فرمالیا تھا کہ وہ بغیر سزا کے توبہ نہیں کرے گا اور حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کو یہ اندازہ ہوا کہ سزا سے وہ توبہ نہ کرے گا، اس لیے اس پر دعا کا احسان کیا، جس کی برکت سے اس کو توبہ نصیب ہوئی اور جب وہ معافی چاہنے کے لیے معذرت(۳) کے طور پر حاضر ہوا تو حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو سَر معذرت کا محتاج تھا، وہ میں بلخ میں چھوڑ آیا۔ [روض]

(۱۱) ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں تھا، میرے پاس ایک یمن کے رہنے والے بزرگ آئے اور فرمایا کہ میں تمہارے لیے ایک ہدیہ لایا ہوں، اس کے بعد انہوں نے ایک دوسرے صاحب سے جو اُن کے ساتھ تھے، کہا کہ اپنا قصہ ان کو سناؤ، انہوں نے اپنا یہ قصہ سنایا کہ جب میں حج کے ارادہ سے صَنعاء سے چلا، تو بڑا مجمع(۴) مجھے باہر تک رخصت کرنے کے واسطے آیا اور رخصت کرتے وقت ایک شخص نے ان میں سے مجھ سے کہہ دیا کہ جب تم مدینہ طیبہ حاضر ہو تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی خدمات میں میرا بھی سلام عرض کردینا، میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا اور اس آدمی کا سلام عرض کرنا بھول گیا، جب مدینہ طیبہ سے رخصت ہوکر پہلی منزل ذُوالحلیفہ پر پہونچا اور احرام باندھنے لگا، تو مجھے اس شخص کا سلام یاد آیا، میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میرے اونٹ کا بھی خیال رکھنا، مجھے مدینہ طیبہ واپس جانا پڑ گیا، ایک چیز بھول آیا، ساتھیوں نے کہا کہ اب قافلہ کی روانگی کا وقت ہے، تم پھر مکہ تک بھی قافلہ کو نہ پاسکوگے، میں نے کہا کہ تُو میری سواری کو بھی اپنے ساتھ لیتے جانا، یہ کہہ کر میں مدینہ طیبہ لوٹ آیا اور روضۂ اقدس پر حاضر ہوکر اس شخص کا سلام میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی خدمت میں پہونچایا، اس وقت رات ہوچکی تھی، میں مسجد سے باہر نکلا، تو ایک

حل لغات: (۱) بال بچے والا۔ (۲) ایک قسم کا قیمتی باریک کپڑا۔ (۳) معافی۔ (۴) بہت لوگ۔

زیارت مدینہ

آدمی ذُوالحُلَیفَہ کی طرف سے آتا ہوا ملا، میں نے اس سے قافلہ کا حال پوچھا: اس نے کہا کہ وہ روانہ ہو چکا، میں مسجد میں لوٹ آیا اور یہ خیال ہوا کہ کوئی دوسرا قافلہ کسی وقت جاتا ہوا ملے گا، تو اس کے ساتھ روانہ ہو جاؤں گا، میں رات کو سو گیا، اخیر شب میں مَیں نے حضورِ اقدس ﷺ اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی زیارت کی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضورِ اقدس ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ شخص ہے، حضور ﷺ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اَبوالوفاء! میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میری کنیت تو ابوالعبّاس ہے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم اَبوالوفاء ہو (یعنی وفادار) اس کے بعد حضور ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے مسجدِ حرام (یعنی مکّہ مکرّمہ کی مسجد) میں رکھ دیا، میں مکّہ مکرّمہ میں آٹھ دن تک مقیم رہا، اس کے بعد میرے ساتھیوں کا قافلہ مکّہ مکرّمہ پہونچا۔ [روض]

(۱۲) ابوعمران واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مکّہ مکرّمہ سے حضورِ اقدس ﷺ کی قبرِ اطہر کی زیارت کے ارادہ سے چلا۔ جب میں حرم سے باہر نکلا، مجھے اتنی شدید پیاس لگی کہ میں اپنی زندگی سے مایوس ہو گیا، میں اپنی جان سے نا اُمید ہو کر ایک کیکر (ببول) کے درخت کے نیچے بیٹھ گیا، دفعتۃً ایک شہ سوار[۱] سبز[۲] گھوڑے پر سوار میرے پاس پہونچے، اس گھوڑے کا لگام بھی سبز تھا، زِین بھی سبز تھی اور سوار کا لباس بھی سبز تھا، ان کے ہاتھ میں سبز گلاس تھا، جس میں سبز ہی رنگ کا شربت تھا، وہ انہوں نے مجھے پینے کے لیے دیا، میں نے تین مرتبہ پیا، مگر اس گلاس میں سے کچھ کم نہ ہوا، پھر انہوں نے مجھ سے دریافت[۳] کیا کہ تم کہاں جا رہے ہو؟ میں نے کہا کہ مدینہ طیبہ حاضری کا ارادہ ہے، تاکہ حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں سلام کروں اور حضور ﷺ کے دونوں ساتھیوں کو سلام کروں، انہوں نے فرمایا کہ جب تم مدینہ پہونچ جاؤ اور حضور ﷺ کی اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی خدمت میں سلام کر چکو تو یہ عرض کر دینا کہ رِضوان آپ تینوں حضرات کی خدمت میں سلام عرض کرتے تھے۔ [روض] رِضوان اس فرشتہ کا نام ہے جو جنّت کے ناظم ہیں۔

(۱۳) سید احمد رِفاعی رحمۃ اللہ علیہ مشہور بزرگ اکابر[۴] صوفیہ میں ہیں، اُن کا قصہ مشہور ہے کہ جب ۵۵۵ھ میں حج سے فارغ ہو کر زیارت کے لیے حاضر ہوئے اور قبرِ اطہر کے مقابل کھڑے ہوئے تو یہ دو شعر پڑھے:

فِيْ حَالَةِ الْبُعْدِ رُوْحِيْ كُنْتُ أُرْسِلُهَا　　تُقَبِّلُ الْأَرْضَ عَنِّيْ وَهِيَ نَائِبَتِيْ

وَهٰذِهٖ دَوْلَةُ الْأَشْبَاحِ قَدْ حَضَرَتْ　　فَامْدُدْ يَمِيْنَكَ كَيْ تَحْظٰى بِهَا شَفَتِيْ

ترجمہ: دوری کی حالت میں میں اپنی روح کو خدمتِ اقدس بھیجا کرتا تھا، وہ میری نائب بن کر آستانۂ[۵] مبارک چومتی تھی، اب جسموں کی حاضری کی باری آئی ہے، اپنا دستِ مبارک عطا کیجئے تاکہ میرے

حل لغات: (۱) سواری کا ماہر۔ (۲) ہرے۔ (۳) پوچھا۔ (۴) کبیر کی جمع یعنی بزرگوں۔ (۵) روضہ شریف کا دروازہ۔

ہونٹ اس کو چومیں۔

اس پر قبر شریف سے دستِ مبارک باہر نکلا اور انھوں نے اس کو چوما۔ (الحاوی للسیوطی) کہا جاتا ہے کہ اس وقت تقریباً نوّے ہزار کا مجمع مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تھا، جنھوں نے اس واقعہ کو دیکھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کی زیارت کی، جن میں حضرت محبوبِ سُبحانی قطبِ ربّانی شیخ عبدالقادر جیلانی نَوَّرَ اللہُ مَرْقَدَہٗ کا نام نامی بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ [البنیان المشید]

(۱۴) سید نور الدین ایجی شریف عفیف الدین رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد کے متعلق لکھا ہے کہ جب وہ روضۂ مقدسہ پر حاضر ہوئے اور عرض کیا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ، تو سارے مجمع نے جو وہاں حاضر تھا، سُنا کہ قبر شریف سے وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا وَلَدِيْ کا جواب ملا۔ [الحاوی]

(۱۵) شیخ ابو نصر عبدالواحد بن عبدالملک بن محمد بن ابی سعد الصوفی الکرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حج سے فراغت کے بعد زیارت کے لیے حاضر ہوا، حجرۂ شریفہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ شیخ ابو بکر دیار بکری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور مواجہ[1] شریفہ کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کیا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ۔ تو میں نے حجرۂ شریفہ کے اندر سے یہ آواز سُنی وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا أَبَا بَكْرٍ۔ اور اس کو سب لوگوں نے جو اس وقت حاضر تھے؛ سنا۔ [الحاوی]

(۱۶) یوسف بن علی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک ہاشمی عورت مدینہ طیبہ میں رہتی تھی اور بعض خُدّام[2] اس کو ستایا کرتے تھے، وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں فریاد لے کر حاضر ہوئی، تو روضۂ شریفہ سے یہ آواز آئی: أَمَا لَكِ فِيَّ أُسْوَةٌ، فَاصْبِرِيْ كَمَا صَبَرْتُ أَوْنَحْوَ هٰذَا۔ ''کیا تیرے لیے میرے اتباع میں رغبت نہیں؟ جس طرح میں نے صبر کیا تُو بھی صبر کر۔'' وہ عورت کہتی ہیں کہ اس آواز کے بعد جس قدر کوفت[3] مجھے تھی، وہ سب جاتی رہی اور وہ تینوں خادم جو مجھے ستایا کرتے تھے، مر گئے۔ [الحاوی]

(۱۷) حضرت علی کَرَّمَ اللہُ وَجْہَہٗ سے منقول ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن سے فارغ ہوئے، تو ایک بدّو حاضر ہوئے اور قبر اطہر پر پہونچ کر گر گئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے جو کچھ ارشاد فرمایا: وہ ہم نے سنا اور جو اللہ جلّ شانہٗ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہونچا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو محفوظ فرمایا تھا، اس کو ہم نے محفوظ کیا، اس چیز میں جو آپ پر اللہ جلّ شانہٗ نے نازل کی (یعنی قرآن پاک) یہ وارد[4] ہے: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۝﴾ [سورۂ نساء:۶۴] ترجمہ: اگر یہ لوگ جب انھوں نے اپنے نفس پر ظلم

حل لغات: (۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ کی کھڑکی جہاں سلام پڑھا جاتا ہے۔ (۲) خادم کی جمع، خدمت کرنے والے۔ (۳) تکلیف۔ (۴) آیا ہے۔

کرلیا تھا، آپ کے پاس آجاتے اور آکر اللہ جلّ شانہٗ سے معافی مانگ لیتے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ان کے لیے معافی مانگتے، تو ضرور حق تعالیٰ شانہٗ کو توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا پاتے۔ اس کے بعد اس بدّو نے کہا: بے شک میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے اور اب میں آپ کے پاس مغفرت کا طالب بن کر حاضر ہوا ہوں، اس پر قبر اطہر سے آواز آئی کہ بے شک تمہاری مغفرت ہوگئی۔ [حاوی]

(۱۸) حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب دشمنوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو محصور کر رکھا تھا، میں ان کی خدمت میں سلام کے لیے حاضر ہوا، تو فرمانے لگے: بھائی بہت اچھا کیا آئے، میں نے اس کھڑکی میں سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عثمان! تمہیں ان لوگوں نے محصور[۱] کر رکھا ہے، میں نے عرض کیا: جی کر رکھا ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہیں پیاسا کر رکھا ہے (کہ ان لوگوں نے پانی اندر جانا بند کر دیا تھا) میں نے عرض کیا: جی ہاں! اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈول پانی کا لٹکایا، جس میں سے میں نے پانی پیا، اس پانی کی ٹھنڈک اب تک میرے دونوں شانوں[۲] اور دونوں چھاتیوں کے درمیان میں محسوس ہو رہی ہے، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم چاہو تو ان کے مقابلہ میں تمہاری مدد کی جائے اور تمہارا دل چاہے، تو یہاں ہمارے پاس ہی آکر افطار کر لینا، میں نے عرض کر دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خدمت میں حاضری ہی چاہتا ہوں، اسی دن شہید کر دیے گئے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ [حاوی]

(۱۹) مکہ مکرمہ میں ایک بزرگ جن کو ابن ثابت کہا جاتا تھا، رہتے تھے، ساٹھ ۶۰ سال تک ہر سال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے بھی حاضر ہوا کرتے تھے اور زیارت کر کے واپس آجاتے۔ ایک سال کسی عارض[۳] کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے، کچھ غنودگی[۴] کی حالت میں اپنے حجرہ میں بیٹھے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابن ثابت! تم ہماری ملاقات کو نہ آئے، اس لیے ہم تم سے ملنے آئے ہیں۔ [حاوی]

(۲۰) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں قحط پڑا، ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہلاک ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ سے بارش مانگ دیجیے، انہوں نے خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، ارشاد فرمایا کہ عمر سے میرا سلام کہہ دو اور یہ کہہ دو کہ بارش ہوگی اور یہ بھی کہہ دینا کہ (عَلَيْكَ الْكَيْسَ الْكَيْسَ) ہوش مندی اور ہوشیاری کو مضبوط پکڑیں، وہ شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پیام پہونچایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سن کر رونے لگے اور عرض کیا: یا اللہ! میں اپنی قدرت کے بقدر تو کوتاہی[۵] نہیں کرتا۔ [وفاء الوفاء]

حل لغات: (۱) گھیرنا۔ (۲) کاندھا۔ (۳) مجبوری۔ (۴) اونگھ۔ (۵) کمی۔

زیارت مدینہ

(۴۱) محمد بن المُنکدِر کہتے ہیں کہ ایک شخص نے میرے والد کے پاس اَسّی اشرفیاں امانت رکھیں اور یہ کہہ کر جہاد میں چلا گیا کہ اگر ضرورت پڑے تو خرچ کر لینا، میں واپس آ کر لے لوں گا، ان کے جانے کے بعد مدینہ منورہ میں تنگی زیادہ پیش آئی، میرے والد نے وہ خرچ کر ڈالیں، جب وہ صاحب واپس آئے، تو انہوں نے اپنی رقم طلب کی، والد صاحب نے کل کا وعدہ کر لیا اور رات کو قبرِ اطہر پر حاضر ہو کر عاجزی کی، کبھی قبر شریف کے قریب دعا کرتے، کبھی منبر شریف کے مُتصل[۱]، تمام رات یوں ہی گذر گئی، صبح کے قریب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کے قریب دعا کر رہے تھے کہ اندھیرے میں ایک شخص کی آواز سُنی، وہ کہہ رہے ہیں: ابو محمد! یہ لے لو، میرے والد نے ہاتھ بڑھایا، تو انہوں نے ایک تھیلی دی، جس میں اَسّی اشرفیاں تھیں۔ [وفاء]

(۴۲) ابو بکر بن المُقری کہتے ہیں کہ میں اور امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ اور ابو الشیخ رحمۃ اللہ علیہ مدینہ طیبہ میں حاضر تھے، کھانے کو کچھ ملا نہیں، روزہ پر روزہ رکھا، جب رات ہوئی عشاء کے قریب میں قبرِ اطہر پر حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! بھوک، یہ عرض کر کے میں لوٹ آیا، مجھ سے ابو القاسم [طبرانی] کہنے لگے کہ بیٹھ جاؤ، یا تو کچھ کھانے کو آئے گا یا موت آئے گی، ابن المُنکدِر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں اور ابو الشیخ تو کھڑے ہو گئے، طَبرانی وہیں بیٹھے کچھ سوچتے رہے کہ دفعۃً ایک عَلوی[۲] نے دروازہ کھٹکھٹایا، ہم نے کواڑ کھولے تو اُن کے ساتھ دو غلام تھے اور ان دونوں کے ہاتھ میں ایک ایک بہت بڑی زنبیل[۳] تھی، جس میں بہت کچھ تھا، ہم تینوں نے کھایا، خیال تھا کہ یہ بچا ہوا یہ غلام کھائیں گے، مگر وہ سب کچھ وہیں چھوڑ گئے اور وہ عَلوی کہنے لگے کہ تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی، میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ میں تمہارے پاس کچھ پہونچاؤں۔ [وفاء]

(۴۳) ابن جلاء رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا۔ مجھ پر فاقہ تھا، میں قبر شریف کے قریب حاضر ہوا اور عرض کیا: حضور! میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان ہوں، مجھے کچھ غنودگی سی آ گئی تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک روٹی مرحمت[۴] فرمائی، میں نے آدھی کھائی اور جب میں جاگا تو آدھی میرے ہاتھ میں تھی۔ [وفاء] اس سے قبل نمبر آٹھ پر شیخ ابو الخیر اَقطَع کا قصہ اس جیسا گذر چکا، وہ دوسرا قصہ ہے۔

(۴۴) صوفی ابو عبد اللہ محمد بن ابی ذرعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد اور ابو عبد اللہ بن خَفیف رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مکہ مکرمہ حاضر ہوا، بڑی سخت تنگی تھی، فاقہ بہت سخت ہو گیا تھا، اسی حالت میں ہم مدینہ

حل لغات: (۱) لگ کر۔ (۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وہ نسل جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ بیویوں سے ہے۔ (۳) بڑا جھولا۔ (۴) عطا۔

طیبہ حاضر ہوئے اور خالی پیٹ ہی رات گذاری، میں اس وقت تک نابالغ تھا، بار بار والد کے پاس جاتا اور جا کر بھوک کی شکایت کرتا، میرے والد اُٹھ کر قبر شریف کے قریب حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں آج آپ کا مہمان ہوں، یہ عرض کر کے وہیں مُراقبہ میں بیٹھ گئے، تھوڑی دیر بعد مُراقبہ سے سَر اُٹھایا اور سَر اُٹھانے کے بعد کبھی رونے لگتے، کبھی ہنسنے لگتے، کسی نے اس کا سبب پوچھا: تو کہنے لگے کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کی زیارت کی، آپ ﷺ نے میرے ہاتھ میں چند دِرم رکھ دیے، ہاتھ کھولا تو اس میں درم رکھے ہوئے تھے، صوفی جی کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانُہٗ نے ان میں اتنی برکت فرمائی کہ ہم نے شیراز[1] لوٹنے تک اسی میں سے خرچ کیا۔ [وفاء]

(۲۵) شیخ احمد بن محمد صوفی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں جنگل میں تین ماہ تک حیران پریشان پھرتا رہا، میرے بدن کی کھال بھی چھل گئی، میں اسی میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا اور روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر حضور ﷺ کی خدمت میں اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی خدمت میں سلام عرض کیا، اس کے بعد میں سو گیا، میں نے حضور اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت کی، ارشاد فرمایا: احمد! تم آئے، میں نے عرض کیا کہ جی حضور حاضر ہوا ہوں اور میں بھوکا بھی ہوں، آپ کا مہمان ہوں، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے دونوں ہاتھ کھولو، میں نے دونوں ہاتھ کھول دیے، حضور ﷺ نے ان کو دراہم سے بھر دیا، میری جب آنکھ کھلی تو دونوں ہاتھ دراہم سے بھرے ہوئے تھے، میں نے اسی وقت روٹی اور فالودہ[2] خریدا اور کھا کر جنگل چل دیا۔ [وفاء]

(۲۶) ثابت بن احمد ابوالقاسم بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انھوں نے ایک مؤذن کو دیکھا کہ وہ مدینہ پاک میں مسجد نبوی میں صبح کی اذان دے رہے تھے، اذان میں مؤذن نے کہا: ''اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ''، تو ایک خادم نے آ کر ان کے تھپڑ مار دیا، وہ مؤذن رویا اور عرض کرنے لگا: یارسول اللہ! آپ کی موجودگی میں میرے ساتھ یہ ہو رہا ہے، اس خادم پر فالج گر گیا، لوگ اٹھا کر اس کو گھر لے گئے اور تین دن بعد وہ مر گیا۔ [وفاء]

(۲۷) سید ابو محمد عبد السلام حسینی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ میں تھا، تین دن تک کچھ کھانے کی نوبت نہ آئی، میں نے منبر شریف کے قریب جا کر دو رکعت نماز پڑھی، اس کے بعد میں نے کہا: دادے ابا! مجھے بھوک لگ رہی ہے اور میرا ثَرید کھانے کو دل چاہتا ہے، اس کے بعد میں سو گیا، تھوڑی دیر گزری تھی کہ ایک شخص نے آ کر مجھے جگایا اور لکڑی کے ایک پیالے میں ''ثرید[3]'' اس میں خوب گھی اور گوشت اور بہت سی خوشبوئیں پڑی ہوئی تھیں، مجھے دیا، میں نے پوچھا کہ یہ کہاں سے آیا ہے؟ وہ کہنے لگے کہ

حل لغات: (۱) ملک فارس کا ایک شہر۔ (۲) ایک قسم کا قیمتی شاہی کھانا۔ (۳) گوشت میں پکی ہوئی روٹی۔

زیارت مدینہ

میرے بچے تین دن سے اس کا تقاضا کر رہے تھے، آج مجھے کچھ مقدر سے مل گیا تھا، اس لیے میں نے پکایا تھا، پھر پکا کر میں سو گیا، تو میں نے خواب میں حضور اقدس ﷺ کو دیکھا، ارشاد فرما رہے ہیں کہ تیرے ایک بھائی نے اس کی تمنا مجھ سے کی ہے، اس میں سے اس کو بھی کھلانا۔ [وفاء]

(۲۸) شیخ عبد السلام بن ابی القاسم صَقَلّی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھ سے ایک شخص نے بیان کیا کہ میں مدینہ طیبہ میں حاضر تھا، میرے پاس کوئی چیز نہیں تھی، جس سے میں بہت ضعیف ہو گیا، میں حُجرۂ[۱] شریفہ پر حاضر ہوا اور حاضر ہو کر میں نے عرض کیا: اے اوّلین و آخرین کے سردار! میں مصر کا رہنے والا ہوں، میں پانچ مہینہ سے خدمت اقدس میں حاضر ہوں، اللہ جَلَّ شانُہٗ سے اور آپ سے سوال کرتا ہوں کہ کسی ایسے شخص کو متعین فرما دیجیے، جو میرے کھانے کی خبر لے لیا کرے یا میرے جانے کا انتظام کر دے، پھر میں نے اور دعائیں مانگیں اور منبر شریف کے پاس جا کر بیٹھ گیا، دفعۃً میں نے دیکھا کہ ایک شخص حجرۂ شریفہ کے پاس حاضر ہوئے اور کچھ بول رہے ہیں، اس میں اے میرے دادے! اے میرے دادے! بھی کہہ رہے ہیں، پھر وہ صاحب وہاں سے میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر کہا: اُٹھو! میں اُٹھ کر ان کے ساتھ ہو لیا، وہ مجھے ساتھ لے کر بابِ جبرئیل سے نکلے اور بقیع[۲] میں سے نکل کر باہر ایک خیمہ میں لے گئے، اس میں ایک باندی اور ایک غلام تھے، ان سے جا کر کہا: اُٹھو اپنے مہمان کے لیے کھانا تیار کرو، غلام نے لکڑیاں اکٹھی کر کے آگ جلائی اور باندی نے آٹا پیس کر ''مَلَّۃ'' (ایک خاص قسم کی روٹی) تیار کی اور میزبان نے اتنی دیر مجھے باتوں میں لگائے رکھا، جب وہ تیار ہو گئی تو باندی نے لا کر اس کو آدھی آدھی کر کے دو جگہ رکھی، پھر گھی کا ڈبہ لا کر ان دونوں ٹکڑوں پر بہا دیا، اس کے بعد صَیْحانی کھجوریں جو بہت بڑی بڑی اعلیٰ قسم کی کھجوریں ہوتی ہیں؛ وہ بہت سی رکھیں، پھر مجھ سے کہا: کھاؤ! میں نے کھایا، اس نے تقاضا کیا کہ اور کھاؤ، میں نے اور کھایا، پھر اس نے اور تقاضا کیا، میں نے کہا: میرے سردار! میں نے کئی مہینہ سے گیہوں نہیں کھایا تھا اور نہیں کھایا جاتا، اس نے میرے پاس سے جو بچا تھا، وہ بھی اور دوسرا ٹکڑا جو رکھا ہوا تھا وہ ایک زَنبیل[۳] میں رکھا اور دو صاع[۴] کھجور جو تقریباً ساڑھے تین سیر پختہ[۵] ہوئیں، اس زنبیل میں رکھ کر مجھ سے دریافت کیا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ میں نے نام بتایا، کہنے لگے: تمہیں خدا کی قسم! پھر دادے ابّا سے کبھی شکایت نہ کرنا، ان کو اس سے بہت تکلیف ہوتی ہے، جب تک تمہارے جانے کی صورت نکلے؛ اس وقت تک جب تمہیں ضرورت ہوگی کھانا وہیں تمہارے پاس پہونچ جایا کرے گا، یہ کہہ کر اپنے غلام سے کہا کہ یہ زَنبیل لے کر ان کے ساتھ جاؤ اور ان کو مع اس زنبیل کے

حل لغات: (۱) روضہ شریف۔ (۲) مدینہ منورہ کا پرانا قبرستان۔ (۳) بڑا جھولا۔ (۴) ایک پیمانہ جو تقریباً تین کلو ایک سو چوراسی گرام کا وزن۔ (۵) پکے۔

حجرۂ شریفہ تک پہونچا کر آؤ، میں غلام کے ساتھ چلا، بقیع میں پہونچ کر میں نے غلام سے کہا کہ بس میں راستہ پر پہونچ گیا، اب تم واپس چلے جاؤ، غلام نے کہا: اللہ واحد مجھے اس کی قدرت نہیں کہ آپ کو حجرۂ شریفہ تک پہونچانے سے پہلے واپس ہوں، کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میرے سردار کو اس کی خبر نہ کردیں، اس نے مجھے حجرۂ شریفہ تک پہونچایا، میں چار دن تک اس زنبیل سے کھاتا رہا، جب وہ ختم ہوگئی اور مجھے بھوک معلوم ہوئی تو وہی غلام مجھے اور کھانا دے گیا، اسی طرح ہوتا رہا، یہاں تک کہ ایک قافلہ ''ینبوع[1]'' جانے والا تیار ہوگیا اور میں اس کے ساتھ ''ینبوع'' چلا گیا۔ [وفاء]

(۲۹) ابو العباس بن نفیس مُقری رحمۃ اللہ علیہ جو نابینا بھی تھے۔ کہتے ہیں کہ میں تین دن مدینہ طیبہ میں بھوکا رہا، تو میں قبر شریف پر یہ عرض کر کے کہ حضور میں بھوکا ہوں، ضعف کی حالت میں سو گیا، ایک لڑکی آئی اور پاؤں سے مجھے حرکت دے کر جگایا اور کہا: چلو، میں ساتھ ہولیا، وہ اپنے گھر لے گئی اور گیہوں کی روٹی اور گھی اور کھجوریں میرے سامنے رکھ کر کہنے لگی کہ ابو العباس کھاؤ، مجھے میرے دادے نے اس کا حکم فرمایا ہے اور جب بھوک لگا کرے یہاں آ کر کھا جایا کرو۔ ابو سلیمان داؤد رحمۃ اللہ علیہ اس قصہ کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ اس قسم کے واقعات بہت کثرت سے نقل کیے گیے ہیں اور ان میں بکثرت یہ دیکھا گیا کہ اس قسم کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شریف اولاد ہی کو زیادہ تر فرمایا ہے، بالخصوص جب کہ کھانے کی قسم سے کوئی چیز دینے کا ارشاد ہوا ہو اور کریموں کی عادت بھی یہی ہوتی ہے کہ جب کوئی شخص ضیافت طلب کرے تو اپنے ہی گھر سے ابتداء[2] فرمایا کرتے ہیں، اسی ضابطہ[3] کے موافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اکثر کھانے کا حکم اپنی ہی اولاد کو فرمایا ہے۔ [وفاء]

(۳۰) باز ری رحمۃ اللہ علیہ نے ''توثیق عُرَی الِایمان'' میں ابو النعمان سے نقل کیا ہے کہ خراسان کے رہنے والے ایک صاحب ہر سال حج کو جایا کرتے اور جب مدینہ طیبہ حاضر ہوتے تو سید طاہر عَلَوِی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی نذرانہ[4] پیش کیا کرتے۔ ایک صاحب نے جو مدینہ ہی کے رہنے والے تھے، ان خراسانی سے ایک مرتبہ یہ کہا کہ تم طاہر عَلَوِی کو جو کچھ دیتے ہو، وہ ضائع[5] کرتے ہو، وہ اس کو گناہوں میں خرچ کر دیتا ہے۔ خراسانی نے اس سال طاہر صاحب کو کچھ نہ دیا اور دوسرا سال بھی ایسے ہی گذر گیا کہ وہ اپنی عادت کے موافق جو کچھ لے کر آئے تھے، وہ اہل مدینہ کو تقسیم کر گئے اور طاہر صاحب کو کچھ نہ دیا۔ جب تیسرے سال وہ حج کے ارادہ سے اپنے گھر سے چلنے لگے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت خواب میں ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ تو نے طاہر عَلَوِی کے بارے میں اس کے مخالف کی بات کا

حل لغات: (۱) عرب ملک کا ایک شہر۔ (۲) شروع۔ (۳) اصول۔ (۴) ہدیہ، تحفہ۔ (۵) برباد۔

یقین کرلیا اور جو تُو اس کو دیا کرتا تھا، وہ بند کرلیا؟ ایسا نہ کرنا چاہیے، جو وظیفہ[1] اس کا رُکا ہوا ہے، وہ بھی دو اور آئندہ جب تک جاری رکھ سکو بند نہ کرو۔ وہ خراسانی بہت خوف زدہ نیند سے اُٹھے اور ایک تھیلی علیحدہ ان کے نام کی جس میں چھ سو اَشرفیاں تھیں، اپنے ساتھ لے لی اور جب مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو سب سے پہلے سید طاہر عَلَوِی رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر پہونچے، وہاں محفل بھر رہی تھی۔ عَلَوِی صاحب نے ان خراسانی کا نام لے کر کہا کہ اگر تم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد نہ فرماتے، تو تم مجھ تک نہ آتے، تم نے میرے بارے میں اللہ کے دشمن کی بات کا یقین کرلیا؟ اور اپنا معمول بند کرلیا، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ملامت[2] فرمائی اور حکم فرمایا کہ تین سال کا وظیفہ دو، جب لے کر آئے ہو۔ یہ کہہ کر ہاتھ پھیلایا اور کہا: لاؤ چھ سو اَشرفیاں[3]۔ یہ ساری بات سُن کر خراسانی کو اور بھی دہشت[4] ہوئی اور وہ کہنے لگا کہ واقعہ تو سارا اسی طرح ہے، مگر تمہیں اس سارے واقعہ کی کس طرح خبر ہوئی؟ علوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ مجھے سارا حال معلوم ہے، پہلے سال جب تم نے کچھ نہ دیا، تو اس سے میری معیشت پر اثر پڑا، جب دوسرے سال تم آکر چلے گئے اور مجھے تمہارے آنے اور جانے کا حال معلوم ہوا تو مجھے بہت ضیق[5] ہوئی، میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تُو رنج نہ کر، میں نے فلاں خراسانی کو خواب میں تنبیہ کردی اور اس سے کہہ دیا کہ گذشتہ کا بھی ادا کرے اور آئندہ بھی حتی المقدور[6] بند نہ کرے۔ میں نے اس خواب پر اللہ کا شکر ادا کیا، جب تم سامنے آئے تو مجھے یقین ہوگیا کہ تم نے خواب دیکھ لیا۔ یہ سُن کر خراسانی نے چھ سو اَشرفیوں کی تھیلی نکالی اور ان کو دے کر ان کی دَست[7] بوسی کی اور اپنی کوتاہی[8] کی معافی چاہی کہ میں نے تمہارے مخالف کی بات کا یقین کرلیا۔ سید سمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قصہ کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ طاہر عَلَوِی: طاہر بن یحییٰ بن حسین بن جعفر الحجۃ بن عبید اللہ بن زین العابدین علی بن الامام حسین رضوانُ اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ [رشفہ]

(۳۱) ایک عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور درخواست کی کہ مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ اطہر کی زیارت کرا دو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حجرۂ شریفہ کے اس حصہ کو جس میں قبر شریف تھی، پَردہ ہٹا کر کھولا، وہ عورت قبر شریف کی زیارت کرکے روتی رہیں اور روتے روتے وہیں انتقال کر گئیں۔ رضی اللہ عنہا وارضاہا۔ [شفاء]

(۳۲) خالد بن معدان رحمۃ اللہ علیہ کی بیٹی عَبدہ کہتی ہیں کہ میرے والد کا ہمیشہ یہ معمول تھا کہ رات کو جب سونے لیٹتے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے شوق میں بے چین ہوتے اور مہاجرین اور انصار صحابہ

حل لغات: (۱) پابندی سے جو رقم دی جائے۔ (۲) برا بھلا کہنا۔ (۳) سونا کا سکہ۔ (۴) خوف۔ (۵) دل تنگ ہوا۔ (۶) اپنی قدرت بھر۔ (۷) ہاتھ چوما۔ (۸) کمی اور غلطی۔

زیارت مدینہ

کرام رضی اللہ عنہم کو نام لے لے کر یاد کرتے اور کہتے: یا اللہ! یہی حضرات میرے اصول[1] وفروع[2] ہیں، میرا دل ان سے ملنے کو بے تاب ہے، میرا اشتیاق[3] بڑھتا جا رہا ہے۔ یا اللہ! مجھے جلدی سے موت عطا فرما کہ ان سے ملوں، اسی میں نیند آجاتی تو سو جاتے۔ [شفاء]

(۳۳) عثمان بن حُنیف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک صاحب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس اپنی کسی ضرورت سے بار بار حاضر ہوتے تھے، وہ ان کی طرف التفات نہ فرمارہے تھے، نہ ان کی ضرورت کی طرف توجہ فرمارہے تھے۔ ان صاحب نے ابن حُنیف رضی اللہ عنہ سے اس کی شکایت کی، انہوں نے یہ ترکیب بتائی کہ تم وضو کر کے مسجدِ نبوی میں جاؤ اور دو رکعت نفل پڑھ کر یہ دعا پڑھو: اَللّٰھُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ إِنِّيْ أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلٰى رَبِّكَ أَنْ تُقْضٰى حَاجَتِيْ اور یہ دعا پڑھ کر اپنی حاجت کو اللہ جلّ شانہٗ کے سامنے پیش کرو، انہوں نے اس کے موافق عمل کیا، اس کے بعد وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گئے، وہاں پہونچتے ہی دربان آیا اور ان کو ہاتھوں ہاتھ لے گیا۔ وہاں پہونچے، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بہت اکرام کیا، اپنی جگہ بٹھایا اور ان کی ضرورت کو خود دریافت[4] کر کے پورا کیا اور اس کی معذرت[5] فرمائی کہ اس وقت تک تمہاری ضرورت کو پورا نہ کر سکا اور آئندہ کے لیے ارشاد فرمایا کہ جو ضرورت ہوا کرے بے تکلف کہہ دیا کریں۔ یہ صاحب جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے واپس آئے تو ابن حُنیف رضی اللہ عنہ سے ملے اور ان کا بہت شکر یہ ادا کیا کہ تمہاری سفارش سے میرا کام ہو گیا، حق تعالیٰ شانہٗ تمہیں اس کی جزائے خیر دے۔ ابن حُنیف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے کوئی سفارش نہیں کی، بلکہ بات یہ ہے کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک نابینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی بینائی[6] کی شکایت کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ صبر کرو اور کہو تو میں دعا کردوں؟ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کوئی ہاتھ پکڑنے والا بھی میرے پاس نہیں ہے، اس کی بہت تکلیف ہے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی ترکیب ان کو بتائی تھی کہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھیں، پھر اس دعا کو پڑھ کر دعا کریں۔ ابن حُنیف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ تھوڑا عرصہ بھی نہ گذرا تھا کہ وہ نابینا ایسے آئے گویا ان کی آنکھوں کو کچھ نقصان ہی نہ پہونچا تھا۔ علامہ سُبکی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس قصہ میں عثمان بن حُنیف رضی اللہ عنہ کے فہم[7] سے استدلال[8] ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ [وفاء] یعنی انہوں نے اس قصہ کو ان نابینا کے ساتھ مخصوص[9] نہیں سمجھا، بلکہ ہر شخص کے لیے اس دعا سے توسُّل[10] کو عام سمجھا ان نابینا کا قصہ آدابِ زیارت کے نمبر بتیس ۳۲ پر بھی گذر چکا ہے۔

حل لغات: (۱) بنیاد۔ (۲) شاخیں۔ (۳) شوق۔ (۴) پوچھا۔ (۵) معافی مانگی۔ (۶) نظر نہ آنا۔ (۷) سمجھ۔ (۸) دلیل لانا۔ (۹) خاص۔ (۱۰) وسیلہ۔

(۳۴) عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے سُنا کہ جب ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تو میں بھی مدینہ منورہ میں حاضر تھا، میں نے دل میں سوچا کہ میں غور سے دیکھوں کہ یہ کس طرح قبر شریف پر حاضر ہوتے ہیں۔ میں نے جا کر دیکھا کہ وہ حاضر ہوئے اور قبلہ کی طرف پُشت[۱] اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوئے اور بے تصنّع[۲] روتے رہے۔ [وفاء]

بے زبانی ترجمانِ[۳] شوق بے حد ہو تو ہو ورنہ پیشِ[۴] یار کام آتی ہیں تقریریں کہیں؟
گرا کر چار آنسو حالِ دل سب کہہ دیا ان سے دیا مجھ کو زباں کا کام چشمِ[۵] خوں فشاں[۶] تونے

(۳۵) ابومحمد اَشبیلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ غَرناطہ کا ایک شخص اس قدر بیمار ہوا کہ حد نہیں، اطبّاء[۷] اس کے علاج سے عاجز ہو گئے، زندگی سے مایوسی ہوگئی۔ وزیر ابوعبد اللہ محمد ابن ابی ضال نے ایک خط حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں لکھا، اس میں چند شعر بھی لکھے جو وَفاءُ الوفا میں مذکور ہیں۔ وہ خط حُجّاج کے قافلہ میں سے ایک شخص کو دے دیا۔ اس میں بیماری سے صحت کی دعا کی درخواست کی تھی۔ وہ قافلہ جب مدینہ پاک پہونچا اور وہ خط قبر شریف پر پڑھا گیا، اسی وقت وہ بیمار اچھا ہو گیا۔ جب وہ شخص جس کے ہاتھ خط گیا تھا، حج سے واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ بیمار ایسا تھا گویا کبھی کوئی بیماری اس کو پہونچی ہی نہیں۔ [وفاء]

(۳۶) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میرے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو یہ وصیت فرمائی کہ میرے انتقال کے بعد میری نعش[۸] روضۂ اقدس پر لے کر عرض کر دینا کہ یہ ابوبکر ہے، آپ کے قریب دفن ہونے کی تمنا رکھتا ہے، اگر وہاں سے اجازت ہو جائے تو مجھے وہاں دفن کر دینا اور اجازت نہ ہو تو بقیع میں دفن کر دینا؛ چنانچہ آپ کے وصال[۹] کے بعد وصیت کے موافق جنازہ وہاں لے جا کر قبر شریف کے قریب، یہی عرض کر دیا گیا۔ وہاں سے ایک آواز ہمیں آئی، آدمی کہنے والا کوئی نظر نہیں آتا تھا کہ اعزاز واکرام کے ساتھ اندر لے آؤ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وصال کا وقت قریب ہوا تو مجھے اپنے سرہانے بٹھا کر فرمایا کہ جن ہاتھوں سے تم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا تھا، انہی ہاتھوں سے مجھے غسل دینا اور خوشبو لگانا اور مجھے اس حُجرہ[۱۰] کے قریب لے کر جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر ہے اجازت مانگ لینا، اگر اجازت مانگنے پر حُجرہ کا دروازہ کھل جائے تو مجھے وہاں دفن کر دینا، ورنہ مسلمانوں کے عام قبرستان (بقیع) میں دفن کر دینا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ

حل لغات: (۱) پیٹھ۔ (۲) بناوٹ کے بغیر۔ (۳) شوق کی بات۔ (۴) دوست کے سامنے۔ (۵) آنکھ۔ (۶) خون کا فوارہ یعنی آنسو۔ (۷) حکیم۔ (۸) لاش۔ (۹) انتقال۔ (۱۰) کمرہ۔

فرماتے ہیں کہ جنازہ کی تیاری کے بعد سب سے پہلے میں آگے بڑھا اور میں نے جا کر عرض کیا: یارسول اللہ! یہ ابوبکر یہاں دفن ہونے کی اجازت مانگتے ہیں، تو میں نے دیکھا کہ ایک دم حُجرہ کے کواڑ[1] کھل گئے اور ایک آواز آئی کہ دوست کو دوست کے پاس پہونچا دو۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے خصائص کُبریٰ میں ان دونوں کو ذکر کیا ہے۔ محدِّثانہ حیثیت سے اس روایت کو مُنکَر[2] بتایا ہے، لیکن تاریخی حیثیت تو باقی ہے ہی۔

(۳۷) حضرت سعید بن المُسیَّب رحمۃ اللہ علیہ مشہور تابعی[3] ہیں۔ بڑے عجیب عجیب واقعات ان کی عبادت، زُہد[4] اور کلمۃُ الحق کہنے میں کسی سے نہ ڈرنے کے کتب میں موجود ہیں۔ پچاس[50] برس تک کوئی نماز ان کی جماعت سے فوت[5] نہیں ہوئی، بلکہ تکبیرِ اُولیٰ فوت نہیں ہوئی اور چالیس[40] برس تک کسی نماز کی اذان ایسی نہیں ہوئی کہ یہ اذان سے پہلے سے مسجد میں موجود نہ ہوں اور پچاس[50] برس تک صبح کی نماز عشاء کی وضو سے پڑھی۔ [حلیہ] حَرَّہ کی مشہور لڑائی جو یزید کے لشکروں کی اہل مدینہ سے ۶۳ھ میں ہوئی، اس میں سب اہلِ مدینہ خوف و[6] ہراس اور جنگ کی کثرت کی وجہ سے کچھ مُنتشر[7] اور کچھ اپنے گھروں میں چھپ گئے تھے، مسجدِ نبوی میں فوجیوں کے گھوڑے کودتے پھرتے تھے، سَترہ سو اُونچے درجہ کے مہاجرین اور انصار اس جنگ میں شہید ہوئے اور دس ہزار سے زیادہ عام مؤمنین، علاوہ بچوں اور عورتوں کے۔ [وفاء] اس زمانہ میں کئی دن تک حضرت سعید بن المسیَّب رحمۃ اللہ علیہ تن تنہا[8] مسجدِ نبوی میں پڑے رہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کئی دن تک اتنے دوسرے آدمی مسجد میں آنا شروع نہیں ہوئے، میں ہر نماز کے وقت اذان اور تکبیر کی آواز قبر شریف میں سے سنا کرتا تھا۔ [خصائص کبریٰ، قول بدیع] یہ عُشّاق[9] و جاں نثاروں کا نمونہ تھا۔

عبرت کے لیے تین واقعات مخالفت کے لکھ کر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں، یہ واقعات اس لحاظ سے اہم ہیں کہ حاضرین کو ایسی کوئی حرکت ظاہری یا باطنی[10] کرنے سے احتراز[11] کرنا چاہیے، جو ادب کے خلاف ہو۔

(۳۸) امیر المؤمنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ان کے ایماء[12] سے یا محض[13] سُرخروئی[14] اور تقرُّب[15] حاصل کرنے کے لیے ان کے ایماء کے بغیر مروان نے، جو ان کی طرف سے مدینہ منورہ کا امیر تھا، یہ چاہا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر شریف جو مسجدِ نبوی میں ہے، اس کو یہاں سے اکھاڑ کر شام میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا جائے اور اس غرض سے اس کو اُکھڑوانا شروع کیا، اسی وقت دفعۃً آفتاب[16] گہن ہوگیا اور مدینہ منورہ میں اس قدر سخت اندھیرا ہوگیا کہ ستارے نظر آنے لگے۔ مروان نے آکر لوگوں سے

حل لغات: (۱) دروازے کا پلہ۔ (۲) روایت کی ایک قسم۔ (۳) ایسا مسلمان جس نے صحابی کو دیکھا ہو۔ (۴) دنیا سے بے رغبتی۔ (۵) چھوٹی۔ (۶) ڈر۔ (۷) الگ الگ جگہ چلے گئے۔ (۸) اکیلے۔ (۹) عاشق کی جمع۔ (۱۰) اندرونی و بیرونی طور پر۔ (۱۱) بچنا۔ (۱۲) اشارہ۔ (۱۳) صرف۔ (۱۴) عزت۔ (۱۵) مرتبہ۔ (۱۶) سورج۔

معذرت[1] کی اور خطبہ میں اس کا اعلان کیا کہ اس قسم کا کوئی ارادہ نہیں ہے، بلکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ لکھا تھا کہ اس کو دیمک لگ جانے کا اندیشہ[2] ہے، اس لیے اس کے نیچے اور سیڑھیوں کا اضافہ[3] کر کے اس کو اوپر رکھنے کا ارادہ ہے۔ اسی وقت بڑھئی[4] کو بُلوا کر چھ سیڑھیاں بنوائیں اوران کے اوپر اس منبر شریف کو رکھا، جس کی وجہ سے منبر شریف کی کل نو[9] سیڑھیاں ہوگئیں، ورنہ اس سے قبل حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے کل تین ہی درجے تھے، دو سیڑھیاں اور ایک[1] اوپر بیٹھنے کا۔ [نزہتہ]

(۳۹) سلطان ''نورالدین'' عادل بادشاہ متقی اور صاحب اَوراد و وظائف تھے۔ رات کا بہت سا حصہ تہجد اور وظائف میں خرچ ہوتا تھا، ۵۵۷ھ میں ایک شب تہجد کے بعد سوئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دو گَیرُ[5] ی آنکھوں والے آدمیوں کی طرف اشارہ فرما کر سلطان سے ارشاد فرمایا کہ ان دونوں سے میری حفاظت کرو۔ سلطان کی گھبراہٹ سے آنکھ کھلی، فوراً اُٹھ کر وضو کیا اور نوافل پڑھ کر دوبارہ لیٹے تو معاً[6] آنکھ لگی اور یہی خواب بِعَیْنِہٖ[7] دوبارہ نظر آیا، پھر جاگے اور وضو کر کے نوافل پڑھیں، پھر لیٹے اور معاً آنکھ لگنے پر تیسری مرتبہ پھر یہی خواب نظر آیا۔ تو اُٹھ کر کہنے لگے کہ اب نیند کی کوئی گنجائش نہیں، فوراً رات ہی کو اپنے وزیر کو جو نیک، صالح آدمی تھے ''جمال الدین'' نام بتایا جاتا ہے اور اس نام میں اختلاف بھی ہے بُلایا اور سارا قصہ سنایا۔ وزیر نے کہا کہ اب دیر کی کیا گنجائش ہے، فوراً مدینہ طیبہ چلیے اور اس خواب کا تذکرہ کسی سے نہ کیجیے۔ بادشاہ نے فوراً رات ہی کو تیاری کی اور وزیر اور بیس[8] نفر مخصوص خدّام[9] کو ساتھ لے کر تیز رَو[10] اونٹوں پر بہت سا سامان اور مال متاع[11] لَدوا کر مدینہ طیبہ کو روانہ ہوگئے اور رات دن چل کر سولہویں دن مصر سے مدینہ طیبہ پہونچے۔ مدینہ طیبہ سے باہر غسل کیا اور نہایت ادب احترام سے مسجد شریف میں حاضر ہوئے اور روضۂ جنت میں دو رکعت نفل پڑھی اور نہایت متفکر[12] بیٹھے سوچتے رہے کہ کیا کریں۔ وزیر نے اعلان کیا کہ بادشاہ زیارت کے لیے تشریف لائے ہیں اور اہلِ مدینہ پر بخشش[13] اور اموال[14] بھی تقسیم ہوں گے اور بہت بڑی دعوت کا انتظام کیا، جس میں سارے اہلِ مدینہ کو مدعو[15] کیا۔ بادشاہ عطا[16] کے وقت بہت گہری نگاہ سے لوگوں کو دیکھتے، سب اہل مدینہ یکے بعد دیگرے آکر عطائیں لے کر چلے گئے، مگر وہ دو شخص جو خواب میں دیکھے تھے نظر نہ آئے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ کوئی اور باقی رہا ہو تو اس کو بھی بُلا لیا جائے، معلوم ہوا کہ کوئی باقی نہیں رہا۔ بہت غور خوض اور بار بار کہنے پر لوگوں نے کہا کہ دو نیک مرد، متقی، پرہیزگار مغربی بزرگ ہیں، وہ

حل لغات: (۱) معافی مانگی۔ (۲) ڈر۔ (۳) بڑھا۔ (۴) ستار۔ (۵) رنگین آنکھیں۔ (۶) فوراً۔ (۷) بالکل اسی طرح۔ (۸) لوگ۔ (۹) خادم کی جمع۔ (۱۰) تیز رفتار۔ (۱۱) سامان۔ (۱۲) فکرمند۔ (۱۳) تحفہ۔ (۱۴) مال کی جمع۔ (۱۵) دعوت دی۔ (۱۶) ہدیہ دیتے۔

کسی کی کوئی چیز نہیں لیتے، خود بہت کچھ صدقات خیرات اہل مدینہ پر کرتے رہتے ہیں، سب سے یکسو[1] رہتے ہیں، گوشہ[2] نشین آدمی ہیں۔ بادشاہ نے ان کو بھی بُلوایا اور دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہی وہ دونوں ہیں، جو خواب میں دکھائے گئے تھے۔ بادشاہ نے ان سے پوچھا: تم کون ہو؟ کہنے لگے: مغرب کے رہنے والے ہیں، حج کے لیے حاضر ہوئے تھے، حج سے فراغت پر زیارت کے لیے حاضر ہوئے اور حضور اقدس ﷺ کے پڑوس میں پڑے رہنے کی تمنا ہوئی تو یہاں قیام کرلیا۔ بادشاہ نے کہا: صحیح صحیح بتادو۔ انہوں نے جو پہلے کہا تھا، اسی پر اصرار[3] کیا۔ بادشاہ نے ان کی قیامگاہ[4] پوچھی۔ معلوم ہوا کہ روضۂ اقدس کے قریب ہی ایک رَباط[5] میں قیام ہے۔ بادشاہ نے ان کو تو وہیں روکے رکھنے کا حکم دیا اور خود ان کی قیامگاہ پر گیا، وہاں جاکر بہت تجُسس[6] کیا۔ وہاں مال ومتاع تو بہت سا ملا اور کتابیں وغیرہ رکھی ہوئی ملیں، لیکن کوئی ایسی چیز نہ ملی، جس سے خواب کے مضمون کی تائید ہوتی۔ بادشاہ بہت پریشان اور متفکر تھا، اہل مدینہ بہت کثرت سے سفارش کے لیے حاضر ہورہے تھے کہ یہ نیک بزرگ دن بھر روزہ رکھتے ہیں، ہر نماز روضۂ شریفہ میں پڑھتے ہیں، روزانہ بقیع کی زیارت کرتے ہیں، ہر شنبہ[7] کو قُبا جاتے ہیں، کسی سائل[8] کو رد[9] نہیں کرتے، اس قحط کے سال میں اہل مدینہ کے ساتھ انتہائی ہمدردی وغمگساری انہوں نے کی ہے۔ بادشاہ حالات سُن کر تعجب کرتے تھے اور ادھر اُدھر متفکر پھر رہے تھے۔ دفعتًہ[10] خیال آیا کہ ان کے مُصلّے کو جو ایک بوریے پر بچھا ہوا تھا، اُٹھایا، اس کے نیچے ایک پتھر بچھا ہوا تھا۔ اس کو اُٹھایا، تو اس کے نیچے ایک سُرنگ نکلی، جو بہت گہری کھودی گئی تھی اور بہت دور تک چلی گئی تھی، حتّٰی کہ قبرِ اطہر کے قریب تک پہونچ گئی تھی۔ یہ دیکھ کر سب دَنگ رہ گئے۔ بادشاہ نے ان کو غصہ میں کانپتے ہوئے پیٹنا شروع کیا کہ صحیح صحیح واقعہ بتاؤ۔ انہوں نے بتایا کہ وہ دونوں نصرانی[11] ہیں اور عیسائی بادشاہوں نے بہت سا مال ان کو دیا ہے اور بہت زیادہ دینے کا وعدہ کیا ہے، وہ حاجیوں کی صورت بناکر آئے ہیں تاکہ قبرِ اطہر سے حضور اقدس ﷺ کے جسدِ اطہر[12] کو لے جائیں، وہ دونوں رات کو اس جگہ کو کھودا کرتے اور جو مٹی نکلتی اس کو چمڑے کی دو مشکیں ان کے پاس مغربی شکل کی تھیں، ان میں بھر کر رات ہی کو بقیع میں ڈال آیا کرتے تھے۔ بادشاہ اس بات پر کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ نے اور اس کے پاک رسول اللہ ﷺ نے اس خدمت کے لیے ان کو منتخب[13] کیا، بہت روئے اور دونوں کو قتل کرایا اور حجرۂ شریفہ کے گرد اتنی گہری خندق کھدوائی کہ پانی تک پہونچ گئی اور اس میں رانگ یا سیسہ پگھلا کر بھروادیا کہ جسدِ اطہر تک کسی کی رسائی نہ ہوسکے۔

| وفاء اوّل |

حل لغات: (۱) الگ، اکیلے۔ (۲) تنہائی۔ (۳) جمے رہنا۔ (۴) ٹھہرنے کی جگہ۔ (۵) مسافر خانہ۔ (۶) تلاش وکھوج۔ (۷) سنیچر۔ (۸) مانگنے والا۔ (۹) لوٹانا۔ (۱۰) اچانک۔ (۱۱) عیسائی۔ (۱۲) پاکیزہ جسم۔ (۱۳) چنا۔

زیارت مدینہ

(۴۰) شیخ شمس الدین صَواب رحمۃ اللہ علیہ جو خادمینِ حرمِ نبوی کے رئیس تھے، کہتے ہیں کہ میرے ایک مُخلص رفیق تھے، جو امیرِ مدینہ کے یہاں بہت کثرت سے آتے جاتے تھے اور مجھے بھی جس قسم کے کام پیش آتے، انھی کے ذریعہ سے امیر تک پہونچاتا تھا۔ ایک دن وہ رفیق میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آج بڑا سخت حادثہ پیش آ گیا۔ میں نے کہا: کیا ہوا؟ کہنے لگے کہ حلب کے رہنے والوں کی ایک جماعت امیر کے پاس آئی ہے اور بہت سامال رشوت کا امیر کو اس لیے دیا ہے کہ وہ حضرات شیخین[1] رضی اللہ عنہما کے مبارک اَجسام[2] کو یہاں سے لے جانے پر مدد دے، امیر نے اس کو قبول کرلیا ہے۔ شیخ صواب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ خبر سُن کر میرے رَنج[3] کی انتہا نہ رہی، میں انتہائی فکر میں تھا کہ امیر کا قاصد مجھے بُلانے آ گیا، میں وہاں گیا۔ امیر نے مجھ سے کہا: آج رات کو کچھ لوگ مسجد میں آئیں گے، تم ان سے تَعَرُّض[4] نہ کرنا اور وہ جو کچھ کریں ان کو کرنے دینا، تم کسی بات میں دخل نہ دینا۔ میں ''بہت اچھا'' کہہ کر چلا آیا، مگر سارا دن حجرۂ شریفہ کے پیچھے بیٹھے روتے ہوئے گذر گیا، ایک منٹ کو آنسو نہ تھمتا[5] تھا اور کسی کو خبر نہ تھی کہ مجھ پر کیا گذر رہی ہے۔ آخر عشاء کی نماز سے فراغت پر جب سب آدمی چلے گئے اور ہم نے کواڑ[6] وغیرہ بند کر لیے تو بابُ السّلام سے کہ یہ دروازہ امیر کے گھر کے قریب تھا، لوگوں نے دروازہ کھلوا کر اندر آنا شروع کیا، میں ان کو ایک ایک کر کے چُپکے چُپکے گن رہا تھا، چالیس آدمی اندر داخل ہوئے، ان کے ساتھ پھاوڑے اور ٹوکریاں اور زمین کھودنے کے بہت سے آلات تھے، وہ اندر داخل ہو کر حجرۂ شریفہ کی طرف کو چلے، خدا کی قسم! منبر تک بھی نہ پہونچے تھے کہ ایک دَم ان کو مع[7] ان کے سارے ساز و سامان کے زمین نگل گئی، اور نشان تک بھی پیدا نہ ہوا۔ امیر نے بہت دیر تک ان کا انتظار کر کے مجھے بُلا کر پوچھا کہ صَواب! وہ لوگ ابھی تک تمہارے یہاں نہیں پہونچے؟ میں نے کہا: ہاں! آئے تھے اور یہ قصہ ان کے ساتھ گذرا۔ امیر نے کہا: دیکھو کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا: بالکل ایسا ہی ہوا، آپ چلیں، میں وہ جگہ بتاؤں جہاں یہ قصہ گذرا۔ امیر نے کہا: اچھا بَس یہ بات یہیں تک رہے، اگر یہ بات کسی اور پر ظاہر کی گئی تو سَر اُڑا دیا جائے گا۔ [وفاء اوّل] حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لطف وکرم سے وہاں کے آداب کی بجا آوری[8] کی توفیق عطا فرمائے اور محض[9] اپنے لطف وکرم سے بے ادبی کے وبال سے محفوظ فرمائے۔

تنبیہ: گذشتہ واقعات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب وغیرہ میں زیارت کے مُتعَدَّد[10] قصے گذرے۔ ان کے متعلق ایک ضروری بات ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ جس شخص نے خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، اس نے حقیقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زیارت کی، اس میں تَرَدُّد[11]

حل لغات: (۱) حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما۔ (۲) جسم کی جمع۔ (۳) غم۔ (۴) روک ٹوک۔ (۵) رُکتا۔ (۶) دروازے کے پٹ۔ (۷) ساتھ۔ (۸) ادا کرنے۔ (۹) صرف۔ (۱۰) کئی۔ (۱۱) شک۔

زیارتِ مدینہ

نہیں، اس لیے کہ متعدد مشہور اور صحیح روایات میں مختلف الفاظ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پاک ارشاد وارد[1] ہوا ہے کہ ''جس نے خواب میں مجھے دیکھا، اس نے حقیقت میں مجھ ہی کو دیکھا ہے، اس لیے کہ شیطان کو یہ قدرت نہیں دی گئی کہ وہ میری صورت بنا سکے'' لیکن اس کے باوجود چونکہ دیکھنے کا آلہ اور ذریعہ خود دیکھنے والے کی ذات ہوتی ہے اور آلہ کے فرق کی وجہ سے اس چیز میں فرق پڑ جاتا ہے، جس کو دیکھا جائے مثلاً سرخ عینک[2]، سبز عینک، سیاہ عینک سے جس چیز کو دیکھا جائے گا، وہ ایسی ہی نظر آئے گی جیسی عینک ہوگی، اصل چیز کے رنگ میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ جیسا کہ دُوربین، خوردبین کے تفاوُت[3] سے چیز میں تفاوُت معلوم ہوتا ہے اور بھینگی[4] آنکھ ایک کے بجائے دو دیکھتی ہے، اس لیے اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت میں کوئی چیز شان والا کے مناسب نظر نہ آئے تو وہ نظر کا قصور ہے۔ اسی طرح اگر شریعت[5] مطہرہ کے خلاف کوئی بات سننے میں آئے تو وہ سننے کا قصور ہوگا۔

ابن امیر الحاج مدخل میں لکھتے ہیں کہ اس سے بہت احتراز[6] کرنا چاہیے کہ خواب میں یا غیبی آواز سے جاگتے میں کسی ایسی چیز کی طرف قلب[7] کو طمانینت اور سکون ہو جو صدر اوّل کے خلاف ہو، اس طرح سے خواب میں دیکھنے کی وجہ سے کسی ایسی چیز کی طرف مانوس[8] ہو جو سلف[9] کے خلاف ہو اس سے بھی احتراز کرنا چاہیے، جیسا کہ بعض لوگوں کو پیش آ گیا کہ ان کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں کسی چیز کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم فرمایا اور دیکھنے والے نے محض خواب کی بنا پر اس پر عمل شروع کر دیا اور اس کو کتابُ اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کر کے نہیں جانچا، حالانکہ حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے:

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ [سورۂ نساء: ۵۹]

اور اللہ جل شانہٗ کی طرف ''رَد کرنے کا'' مطلب اس کی کتاب پر پیش کرنا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رد کرنے کا مطلب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں آپ کی ذات پر پیش کرنا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال[10] کے بعد آپ کی سنت پر پیش کرنا ہے۔ اگرچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ''جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھ ہی کو دیکھا'' بے تَرَدُّد[11] حق ہے؛ لیکن حق تعالیٰ شانہٗ نے خواب پر عمل کا مُکَلَّف[12] نہیں بنایا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین آدمی مَرفُوعُ القلم[13] ہیں: ان میں ایک وہ شخص ہے جو سو رہا ہو یہاں تک کہ جاگ جائے (دوسرا بچہ۔ تیسرا مجنون)۔ اس کے علاوہ یہ بھی وجہ ہے کہ علم اور روایت اسی شخص سے حاصل کی جا سکتی ہے جو مُتَیَقِّظ[14] ہو، حاضرُ العقل[15] ہو اور سونے والا ایسا نہیں

حل لغات: (۱) آیا ہے۔ (۲) چشمہ۔ (۳) فرق۔ (۴) الگ الگ سمت میں دونوں آنکھیں دیکھتی ہوں۔ (۵) اسلامی شریعت۔ (۶) بچنا۔ (۷) دل کا سکون۔ (۸) راغب۔ (۹) بزرگوں۔ (۱۰) انتقال۔ (۱۱) بے شک۔ (۱۲) ضروری۔ (۱۳) جس کے نامۂ اعمال میں گناہ نہ لکھے جائیں۔ (۱۴) جاگتا۔ (۱۵) سوچتے سمجھنے والا۔

ہوتا، اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حکم یا ممانعت اگر خواب میں دیکھی جائے تو اس کو کتاب وسنت پر پیش[1] کیا جائے، اگر ان کے موافق ہو تو خواب بھی حق ہے اور کلام بھی حق ہے اور یہ دیکھنے والے کی طمانینت[2] کے لیے بشارت[3] کے طور پر ہے اور اگر ان کے خلاف ہو تو سمجھنا چاہیے کہ خواب تو حق ہے، لیکن شیطانی اثر سے سننے والے کے کان میں ایسی چیز پڑی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد نہیں فرمائی۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے "تہذیب الاسماء و اللغات" کے شروع میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص[4] میں لکھا ہے کہ جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، بے شک اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیکھا کہ شیطان آپ کی صورت نہیں بنا سکتا، لیکن اس میں اگر کوئی چیز خواب میں اَحکام[5] کے متعلق سُنی تو اس پر عمل جائز نہیں، نہ اس وجہ سے کہ خواب میں کوئی تردُّد ہے، بلکہ اس وجہ سے کہ دیکھنے والے کا ضَبط[6] مُعتمَد[7] نہیں۔ صاحب مدخل نے آگے بھی اس میں طویل[8] کلام کیا ہے، بقدرِ ضرورت[9] نقل کیا گیا اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سے علماء نے اسی کی تصریح[10] فرمائی ہے جو اوپر گذرا۔

حل لغات: (۱) ملائے۔ (۲) سکون۔ (۳) خوشخبری۔ (۴) خصوصیت۔ (۵) حکم کی جمع۔ (۶) یاد۔ (۷) معتبر۔ (۸) لمبی بات۔ (۹) ضرورت بھر۔ (۱۰) تفصیل۔

دسویں فصل: مدینہ طیبہ کے فضائل میں

جس شہر کو اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے محبوب، دو جہاں کے سردار کی قیام گاہ تجویز کیا ہو، اس کے لیے اس سے بڑھ کر کیا فضیلت ہوگی کہ اللہ پاک نے اپنے محبوب کے رہنے کے لیے اس کو پسند کیا اور اس کے بعد پھر کسی دوسرے شہر کو اس پر کیا فوقیت[1] ہوسکتی ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ مواقع[2] جو وحی کے نزول کے ساتھ آباد ہوئے ہوں، قرآن پاک اُن میں نازل ہوتا رہا ہو، حضرت جبرئیل علیہ السلام، حضرت میکائیل علیہ السلام بار بار اُن میں حاضر ہوتے رہے ہوں، مُقرّب[3] فرشتے ان میں اُترتے رہے ہوں، ان کے میدان اللہ کے پاک ذکر اور تسبیح سے گونجتے رہے ہوں، ان کی مٹی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر پھیلی ہوئی ہو، اللہ کے دین اور اس کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں وہاں سے اس قدر کثیر[4] مقدار میں جاری ہوئی ہوں، وہاں فضائل اور برکات وخیرات کے مَشاہد[5] ہوں، وہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کھڑے ہونے کے اور چلنے پھرنے کے مقامات[6] ہوں، وہ اس قابل ہیں کہ ان کے میدانوں کی تعظیم کی جائے، اُن کی خوشبوؤں کو سونگھا جائے، اس کے در و دیوار کو چوما جائے۔ [شفاء] احادیث میں بھی اس پاک شہر اور اس کے بہت سے مواضع کے فضائل وارد ہوئے ہیں، جن میں سے چند یہاں ذکر کیے جاتے ہیں۔

① عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: إِنَّ اللهَ تَعَالٰى سَمّٰى الْمَدِيْنَةَ طَابَةَ۔ [رواہ مسلم کذا في المشکوٰۃ]	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ جلّ جلالہٗ نے اس شہر مدینہ کا نام ''طَابَہ'' رکھا ہے۔

فائدہ: یعنی حق تعالیٰ شانہٗ نے وحی کے ذریعہ سے اس کا نام ''طَابَہ'' رکھا اور ایک روایت میں ''طَیبَہ'' آیا ہے، اس کے معنی پاکی کے بھی ہیں اور عُمدگی[7] کے بھی کہ یہ شرک کی گندگی سے پاک ہے یا یہ کہ اس کی آب و ہوا عمدہ ہے، مُعتدِل[8] مزاج والوں کے موافق ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس کے اندر رہنے والے پاکیزہ لوگ ہیں، ان کی وجہ سے یہ نام رکھا گیا۔ [مناسک نووی]

ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مدینہ طیبہ کے تقریباً ایک ہزار نام ہیں، جن میں سے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مَناسِک میں مشہور ہونے کی وجہ سے پانچ[9] نام ذکر کیے ہیں: مدینہ، طیبہ، طابہ، دار، یثرب ان میں سے یَثرِب، زمانۂ جاہلیّت کا نام ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند نہیں فرمایا، چنانچہ صحیح

حل لغات: ① برتری۔ ② جگہیں۔ ③ قریبی مرتبہ والے۔ ④ زیادہ۔ ⑤ جگہیں۔ ⑥ جگہوں۔ ⑦ بہتری۔ ⑧ درمیانی درجہ کا مزاج۔

حدیث میں آیا ہے کہ لوگ اس کو یثرب کہتے ہیں، یہ مدینہ ہے۔ جیسا کہ دوسری حدیث میں آ رہا ہے۔ غالباً ناپسندیدگی کی وجہ یہ ہے کہ یثرب کے معنی مَلامت اور حُزن[1] کے ہیں اور حضور اقدس ﷺ کی عادتِ شریفہ بُرا نام بدل کر بہتر نام رکھنے کی تھی، جیسا کہ دوسری حدیث کے ذیل میں مُفصّل[2] آ رہا ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مدینہ دِین سے مُشتق[3] ہے، جس کے معنی طاعت کے ہیں، اس لیے یہ نام رکھا گیا کہ اس شہر میں اللہ کی اطاعت کی جاتی ہے۔ صاحبِ اتحاف نے بہت سے نام مدینہ طیبہ کے نقل کر کے لکھا ہے کہ ناموں کی کثرت بھی شرافت پر دلالت کرتی ہے اور ان سب میں مشہور نام "مدینہ" ہے۔

② عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أُمِرْتُ بِقَرْيَةٍ تَأْكُلُ الْقُرٰى يَقُوْلُوْنَ: يَثْرِبَ وَهِيَ الْمَدِيْنَةُ تَنْفِي النَّاسَ كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ۔ [متفق عليه كذا في المشكوٰة]	حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھے ایک ایسی بستی میں رہنے کا حکم کیا گیا، جو ساری بستیوں کو کھا لے، لوگ اس بستی کو یثرب کہتے ہیں، اس کا نام مدینہ ہے، وہ (بُرے) آدمیوں کو اس طرح دور کر دیتی ہے، جس طرح بھٹّی لوہے کے مَیل کُچیل کو دُور کر دیتی ہے۔

فائدہ: اس حدیث شریف میں کئی مضمون ذکر کیے گئے ہیں، اوّل یہ کہ "مجھے ایسی بستی میں رہنے کا حکم کیا گیا"، جس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کا اس شہر میں قیام اپنی خواہش اور اپنے ارادہ سے نہیں تھا، بلکہ اللہ جلّ شانہٗ کی طرف سے یہاں قیام کا حکم کیا گیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا کہ اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے نبی ﷺ کے لیے مدینہ کو پسند کیا۔ [کنز]

ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا کہ اللہ جَلّ شانہٗ نے وحی بھیجی ہے کہ ان تین بستیوں میں سے جہاں تم قیام کرو، وہی تمہاری ہجرت کی جگہ ہے: مدینہ، بحرین، قِنّسرین[4]۔ [کنز] ایک اور حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھے ہجرت کی جگہ دکھائی گئی ہے، جو ایک شُور[5] زمین دو کنکریلی زمینوں کے درمیان ہے، یہ جگہ "ہجر" ہو (ایک جگہ کا نام ہے) یا "یثرب" ہو۔ [کنز]

ان روایات میں کوئی تعارُض[6] نہیں ہے۔ اَقرب[7] یہ ہے کہ اوّل حضور اقدس ﷺ کو پسندیدگی کا اختیار دیا گیا ہو، اس کے بعد حضور ﷺ نے جب خود حق سُبحانہٗ وتقدّس سے استخارہ کیا ہو تو اللہ جَلّ شانہٗ کی طرف سے مدینہ پاک کی تعیین[8] ہو گئی ہو۔

حل لغات: ① غم۔ ② تفصیل سے۔ ③ نکلا ہوا۔ ④ ملک شام کا ایک شہر جو حلب کے قریب تھا۔ ⑤ بنجر نمکیلی زمین۔ ⑥ اختلاف۔ ⑦ سمجھ کے قریب بات یہ ہے۔ ⑧ تقرر، مقرر ہونا۔

زیارت مدینہ

تاریخ خمیس میں لکھا ہے کہ اہلِ سِیَر نے کہا ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ نے اہلِ مدینہ سے بیعتُ العَقَبہ کرلی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مشرکین کی ایذا رسانی[1] کی وجہ سے مکہ مکرمہ میں قیام پر قادر نہ رہے، تو ان کو مدینہ طیبہ ہجرت کی اجازت فرمادی اور بخاری شریف اور مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا کہ مجھے ہجرت کی جگہ دکھائی گئی، وہ ایک زمین ہے جس میں کھجور کے درخت ہیں، میرا خیال ہوا کہ یہ جگہ شاید یمامہ ہے، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ یثرب ہے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اوّل حضور اقدس ﷺ کو ایسی صفت کے ساتھ دکھایا گیا جو مدینہ پاک میں اور دوسری جگہوں میں مُشترک[2] تھی، اس کے بعد ایسی صفات کے ساتھ دکھایا گیا، جو مدینہ منورہ کے ساتھ مخصوص[3] تھیں تو وہ متعیّن[4] ہوگیا۔ ایک حدیث میں آیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت چاہی، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ٹھہر جاؤ مجھے بھی عنقریب[5] اجازت ہونے کو ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں ایّام[6] میں خواب دیکھا تھا کہ آسمان سے ایک چاند مکّہ مکرّمہ میں اُترا، جس کی وجہ سے سارا مکّہ روشن ہوگیا پھر وہ چاند آسمان کی طرف چڑھا اور مدینہ طیبہ میں جا اُترا، جس کی وجہ سے مدینہ کی ساری زمین روشن ہوگئی۔ یہ طویل[7] خواب ہے، اسی میں آخر میں ہے کہ پھر وہ چاند عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں گیا اور ان کے گھر کی زمین شق[8] ہوگئی، جس میں وہ چاند پوشیدہ[9] ہوگیا۔ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو فنِ تعبیر سے پہلے ہی سے بہت مناسبت تھی۔ اس خواب سے انہوں نے مدینہ کی ہجرت اور آخر میں حضور ﷺ کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں دفن ہونا سمجھ لیا تھا۔ [خمیس]

دوسرا مضمون یہ ہے کہ اس بستی کی صفت یہ بیان کی گئی کہ "ساری بستیوں کو کھالے"۔ علماء نے اس سے مدینہ طیبہ کی ساری بستیوں سے افضل ہونے پر استدلال[10] کیا ہے اور متعدد[11] اقوال اس کی شرح میں نقل کیے گئے۔ بعض علماء نے اس کا مطلب ہی یہ لکھا ہے کہ وہ بستی یعنی مدینہ ساری بستیوں سے افضل ہے، یعنی اس کی فضیلت اتنی غالب اور بڑھی ہوئی ہے کہ اور سب بستیوں کی فضیلتیں اس کے مقابلہ میں مغلوب[12] اور کالعدم[13] ہیں، گویا اوروں کی فضیلت اس کے مقابلہ میں معدوم[14] ہوگئی، یہی مراد ہے کھا لینے سے۔ کہتے ہیں کہ اس مطلب کی تائید[15] تورات شریف سے بھی ہوتی ہے، اس میں اللہ جَلّ شانُہٗ نے فرمایا ہے: "يَا طَابَةُ يَا مِسْكِيْنَةُ إِنِّيْ سَأَرْفَعُ أَجَاجِيْرَكِ عَلَى أَجَاجِيْرِ الْقُرَى" (اے طابہ! اے مسکین شہر!

حل لغات: (۱) تکلیف پہونچانا۔ (۲) شرکت۔ (۳) خاص۔ (۴) مقرر۔ (۵) جلد ہی۔ (۶) دنوں۔ (۷) لمبا۔ (۸) پھٹ۔ (۹) چھپا۔ (۱۰) دلیل دیا ہے۔ (۱۱) کئی قول۔ (۱۲) کم۔ (۱۳) کچھ بھی نہیں۔ (۱۴) ختم۔ (۱۵) حمایت۔

میں تیری چھتوں کو ساری بستیوں کی چھتوں پر بلند کروں گا۔) اور بعض علماء نے لکھا کہ اس بستی کے رہنے والے دوسرے شہروں کو فتح کرلیں گے اور ان پر غالب ہوجائیں گے، جیسا کہ کہتے ہیں فلاں شخص نے فلاں کو کھالیا''۔ یعنی قوّت سے اس پر غالب ہوگیا اور بعض علماء نے کہا ہے کہ دونوں معنی مراد ہیں، یعنی اس بستی کی فضیلت دوسری بستیوں پر غالب ہوگی اور اس کے آدمی دوسرے شہروں کے آدمیوں پر فتح اور غلبہ حاصل کریں گے۔ [زرقانی مواہب]

صاحب مُظاہرِ حق نے لکھا ہے کہ جو کوئی اس شہر میں رہتا ہے، غالب ہوتا ہے اور فتح کرتا ہے اور شہروں کو۔ یہ خاصیت ہے اس شہر عظیم الشان کی کہ جو اس میں آتا ہے، اکثر شہروں پر غالب ہوتا ہے۔ پہلے اس میں قوم عمالقہ آئی وہ غالب ہوئی اور شہروں اور ولایتوں کو فتح کیا، پھر یہود آئے وہ غالب ہوئے عمالقہ پر، پھر انصار پہونچے وہ غالب ہوئے یہود پر، پھر سیّدُ المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین آئے ان کو کس طرح غلبہ ہوا کہ مشرق سے مغرب تک لے لیا۔

تیسرا مضمون یہ ہے کہ ''لوگ اس کو یَثرِب کہتے ہیں، اس کا نام مدینہ ہے''۔ زمانۂ جاہلیت میں اس شہر کا نام یَثرِب تھا، ابتداءِ اسلام میں بھی اسی سے ذکر ہوتا رہا۔ صاحبِ مُظاہرِ حق نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یَثرِب کہنے سے منع فرمایا یا تو اس لیے کہ وہ زمانۂ جاہلیت کا نام ہے یا اس لیے کہ وہ مُشتق[1] ہے ثَرَب سے، جس کے معنی ہلاک اور فساد کے ہیں یا اس لیے کہ یَثرِب اصل میں ایک بُت کا نام تھا، اس کے نام پر شہر کا نام رکھا گیا یا اس لیے کہ یَثرِب ایک ظالم شخص کا نام تھا اور بخاری نے اپنی تاریخ میں ایک حدیث لکھی ہے کہ جو کوئی ایک بار یَثرِب کہے، چاہیے کہ دس بار مدینہ کہے تاکہ تدارُک[2] اور تلافی[3] ہو۔

حافظ ابنِ حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ بعض علماء نے اس حدیث سے مدینہ منورہ کو یَثرِب کہنے کے مکروہ ہونے پر استدلال کیا ہے۔ یہ حضرات یہ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک میں جو سورۂ احزاب میں ﴿ يَٰٓأَهۡلَ يَثۡرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمۡ ﴾ [سورۂ احزاب: ۱۳] وارد ہوا ہے اور اس میں اس کو یَثرِب سے تعبیر کیا ہے، وہ غیر مسلموں کا قول نقل کیا ہے، اس سے جواز پر استدلال نہیں ہوتا اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو مدینہ کو یَثرِب کہے، اس کو استغفار کرنا چاہیے، اس کا نام طَابَہ ہے، طَابَہ ہے اور ایک حدیث میں حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو یَثرِب کہنے سے منع کیا۔ اسی وجہ سے عیسیٰ بن دینار مالکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جو مدینہ کو یَثرِب کہے، اس پر ایک خطا لکھی جاتی ہے اور ناپسندیدگی کی وجہ یا تو یہ ہے کہ یہ تَثرِیب

حل لغات: (۱) نکلا۔ (۲) کسی نقصان کو روکنے کے لیے احتیاط۔ (۳) نقصان کا بدلا۔

سے ہے، جس کے معنی ڈانٹنے کے اور ملامت کرنے کے ہیں یا ثَرَب سے ہے، جس کے معنی فساد کے ہیں اور دونوں معنی بُرے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ تھی کہ بُرے نام کو بدل کر اچھا نام تجویز فرماتے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ نام یثرب بن قانیہ بن مہلدیل بن عیل بن عیص بن ارم بن سام بن حضرت نوح علیہ السلام کے نام پر ہے کہ وہ اس جگہ سب سے پہلے آباد ہوا، جس کے نام پر یہ نام رکھا گیا اور اس کا بھائی خیبور تھا، جس کے نام پر اس کے رہنے کی وجہ سے خیبر رکھا گیا۔

چوتھا مضمون یہ ہے کہ بُرے آدمیوں کو اس طرح دور کر دیتا ہے جیسا کہ آگ کی بھٹی لوہے کے میل کو' اس کا مطلب بعض علماء نے لکھا ہے کہ ابتدائے اسلام میں کفر وشرک کا اس سے بالکلیہ(1) دور ہو جانا مُراد ہے، (مظاہر) اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ خاص ہے۔ ایک حدیث میں ایک قصہ بھی آیا ہے کہ ایک بدّو(2) جو مدینہ میں رہتا تھا، اس کو شدت سے بخار آیا، جس کی وجہ سے اس نے مدینہ میں رہنے سے گھبرا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ میری بیعت توڑ دیجیے، میں یہاں نہیں رہتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت توڑنے سے انکار کیا، پھر دوبارہ، سہ بارہ آکر اصرار کیا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم انکار فرماتے رہے، مگر وہ نکل گیا، جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ مدینہ بھٹی کی طرح سے ہے، بُرے کو نکال دیتا ہے، اچھے کو خالص کرتا ہے، یعنی نکھارتا ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ آخر زمانہ میں بھی یہی بات ہوگی یعنی دجّال کے زمانہ میں کہ مدینہ پاک سے بُرے بُرے آدمی نکل جائیں گے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ مدینہ سے بُرے بُرے آدمی نہ نکل جائیں۔

بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ ہر شہر میں دجّال کا گذر ہوگا، مگر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں اس کا داخلہ نہیں ہو سکے گا، فرشتے ان دونوں شہروں کی حفاظت کریں گے، اس وقت مدینہ منورہ میں تین مرتبہ زلزلہ آئے گا، جس سے ہر کافر اور منافق اس سے نکل پڑے گا۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ شخص مراد ہے جس کے ایمان میں خلوص نہ ہو۔

پانچواں مضمون یہ ہے کہ اس حدیثِ پاک سے مدینہ منورہ کے سارے شہروں سے افضل ہونے پر استدلال کیا گیا، جیسا کہ دوسرے مضمون میں گذرا، مکّہ مکرّمہ کے علاوہ اور جتنے شہر ہیں ان پر مدینہ پاک کی فضیلت تو مسلّم(3) ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، لیکن اس میں علماء میں اختلاف ہو گیا کہ مدینہ پاک کی فضیلت مکّہ مکرّمہ پر بھی ہے یا نہیں؟ اکثر علماء نے مکّہ مکرّمہ کو سب سے افضل شہر بتایا ہے، جیسا کہ جمہور علماء کا مذہب ہے اور بعض حضرات نے مدینہ منورہ کو مکہ مکرمہ سے بھی افضل فرمایا ہے، جیسا

حل لغات: (1) بالکل ہی۔ (2) دیہاتی۔ (3) ثابت ہے۔

کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے بعض علماء سے نقل کیا گیا، جیسا کہ قریب ہی مفصل آئے گا؛ لیکن اس سے قبل دو امر یاد رکھنے کے قابل ہیں: اوّل یہ کہ مدینہ طیبہ کی وہ زمین جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے متصل[1] ہے، اس میں کوئی اختلاف علماء میں نہیں ہے، وہ بالاتفاق[2] سب علماء کے نزدیک سب جگہوں سے افضل ہے۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات نے اس پر ساری اُمت کا اتفاق اور اجماع نقل کیا ہے کہ یہ حصہ زمین کا بیت اللہ شریف سے بھی افضل ہے، بلکہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ عرش معلّٰی سے بھی افضل ہے، جس کی وجہ علماء نے یہ لکھی ہے کہ آدمی جس جگہ دفن ہوتا ہے، اسی جگہ کی مٹی سے ابتداء میں وہ پیدا کیا جاتا ہے، تو گویا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن مبارک بھی اسی مٹی سے بنا ہے۔ [شرح مناسک نووی]

مواہبِ لدُنّیہ میں لکھا ہے کہ یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ جو زمین کا حصہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے ملا ہوا ہے، وہ ساری دنیا کی زمین سے افضل ہے، حتیٰ کہ کعبہ کی زمین سے بھی افضل ہے، بلکہ ابن عقیل حنبلی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ جگہ عرش سے بھی افضل ہے، بلکہ بعض علماء نے تو اس وجہ سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن مبارک زمین میں ہے، زمین کو آسمان سے افضل بتایا ہے۔

لیکن جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ آسمان زمین سے افضل ہے، اس لیے کہ آسمان پر اللہ کی نافرمانی نہیں ہوتی اور زمین پر کفر وشرک ہوتا ہے، البتہ وہ جگہ جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مبارک بدنوں سے متصل ہے وہ آسمانوں سے افضل ہے۔ [شرح مواہب] عرش سے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ مکان سے بے نیاز ہے اور زمین کے اس حصہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک موجود ہے۔ اس کے بعد دوسرا امر یہ بھی ذہن میں رکھنے کا ہے کہ مکّہ مکرّمہ میں کعبہ شریف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے علاوہ دنیا کی سب جگہوں سے بالاتفاق افضل ہے، اس میں بھی کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ شرحِ مناسک نووی میں لکھتے ہیں کہ علماء میں جو اختلاف مکّہ یا مدینہ کے افضل ہونے میں ہے، وہ کعبہ شریف کے علاوہ میں ہے، کعبہ شریف بالاتفاق مدینہ منورہ سے افضل ہے بجز قبر شریف کے اس حصہ کے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک سے مل رہا ہے کہ وہ کعبہ شریف سے بھی افضل ہے۔ ان دو چیزوں کے بعد پھر اس میں اختلاف ہے کہ مکّہ مکرّمہ افضل ہے یا مدینہ طیبہ افضل ہے؟ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مناسک میں لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک یعنی شافعیہ کے نزدیک مکہ مکرمہ افضل ہے۔ یہی اکثر فقہاء کا مذہب ہے اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا راجح[3] قول بھی یہی ہے۔ مُلا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہی مذہب ہے امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ کا۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ابن عبدالبّر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو نقل کیا حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت ابوالدّرداء،

حل لغات: (۱) ملا ہوا، جڑا ہوا۔ (۲) جس پر سب کا اتفاق ہو۔ (۳) صحیح

حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ مکّہ مکرّمہ کے بارے میں جو ثواب اعمال کا روایات میں آتا ہے، وہ مدینہ منورہ کے ثواب سے زیادہ ہے۔ یعنی ایک لاکھ نمازوں کا ثواب کثرت سے احادیث میں آیا ہے جیسا کہ تیسری فصل کی حدیث نمبر ایک میں اور چھٹی فصل کی حدیث نمبر چھ میں گذر چکا ہے نیز اسی فصل کی حدیث نمبر دس میں گذرا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ مکرّمہ کو فرمایا کہ ''تُو اللہ کی زمین میں سب سے بہتر ہے اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے''۔ دوسرا قول حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کہ مدینہ طیبہ مکّہ مکرّمہ سے افضل ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا قول بھی اسی کے موافق ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مذہب بھی یہی نقل کیا جاتا ہے۔ پہلے قول میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام نامی گذر چکا ہے، اس لیے ان کے بھی اس مسئلہ میں دو قول ہو گئے۔ ان حضرات کی دلیل ایک تو یہی حدیث ہے جس کا بیان ہو رہا ہے۔ نیز ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا کہ ہر شہر تلوار سے فتح ہوا مگر مدینہ طیبہ قرآن سے فتح ہوا۔ [زرقانی]

نیز حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام مدینہ منورہ میں اتنا طویل[1] ہے کہ ہجرت سے لے کر قیامت تک اسی شہر میں قیام ہے اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ مبارک کے یہاں موجود ہونے کی وجہ سے جس قدر اللہ جلّ شانہٗ کی رحمتیں ہر آن اور ہر وقت نازل ہوتی رہتی ہیں، ان کا نہ شمار ہو سکتا ہے نہ اندازہ۔ نیز شریعتِ مُطہّرہ کی تکمیل اور شریعت کے جتنے احکام اس شہر میں نازل ہوئے، اتنے نہ مکّہ مکرّمہ میں نازل ہوئے نہ کسی اور جگہ۔ نیز اسی فصل کے نمبر پانچ پر جو حدیث آ رہی ہے، اس سے بھی یہ حضرات اِستدلال فرماتے ہیں، جو مدینہ طیبہ کو مکّہ مکرّمہ سے افضل بتاتے ہیں۔ بندہ کے ناقص[2] خیال میں اس حدیث سے بھی استدلال[3] کیا جا سکتا ہے، جو اس فصل کے نمبر نو کے ذیل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد آ رہا ہے کہ کوئی زمین ایسی نہیں کہ جو مجھے زیادہ محبوب ہو، اس اعتبار سے کہ میری قبر وہاں ہو بجز مدینہ کے۔

(۳) عَنْ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ:	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مدینہ منورہ کی دونوں جانب
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ	جو کنکریلی زمین ہے، اس کے درمیانی حصہ کو میں حرام قرار
وَسَلَّمَ: إِنِّيْ أُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لَابَتَيِ	دیتا ہوں، اس لحاظ سے کہ اس کے خاردار[4] درخت کاٹے
الْمَدِيْنَةِ أَنْ يُّقْطَعَ عِضَاهُهَا أَوْ	جائیں یا اس میں شکار کیا جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی
يُقْتَلَ صَيْدُهَا. وَقَالَ: اَلْمَدِيْنَةُ	ارشاد فرمایا کہ مدینہ مؤمنین کے قیام کے لیے بہترین جگہ
خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ.	ہے، اگر وہ اس کی خوبیوں کو جانیں تو یہاں کا قیام نہ
لَا يَدَعُهَا أَحَدٌ رَغْبَةً عَنْهَا إِلَّا	چھوڑیں اور جو شخص یہاں کے قیام کو اس سے بددل[5] ہو کر

حل لغات: (۱) لمبا۔ (۲) کمزور۔ (۳) دلیل لانا۔ (۴) کانٹے والا جھاڑ۔ (۵) ناراض۔

أَبْدَلَ اللّٰهُ فِيهَا مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنْهُ وَلَا يَثْبُتُ أَحَدٌ عَلٰى لَأْوَائِهَا وَجَهْدِهَا إِلَّا كُنْتُ لَهٗ شَفِيْعًا أَوْشَهِيْدًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔	چھوڑے گا، اللہ جَلَّ شَانُہٗ اس کا نعم البدل[1] یہاں بھیج دے گا اور جو شخص مدینہ طیبہ کے قیام کی مشکلات کو برداشت کر کے یہاں قیام کرے گا، میں قیامت کے دن اس کا سفارشی یا گواہ بنوں گا۔

[رواه مسلم كذا في المشكوٰة وفي تحريم المدينة عن علي عند الشيخين وفي الصبر على لأواء المدينة روايات كثيرة في الصحاح]

فائدہ: اس حدیث شریف میں کئی مضمون ہیں اور ہر مضمون بہت سی مختلف روایات میں وارد ہوا ہے۔ اوّل یہ ہے کہ میں مدینہ کو حرام قرار دیتا ہوں۔ مدینہ منورہ کے دونوں جانب پتھریلی زمین ہے، ان دونوں کے درمیانی حصہ کا مطلب یہ ہے کہ تمام مدینہ اور اس کے قریب کی زمین کو حرام قرار دیتا ہوں۔ بخاری شریف اور مسلم شریف کی حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا کہ جَبَلِ عَیرْ اور جَبَلِ ثَوْر کے درمیانی حصہ کو حرام قرار دیتا ہوں۔ جَبَلِ ثَوْر جَبَلِ اُحُد کے قریب ایک چھوٹا سا پہاڑ بتاتے ہیں اور حرام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ جگہ محترم اور حَرَم کے حکم میں ہے، نہ اس جگہ شکار کیا جائے، نہ یہاں کا خودرَو[2] گھاس کاٹا جائے جیسا کہ مکہ مکرمہ کے حَرَم میں یہ چیزیں ناجائز ہیں، ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں کے متعلق بھی ارشاد فرمایا۔ لیکن دوسری روایات کی بناء پر حنفیہ کے نزدیک دونوں جگہ کے حکم میں یہ فرق ہے کہ مکہ مکرمہ کے حَرَم میں یہ چیزیں ناجائز ہیں اور اگر کوئی ایسا کرے گا تو بدلہ دینا واجب ہوگا اور حَرَم مدینہ میں خلاف اَولیٰ[3] ہیں اور بدلہ دینا واجب نہ ہوگا۔ یہ مُمانعت[4] بھی دونوں جگہ مکان کی فضیلت کے لحاظ سے ہے جیسا کہ شاہی محلوں کے آس پاس کی جگہیں ساری دنیا میں محترم اور قابلِ ادب ہوتی ہیں، وہاں شکار وغیرہ کھیلنے کی بھی اجازت نہیں ہوتی اور کسی کو وہاں کی پیداوار میں تصرُّف[5] کا بھی حق نہیں ہوتا، یہ ایک معروف چیز ہے۔

دوسرا مضمون مدینہ منورہ میں قیام کے متعلق ہے، یہ مضمون بھی بہت سی روایات میں آیا ہے۔ بخاری شریف کی ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین[6] گوئی کے طور پر فرمایا ہے کہ ''یمن'' فتح ہوگا، بعض لوگ اس کے حالات کی تحقیق کریں گے، پھر اپنے اہل وعیال کو اور جو لوگ ان کے کہنے میں آجائیں گے، ان کو لے کر وہاں چلے جائیں گے، حالانکہ مدینہ اُن کے لیے بہتر تھا، کاش وہ یہاں کی برکات کو جانتے اور ''شام'' فتح ہوگا، لوگ وہاں کے حالات کی خبریں سُن کر اپنے اہل کو اور جو اُن

حل لغات: (۱) بہترین بدل۔ (۲) خود بخود اُگنے والی۔ (۳) بہتر نہیں ہے۔ (۴) مناہی، روک۔ (۵) اختیار، قبضہ۔ (۶) آئندہ ہونے والی بات۔

کے کہنے میں آجائیں گے، ان کو لے کر وہاں منتقل[1] ہوجائیں گے، حالانکہ مدینہ ان کے لیے بہتر تھا، کاش وہ اس کو جانتے؛ ''عراق'' فتح ہوگا اور لوگ وہاں کے حالات معلوم کرکے وہاں اپنے اہل کو اور جو کہنے میں آجائیں، ان کو لے کر وہاں منتقل ہوجائیں گے اور مدینہ ان کے لیے بہتر تھا، کاش وہ اس کو جانتے''۔ حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اسی طرح پورا ہوا اور یہ شہر اسی ترتیب سے فتح ہوئے۔ [فتح]

حضرت ابواُسید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، تو ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر پر تھے اور ان کا کفن صرف ایک چھوٹی سی چادر تھی، جو بدن پر بھی پوری نہ آئی تھی۔ جب اس سے ان کے چہرہ کو ڈھانکا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور جب پاؤں پر کھینچی جاتی تو چہرہ کھُل جاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چادر کو منہ کی طرف کردو اور پاؤں پر درخت کے پتّے ڈال دو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رو رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک زمانہ آنے والا ہے کہ لوگ شاداب[2] زمینوں کی طرف نکلیں گے، وہاں جاکر کھانے اور پہننے کو خوب ملے گا، کثرت سے سواریاں ملیں گی، تو اپنے گھر والوں کو لکھیں گے کہ تم حجاز کی قحط زدہ[3] زمین میں پڑے ہو یہاں آجاؤ، حالانکہ مدینہ ان کے لیے بہتر ہے، کاش وہ جانتے اس امر کو۔ [ترغیب]

مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ عنقریب[4] لوگ دوسرے شہروں کی ثروت[5] اور پیداوار کو دیکھ کر اپنے قریبی رشتہ داروں کو وہاں بلاویں گے کہ یہاں بڑی پیداوار ہے یہاں آجاؤ، لیکن مدینہ کا قیام ان کے لیے بہتر ہے، کاش وہ اس کی بہتری کو جانتے۔ [زرقانی علی المواہب] اور ظاہر ہے کہ دنیا کی ثروت یا پیداوار جتنی بھی زیادہ ہوجائے، جو بات مدینہ پاک میں برکات کے اعتبار سے ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسی ہونے کی جو سعادت وہاں حاصل ہے اور دین کی طرف رغبت کے جو اسباب وہاں ہیں، وہ کسی دوسری جگہ کہاں مُیسّر آسکتے ہیں؟ اور ان قیمتی موتیوں کے مقابلہ میں دنیاوی مال ومتاع لاکھوں کا ہو یا کروڑوں کا، کب مقابلہ کرسکتا ہے؟۔ مُسندِ بزّار کی ایک حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ مدینہ منورہ سے بعض آدمی کسی شاداب زمین کی طرف ثروت کی تلاش میں جائیں گے اور وہاں ان کو ثروت اور شادابی مل جائے گی تو وہ اپنے اہل وعیال کو بھی وہاں منتقل کرلیں گے، لیکن اگر وہ مدینہ کے فضائل سے باخبر ہوتے تو یقیناً مدینہ ان کے لیے بہتر تھا۔ [زرقانی]

حل لغات: (۱) چلے جائیں۔ (۲) ہری بھری۔ (۳) خشک، سوکھی۔ (۴) جلد ہی۔ (۵) مال ودولت کی زیادتی۔

زیارتِ مدینہ

تیسرا مضمون یہ ہے کہ جو شخص مدینہ کے قیام کو اس سے اِعراض[1] کر کے اور بدْدل[2] ہو کر چھوڑے گا، حق تعالیٰ شانہٗ اس کا نِعْمَ البَدَل[3] یہاں تجویز[4] کرے گا۔ حافظ ابن عبد البر، قاضی عیاض رحمہما اللہ وغیرہ نے اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ خاص بتایا ہے، لیکن امام نووی اور علامہ ابی مالکی رحمہما اللہ وغیرہ نے اس کو ہمیشہ کے لیے عام بتایا ہے۔ علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یہ بات اُن حضرات کے لیے ہے، جو وہاں کے باشندے ہیں، وہاں کے مستقل رہنے والے ہیں اور جو حضرات دوسری جگہ کے مقیمین[5] محض[6] زیارت کے لیے آئے ہوں، وہ اس میں داخل نہیں ہیں، لیکن یہ اشکال[7] ہوتا ہے کہ بعض حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی مدینہ طیبہ کے قیام کو ترک کر کے دوسری جگہ کو وطن بنایا ہے، لیکن حقیقت میں اشکال نہیں ہے، اس لیے کہ ان حضرات کا ترکِ وطن درحقیقت ایک بڑا مجاہدہ اور ایثار[8] تھا، اگر یہ حضرات حق تعالیٰ شانہٗ اُن کی قبروں کو انوار و برکات سے خوب پُر کرے، اپنی ذاتی غرض اور اپنی ذات کے نفع کو مقدّم[9] فرماتے تو آج ہندوستان اور دنیا کے دوسرے ملکوں میں اسلام کیسے پھیلتا؟ یہ انہی حضرات کی قربانیوں کا ثمرہ[10] ہے کہ دنیا کے ہر خطہ میں اسلام کی روشنی پھیلی ہوئی ہے، ان حضرات کا دُور و دراز[11] شہروں میں جا کر قیام فرمانا دین کی خاطر تھا، اسلام کی خاطر تھا، اللہ کی رضا کے واسطے تھا اور اس کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت کو پھیلانے کے واسطے تھا، یہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی خوشنودی کے واسطے اپنی دل بستگی[12] کو چھوڑنا تھا۔

أُرِيْدُ وِصَالَهٗ وَيُرِيْدُ هَجْرِيْ　　فَأَتْرُكُ مَا أُرِيْدُ لِمَا يُرِيْدُ

ترجمہ: میں محبوب کا وِصال[13] چاہتا ہوں اور وہ مجھ سے جدائی پسند کرتا ہے، اس لیے میں اپنی خوشی کو اس کی خوشی پر قربان کرتا ہوں۔

ان حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مدینہ پاک چھوڑنے پر وہاں کی برکات سے وہاں کی نمازوں میں اجر و ثواب کی زیادتی سے جو نقصان واقع ہوا، ان شاء اللہ اس سے کروڑوں درجہ زائد وہ ثواب ان کو ملتا رہے گا، جو اُن کی برکت سے دنیا میں اسلام پھیلنے سے اُن کے حصہ میں آیا اور قیامت تک آتا رہے گا، اس لیے کہ بہت سی احادیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ جو شخص کوئی نیک کام کرے تو اس کو اس کا ثواب تو ہو ہی گا، لیکن اس کی وجہ سے جتنے آدمی اس نیک کام کو کرتے رہیں گے، ان سب کے کرنے کا ثواب کرنے والوں کو مستقل ملتا رہے گا اور اس شخص کو سب کرنے والوں کے کرنے کا ثواب مستقل

حل لغات: (۱) منہ پھیر کر۔ (۲) ناراض۔ (۳) اچھا بدل۔ (۴) انتظام۔ (۵) قیام کرنے والے۔ (۶) صرف۔ (۷) سوال۔ (۸) اپنی ضرورت پر دوسروں کی ضرورت کو افضل جاننا۔ (۹) آگے رکھنا۔ (۱۰) پھل، نتیجہ۔ (۱۱) بہت دور۔ (۱۲) دل لگی۔ (۱۳) ملاقات۔

ملتا رہے گا۔ اس لحاظ سے مدینہ پاک کے چھوٹنے سے جو اُن حضرات کے اعمال کے ثوابوں میں کچھ کمی ہوئی ہوگی، اس سے بدرجہا[1] زائد قیامت تک جتنے آدمی مسلمان ہوتے رہیں گے اور نیک اعمال کرتے رہیں گے، ان کے اعمال کا ثواب ان حضرات کو ان شاء اللہ ہوتا رہے گا، جن کی وجہ سے جہاں جہاں اسلام پھیلا، اسی وجہ سے اکابر تعلیم وتبلیغ پر بہت زیادہ زور دیتے رہے کہ آدمی اگر خود نیک اعمال کرے تو اس کو ثواب اپنی زندگی تک ہے، لیکن اگر دوسروں کو نیک عمل پر لگا جائے تو ان سب کے اعمال کا ثواب اس شخص کو ملتا رہے گا، جس کی سعی[2] اور کوشش سے دوسرے لوگوں نے کوئی نیک عمل کیا ہو، مفت کا ثواب ہے اور گویا ایک سرمایہ ہے، جو کسی تجارت میں لگا دیا گیا اور ہمیشہ اس کا نفع ملتا رہے گا یا ایک کرایہ کی جائیداد ہے جس کا کرایہ گھر بیٹھے ہمیشہ وصول ہوتا رہے گا، اس لیے بہت زیادہ کوشش اس کی ہونا چاہیے کہ اپنی کوشش سے جتنے بھی زیادہ سے زیادہ آدمی دین پر قائم ہوجائیں، دین پر پختہ[3] ہوجائیں، نیک عمل کرنے لگیں وہ غنیمت[4] ہے۔

چوتھا مضمون اس حدیث میں یہ ہے کہ جو شخص مدینہ طیبہ کی تکالیف کو برداشت کرکے ان پر صبر کرکے وہاں قیام کرے گا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں اس کا سفارشی یا گواہ ہوں گا۔ یہ مضمون بہت سی احادیث میں ذکر کیا گیا ہے۔ حرّہ کی لڑائی میں جب کہ مدینہ منورہ پر چڑھائی ہورہی تھی، ایک شخص حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور جنگ کی وجہ سے مدینہ پاک میں سخت گرانی[5] اور اپنے کُنبہ[6] کی کثرت کا ذکر کرکے کہیں باہر جانے کا مشورہ کرنے لگے، حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تیرا ناس ہو، میں کبھی بھی تجھے کسی دوسری جگہ منتقل[7] ہونے کا مشورہ نہیں دوں گا، میں نے خود حضور ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص مدینہ کی سختی اور بھوک پر صبر کرے گا، میں اس کا قیامت میں سفارشی یا گواہ ہوں گا۔ بعض علماء نے کہا کہ یہ راوی کو شک ہے کہ حضور ﷺ نے سفارشی کا لفظ فرمایا یا گواہ کا لفظ فرمایا۔ علامہ قَسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ لفظ یعنی سفارشی یا گواہ، حضرت جابر، حضرت سعد بن ابی وقّاص، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوسعید خُدری، حضرت ابوہریرہ، حضرت اسماء بنت عُمیس، حضرت صَفیّہ بنت ابی عُبید رضی اللہ عنہم سب کی حدیثوں میں موجود ہے۔ یہ بات بہت دشوار ہے کہ سب ہی کو شک ہوگیا، اس لیے ظاہر یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے خود ہی دونوں لفظ ارشاد فرمائے اور یہ آدمیوں کے اختلاف کی وجہ سے فرمایا کہ بعض لوگوں کے لیے سفارشی بنوں گا اور بعض کے لیے گواہ مثلاً گنہگاروں کے لیے سفارشی اور متقی لوگوں کے لیے گواہ یا یہ کہ جن حضرات کی وفات حضور اقدس ﷺ کی حیات میں ہوئی، ان کے لیے گواہ اور جن کی وفات حضور ﷺ کے وِصال[8] کے بعد ہوئی، ان کے لیے

حل لغات: (۱) کئی درجہ زیادہ۔ (۲) کوشش۔ (۳) پکا۔ (۴) نفع۔ (۵) مہنگائی۔ (۶) خاندان۔ (۷) انتقال۔

سفارشی۔بعض روایات میں ''یا'' کے بجائے ''اور'' کا لفظ آیا ہے کہ میں اُن کے لیے سفارشی اور گواہ ہوں گا، اس روایت کے موافق سب کے لیے دونوں چیزیں جمع ہوگئیں اور یہ سفارش اور شہادت[1] جوان حضرات کے لیے ہوگی، وہ عام مومنین کے لیے سفارش اور شہادت کے علاوہ خصوصی ہوگی، جو اہلِ مدینہ کے اعزاز واکرام پر دلالت کرتی ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ سفارش ہی خاص قسم کی ہوگی، مثلاً تخفیف[2] حساب کی سفارش ہو یا کسی خاص نوع[3] کے اکرام کی سفارش ہو، مثلاً عرش کے سایہ تلے[4] ہونے کی یا جنت میں جلدی داخلہ کی یا خصوصی منبروں کی، جیسا کہ احادیث میں بعض لوگوں کے متعلق آتا ہے کہ وہ نُور کے منبروں پر ہوں گے یا اور کوئی اسی قسم کے اعزاز کی اور جو شخص ان فضائل سے واقف ہوگا، وہ کیسے وہاں کی مَشقّتوں[5] پر رغبت سے راضی نہ ہوگا، بالخصوص جبکہ حضور اقدس ﷺ کا قرب ہر وقت حاصل ہو۔

پائے در زنجیرِ پیشِ دوستان　　　　بہ کہ بابیگانگاں در بوستاں

ترجمہ: ''دوستوں کے ساتھ قید میں رہنا بھی غیروں کے ساتھ باغ میں رہنے سے بہتر ہے''۔

اور اس کے ساتھ ہی وہاں کے قیام میں جو ہر عمل میں ثواب میں زیادتی ہے وہ مزید[6] برآں اور یہ تو جب ہے کہ وہاں مَشقّتیں زائد[7] ہوں بھی، ورنہ کون سی جگہ دنیا میں ایسی ہے جہاں کسی نہ کسی نوع کی تکالیف[8] نہیں ہیں؟ اور خصوصاً اس فتنہ کے زمانہ میں تو ہر جگہ تکالیف ہی تکالیف ہیں۔اس کے باوجود لوگ جہاں مقیم[9] ہیں، اس سے منتقل[10] ہونا خوشی سے گوارا نہیں کرتے تو پھر مدینہ جیسی جگہ کے قیام کا کیا کہنا۔

④ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ الْإِيْمَانَ لَيَأْرِزُ إِلَى الْمَدِيْنَةِ كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ إِلَى جُحْرِهَا۔ [رواه البخاري]	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ بے شک ایمان مدینہ کی طرف ایسا کھنچ کر آتا ہے، جیسا کہ سانپ اپنے سوراخ کی طرف آجاتا ہے۔

فائدہ: بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ ابتدائی زمانہ کے اعتبار سے ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں اور خلفاء راشدین کے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے زمانہ میں جن لوگوں کے دل میں ایمانی جذبہ تھا، وہ جوق جوق[11] مدینہ طیبہ حضور ﷺ کی زیارت اور دین کے سیکھنے کے واسطے آتے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ تمام زمانوں کے لیے ہے کہ ایمانی جذبہ رکھنے والے حضور اقدس ﷺ کی قبر شریف کی زیارت اور حضور ﷺ کی مسجد میں نماز اور آپ ﷺ کے اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار

حل لغات: ① گواہی۔ ② کمی، حساب کی کمی۔ ③ قسم۔ ④ نیچے۔ ⑤ تکلیفوں۔ ⑥ اس پر اور زیادہ۔ ⑦ زیادہ۔ ⑧ تکلیفیں۔ ⑨ رہنے۔ ⑩ ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جانا۔ ⑪ گروہ گروہ۔

زیارت مدینہ

کی زیارت کے شوق میں کھنچے چلے جاتے ہیں اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہ حضور ﷺ نے آخر زمانہ کا حال بتایا ہے کہ ساری دنیا میں سے دین سمٹ کر مدینہ طیبہ میں آ جائے گا۔ اس کی تائید[1] ایک اور حدیث سے ہوتی ہے جس کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسلام کی بستیوں میں سب سے آخری بستی جو قیامت کے قریب ویران ہوگی وہ مدینہ طیبہ ہوگا۔ یعنی اس کی ویرانی ساری آبادیوں کے بعد ہوگی۔ [مشکوٰۃ]

⑤ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ بِالْمَدِيْنَةِ ضِعْفَيْ مَا جَعَلْتَ بِمَكَّةَ مِنَ الْبَرَكَةِ۔ [متفق علیہ کذا فی المشکوٰۃ]	حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کی یہ دعا نقل کرتے ہیں کہ اے اللہ! جتنی برکتیں آپ نے مکہ مکرمہ میں رکھی ہیں اُن سے دُگنی برکتیں مدینہ منورہ میں عطا فرما۔

فائدہ: جو حضرات مدینہ طیبہ کو مکہ مکرمہ سے افضل بتاتے ہیں، وہ اس حدیث سے بھی استدلال[2] کرتے ہیں جیسا کہ حدیث نمبر دو کے ذیل میں گذرا اور جو حضرات مکہ مکرمہ کو افضل بتاتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف میں برکت سے مراد خاص طور سے روزی میں برکت مراد ہے۔

مسلم شریف کی ایک حدیث میں یہ مضمون ذرا تفصیل سے آیا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا معمول یہ تھا کہ جب موسم میں کوئی پھل آتا تو سب سے پہلا پھل حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا جاتا۔ حضور اقدس ﷺ اس کو لے کر یہ دعا فرماتے کہ اے ''اللہ! ہمارے پھلوں میں برکت فرما اور ہمارے شہر میں برکت فرما اور ہمارے صاع[3] میں برکت فرما اور ہمارے مُد[4] میں برکت عطا فرما، اے اللہ! حضرت ابراہیم علیہ السلام تیرے بندے تھے، تیرے خلیل تھے، تیرے نبی تھے اور میں بھی تیرا بندہ ہوں اور تیرا نبی ہوں، انہوں نے مکہ مکرمہ کے لیے دعا کی، میں ویسی ہی دعا مدینہ طیبہ کے لیے کرتا ہوں اور اس سے دو چند کی دعا کرتا ہوں''۔ اس کے بعد کسی چھوٹے بچے کو وہ پھل مرحمت فرما دیتے۔ اس حدیث شریف میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی طرف اشارہ فرمایا جو قرآن پاک میں مذکور ہے: ﴿ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ ﴾ [سورۃ ابراہیم: ۳۷] ''کہ اے اللہ! لوگوں کے دل اس شہر (مکہ مکرمہ) میں رہنے والوں کی طرف مائل کرا اور ان کو پھل عطا فرما۔''

ایک حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا: گوشت اور پانی میں برکت کے متعلق وارد ہوئی

حل لغات: ① حمایت۔ ② دلیل لانا۔ ③ وزن ناپنے کا ایک برتن۔ ④ وزن ناپنے کا ایک برتن۔

اور حضور ﷺ نے اپنی اس دعا کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا پر مُرتَّب[1] فرمایا، اس لیے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ برکت بھی ان ہی چیزوں کے متعلق ہے۔ صاع اور مُد دو پیمانے ہیں، جن سے غلّہ ناپا جاتا ہے، ان میں برکت کے یہ معنیٰ ہیں کہ رزق میں فراخی[2] ہو۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس دعا کا قبول ہونا مُشاہدہ میں آتا ہے کہ جو مقدار کھانے کی مدینہ طیبہ میں کافی ہو جاتی ہے، اتنی مقدار کھانے کی مدینہ طیبہ سے باہر کافی نہیں ہوتی۔ وہاں رہنے میں اس کا تجربہ ہوتا ہے۔ [فتح]

اور جو حضرات مدینہ طیبہ کی افضلیت کے قائل ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ برکت کے معنیٰ خیر میں زیادتی کے ہیں جو دین اور دنیا دونوں کی خیر کو شامل ہے، اس لیے ہر نوع کی خیر میں مکّہ مکرّمہ سے دو چند کی دعا ہے۔ [فتح]

ایک حدیث میں آیا ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ جا رہے تھے، جب مدینہ سے باہر حَرّہ میں سُقیا پر پہونچے (ایک جگہ کا نام ہے، مدینہ کی آبادی سے باہر) تو حضور ﷺ نے وضو کا پانی منگایا اور وضو کر کے قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوئے اور اللہ اکبر کہنے کے بعد یہ دعا کی: اے اللہ! حضرت ابراہیم علیہ السلام تیرے بندے تھے، تیرے خلیل تھے، انہوں نے مکّہ والوں کے لیے برکت کی دعا کی اور میں محمد ہوں (ﷺ)، تیرا بندہ ہوں، تیرا رسول ہوں، میں تجھ سے مدینہ والوں کے لیے دعا کرتا ہوں کہ تُو ان کے مُد میں اور ان کے صاع میں ایسی ہی برکت کر جیسی کہ تُو نے اہلِ مکّہ کے لیے کی اور اس کے ساتھ دو چند برکتیں زیادہ کر۔ [کنز] اس حدیث شریف میں تین گنا زیادتی کی دعا ہوئی۔ صاحبِ ترغیب نے اس کی سند کو عمدہ اور قوی بتایا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں گرانی بہت ہو گئی اور لوگ سخت مشقّت[3] میں پڑ گئے، تو حضور ﷺ نے صبر کی تلقین[4] فرمائی اور یہ خوشخبری دی کہ میں نے تمہارے لیے تمہارے صاع میں اور تمہارے مُد میں برکت کی دعا کی ہے، یہ بھی ارشاد فرمایا کہ کھانا علیحدہ علیحدہ نہ کھایا کرو، اکٹھے ہو کر کھایا کرو، اس صورت میں ایک کا کھانا دو کو کافی ہو جاتا ہے اور دو کا کھانا چار کو کافی ہو جاتا ہے اور چار کا پانچ چھ کو کافی ہو جاتا ہے، اکٹھے کھانے میں برکت ہوتی ہے، جو شخص مدینہ طیبہ کی مشقت پر صبر کرے گا، میں قیامت کے دن اس کے لیے سفارشی اور گواہ بنوں گا اور جو شخص مدینہ سے اعراض[5] کر کے یہاں سے جائے گا، حق تعالیٰ شانہٗ اس کا بہترین بدل یہاں کر دے گا اور جو مدینہ والوں کے ساتھ بُرائی کا ارادہ کرے گا وہ اس طرح پگھل جائے گا جیسا کہ پانی میں نمک پگھل جاتا ہے۔ [ترغیب]

حل لغات: (۱) مطابق۔ (۲) زیادتی، بڑھوتری۔ (۳) مشکل۔ (۴) نصیحت۔ (۵) منہ پھیر کر، ناراض ہو۔

زیارت مدینہ

یہ مضمون بھی بہت سی روایات میں نقل کیا گیا، جیسا کہ آئندہ حدیث کے ذیل میں آ رہا ہے۔

(٦) عَنْ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَايَكِيْدُ أَهْلَ الْمَدِيْنَةِ أَحَدٌ إِلَّا انْمَاعَ كَمَا يَنْمَاعُ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ۔ [متفق عليه كذا في المشكوٰة]	حضرت سعد رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو کوئی بھی مدینہ منورہ کے رہنے والوں کے ساتھ مکر کرے گا، وہ ایسا گھل جائے گا جیسا پانی میں نمک گھل جاتا ہے۔

فائدہ: یہ مضمون بہت سی احادیث میں بہت مختلف عنوانات سے نقل کیا گیا، اس سے پہلی حدیث کے ذیل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس قسم کا نقل کیا گیا۔ مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص مدینہ والوں کے ساتھ کسی قسم کی بُرائی کا ارادہ کرے گا، حق تعالیٰ شانہٗ اس کو آگ میں اس طرح پگھلا دیں گے، جس طرح آگ میں رانگ(١) پگھلتا ہے یا پانی میں نمک گھل جاتا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ وہ شخص برباد ہو جائے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈراتا ہے، ان کے صاحبزادے نے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال(٢) ہو چکا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی شخص کس طرح ڈرا سکتا ہے؟ تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص مدینہ والوں کو ڈراتا ہے، وہ اس چیز کو ڈراتا ہے جو میرے پہلو کے درمیان ہے (یعنی میرے دل کو)۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جو شخص مدینہ والوں کو ڈرائے اللہ جل شانہٗ اس کو ڈرائے۔ حضرت عُبادہ رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا کہ اے اللہ! جو شخص مدینہ والوں پر ظلم کرے یا ان کو ڈرائے تُو اس کو ڈرا اور اس پر اللہ کی لعنت، فرشتوں کی لعنت اور ساری دنیا کی لعنت، نہ اس کی فرض عبادت مقبول، نہ نفل عبادت مقبول۔ حضرت سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ایسے ہی نقل کیا گیا جیسا کہ حضرت عُبادہ رضی اللہ عنہ نے نقل کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو مدینہ والوں کو تکلیف پہونچائے، اس کو اللہ تعالیٰ تکلیف پہونچائے اور اس پر اللہ کی لعنت فرشتوں کی لعنت، ساری دنیا کے آدمیوں کے لعنت، نہ اس کا فریضہ مقبول نہ نفل۔ [ترغیب] حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی ہے: اے اللہ! جو مدینہ والوں کے ساتھ بُرائی کا ارادہ کرے تو اس کو ایسا پگھلا دے جیسا کہ رانگ آگ میں اور نمک پانی میں اور چکنائی دھوپ میں پگھلتی ہے۔ [کنز العمال]

اور بھی بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے اس قسم کے مضامین نقل کیے گئے ہیں یہ بڑی سخت وعیدیں ہیں، جو لوگ زیارت کے واسطے وہاں حاضر ہوں، وہ اس کا بہت زیادہ خیال اور اہتمام رکھیں کہ نہ ان

حل لغات: (١) ایک نرم دھات جو قلعی کی طرح ہوتی ہے، سیسہ۔ (٢) انتقال۔

لوگوں کو اَذیت پہونچائیں، نہ خرید اور فروخت میں ان سے کسی قسم کی چالبازی[1] اور مکر کریں، یہاں رہتے ہوئے بھی وہاں کے رہنے والوں کیساتھ کسی قسم کی دغابازی[2] کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ اس کا بہت لحاظ رکھیں، جو معاملہ ان کے ساتھ کریں وہ نہایت صفائی کا ہونا چاہیے، کسی قسم کی دغا اور فریب ان لوگوں کے ساتھ کرنے سے بہت زیادہ احتراز کریں۔

(۷) عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ صَلّٰى فِيْ مَسْجِدِيْ أَرْبَعِيْنَ صَلٰوةً لَا تَفُوْتُهُ صَلٰوةٌ كُتِبَ لَهُ بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ وَبَرَاءَةٌ مِّنَ الْعَذَابِ وَبَرِءَ مِنَ النِّفَاقِ۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص میری مسجد میں چالیس نمازیں ایسی طرح پڑھے کہ ایک نماز بھی اس کی مسجد سے فوت[3] نہ ہو، تو اس کے لیے آگ سے برأت[4] لکھی جاتی ہے، عذاب سے برأت لکھی جاتی ہے اور وہ شخص نفاق سے بَری ہے۔

[رواه أحمد والطبراني في الأوسط ورجالهٗ ثقات وروى الترمذي بعضهٗ كذا في مجمع الزوائد]

فائدہ: بڑی اہم فضیلت ہے اور بڑی آسان، زائرین[5] کو چاہیے کہ کم از کم آٹھ روز کا قیام وہاں ضرور کریں اور جانے سے پہلے اونٹ یا موٹر والوں سے آٹھ روز کا قیام طے کرلیں تاکہ چالیس نمازیں پوری ہوجائیں اور اس کا اہتمام کریں کہ اس درمیان میں کوئی نماز فوت نہ ہونے پائے، اگر کسی جگہ زیارت وغیرہ کو جانا ہو تو ایسی صورت تجویز[6] کریں کہ صبح کی نماز مسجد نبوی میں پڑھ کر جائیں اور ظہر کی نماز واپسی میں مسجد میں میسّر[7] ہوجائے۔

(۸) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ لِلْمَرِيْضِ: بِسْمِ اللهِ تُرْبَةُ أَرْضِنَا بِرِيْقَةِ بَعْضِنَا يُشْفٰى سَقِيْمُنَا۔

[رواه البخاري، وروى معناه مسلم وأبوداوٗد وغيرهما]۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مریض کے لیے فرمایا کرتے تھے: بِسْمِ اللهِ تُرْبَةُ أَرْضِنَا بِرِيْقَةِ بَعْضِنَا يُشْفٰى سَقِيْمُنَا

فائدہ: اس دُعا کا ترجمہ یہ ہے کہ "اللہ کے نام کے ساتھ ہماری زمین کی مٹی ہم میں سے بعض آدمیوں کے لب[8] کے ساتھ مل کر ہمارے بیمار کو شفاء دیتی ہے"۔ مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ جب کوئی آدمی بیمار ہوتا یا اس کے کوئی زخم وغیرہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرتے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انگلی کو لب لگا کر زمین پر لگاتے، تاکہ اس کو مٹی لگ جائے اور یہ دعا پڑھتے، پھر اس کو اس جگہ لگا دیتے جو ماؤف[9] ہے۔ بعض علماء نے اس کو عام کہا ہے، وہ ہر جگہ کی مٹی کی متعلق ایسا ہی کہتے ہیں اور

حل لغات: (۱) مکاری۔ (۲) دھوکہ۔ (۳) چھوٹ۔ (۴) چھٹکارہ۔ (۵) زیارت کرنے والے۔ (۶) طے۔ (۷) ملنا آسان ہو۔ (۸) مراد تھوک۔ (۹) جسم کا متاثر حصہ۔

زیارت مدینہ

اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ وطن کی مٹی کو مزاج سے مناسبت میں خاص دخل ہوتا ہے جیسا کہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں اس کو وضاحت سے نقل کیا ہے اور بعض علماء نے اس کو مدینہ پاک کی مٹی کے ساتھ خاص بتایا ہے۔ علّامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مَواہب لَدُنیہ میں مدینہ پاک کی خصوصیت میں لکھا ہے کہ اس کا غبار جُذام اور برص کے لیے خصوصیت سے شفاء ہے۔ علّامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ نہ کوئی طبّی چیز ہے، نہ عقلی چیز ہے، لیکن منکر کو نفع نہیں کرتی۔ علّامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض لوگوں کے حالات بھی لکھے ہیں، جن کو برص کی بیماری تھی اور مدینہ پاک کی مٹی ملنے سے وہ اچھے ہو گئے۔ علّامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: بلکہ ہر مرض کے لیے شفا ہے۔ علّامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ قبیلہ بنُو الحارث کے پاس گئے، وہ لوگ بیمار تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا حال ہے؟ کہنے لگے: حضور ہم لوگ بخار میں مبتلا ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس تو صَعِیب موجود ہے (یہ مدینہ کی ایک خاص جگہ کا نام ہے جو وادیٔ بُطحان میں ہے) انہوں نے عرض کیا کہ حضور اِصَعِیب کو کیا کریں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی مٹی لے کر پانی میں ڈال کر اس پر یہ پڑھ کر لب ڈالو: بِسْمِ اللّٰهِ تُرَابُ أَرْضِنَا بِرِيْقِ بَعْضِنَا شِفَاءٌ لِمَرِيْضِنَا بِإِذْنِ رَبِّنَا ان حضرات نے اس کا استعمال کیا، اللہ کے فضل سے بخار جاتا رہا۔

اس قصہ کے نقل کرنے والے ایک راوی کہتے ہیں کہ لوگوں کے اس جگہ سے مٹی اُٹھانے کی وجہ سے وہاں گڑھا بھی پڑ گیا، بہت سے لوگوں نے اس کا تجربہ کیا۔ علّامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ جگہ اب تک بھی موجود ہے، لوگ اس کی مٹی بیماروں کے واسطے لاتے ہیں۔ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ مدینہ کا غبار کوڑھ کی بیماری کے لیے شفا ہے۔ |زرقانی|

اس ناکارہ کا تجربہ تو یہاں تک ہے کہ مدینہ طیبہ کی مٹی اس دعا کے ساتھ طاعون کی گلٹی تک کے لیے بھی نافع ہوئی ہے اور وَفاءُ الوَفاء میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد نقل کیا ہے کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اس کی مٹی میں ہر بیماری کا علاج ہے۔

⑨ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَّمُوْتَ بِالْمَدِيْنَةِ فَلْيَمُتْ بِهَا فَإِنِّيْ أَشْفَعُ لِمَنْ يَّمُوْتُ بِهَا۔	حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص اس کی طاقت رکھتا ہو کہ مدینہ طیبہ میں مرے چاہیے کہ وہیں مرے، اس لیے کہ میں اس شخص کا سفارشی ہوں گا جو مدینہ میں مرے گا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ میں اس کا گواہ بنوں گا۔

حلِ لغات: ① طبیعت۔ ② تفصیل۔ ③ دھول۔ ④ کوڑھ۔ ⑤ سفید داغ۔ ⑥ انکار کرنے والا۔ ⑦ یعنی حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ۔

[رواه الترمذي وابن ماجه وابن حبان في صحيحه والبيهقي و لفظ ابن ماجه فَإِنِّيْ أَشْهَدُ لِمَنْ مَّاتَ بِهَا۔ كذا في الترغيب]

فائدہ: بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ مضمون نقل کیا گیا۔ حضرت صُمَیْتَہْ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس کی طاقت رکھتا ہو کہ مدینہ کے سوا کہیں نہ مرے، وہ مدینہ ہی میں مرے اس لیے کہ میں اس کے لیے گواہ بنوں گا جو مدینہ میں مرے۔ [ترغیب]

علماء نے لکھا ہے کہ شفاعت سے مُراد خاص قسم کی شفاعت ہے، ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عام شفاعت تو سارے ہی مسلمانوں کے لیے ہوگی اور ''طاقت رکھنے کا'' مطلب یہ ہے کہ اس کی کوشش کرے کہ وہاں آخر تک رہے۔ علّامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ ترغیب ہے، وہاں سے باہر نہ جانے کی کہ مرنے تک وہیں رہے۔ ابنُ الحاج کہتے ہیں کہ اس کو طاقت رکھنے سے تعبیر کیا، گویا اشارہ ہے اس طرف کہ اس کی انتہائی کوشش کرے۔ میرے محترم بزرگ حضرت مولانا الحاج سید احمد صاحب فیض آبادی نَوَّرَ اللہُ مَرْقَدَہٗ نے جو مدرسہ شرعیہ مدینہ طیبہ کے بانی اور حضرت شیخ العرب والعجم حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی تھے، کئی مرتبہ فرمایا کہ ہندوستان کے دوستوں سے ملنے کے لیے جانے کو تو ایک مرتبہ دل چاہتا ہے، مگر بُڑھاپا آ گیا، ایسا نہ ہو کہ مدینہ کی موت نصیب نہ ہو۔ میرے آقا حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب نَوَّرَ اللہُ مَرْقَدَہٗ نے ملتزم پر جو دعائیں کیں، منجملہ[1] ان کے یہ بھی تھی کہ حق تعالیٰ شانہٗ مدینہ پاک کی موت نصیب فرمائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دعا تو مشہور ہے اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ شَهَادَةً فِيْ سَبِيْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِيْ بِبَلَدِ رَسُوْلِكَ۔ (اے اللہ مجھے اپنے راستہ میں شہادت عطا فرما اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں موت عطا فرما) ان دونوں دعاؤں کا جمع ہونا بظاہر دشوار[2] تھا کہ مدینہ پاک دارالاسلام، اور کفر سے ایسا بعید[3] ہو چکا تھا کہ شیطان بھی اس سے مایوس ہو چکا تھا، ایسی حالت میں وہاں شہادت بظاہر دشوار تھی، لیکن اللہ جلَّ شانہٗ جس کام کا ارادہ فرمالیں تو ان کو اسباب پیدا کرنے کیا مشکل ہیں، خاص مسجد نبوی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بڑے مجمع کے درمیان عین نماز کی حالت میں اُبولُؤلُؤ کافر کے ہاتھ شہادت نصیب ہوئی۔

یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک قبر کھودی جا رہی تھی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف فرما تھے۔ ایک صاحب تشریف لائے اور قبر کو دیکھ کر کہنے لگے کہ مومن کے لیے یہ کیسی بُری جگہ ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے کیسی بُری بات کہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مُراد غالباً یہ تھی کہ مومن کی قبر کو بُری جگہ بتایا، حالانکہ وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے، وہ صاحب کہنے لگے: حضور! میرا

حل لغات: (۱) ان میں سے۔ (۲) مشکل۔ (۳) دور۔

مقصد تو یہ تھا کہ یہاں مر گئے، کہیں جا کر اللہ کے راستے میں شہید ہو جاتے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ شہادت کے برابر تو کوئی چیز ہی نہیں، لیکن ساری زمین پر کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں مجھے اپنی قبر بنائی جانی پسندیدہ ہو بجز مدینہ طیبہ کے، حضور ﷺ نے تین مرتبہ یہی الفاظ فرمائے۔ [مشکوٰۃ]

مدینہ پاک کی موت ایمان کے ساتھ کسی خوش نصیب کو میسر ہو جائے، اس سے بڑھ کر مرنے کے وقت کیا دولت ہو سکتی ہے کہ جنت البقیع کی مٹی نصیب ہو جائے، جہاں حضور ﷺ کے اہلِ بیت[1] مدفون[2] ہیں۔ دو کے علاوہ ساری اَزواجِ مُطَہَّرات مدفون ہیں اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی کتنی بڑی جماعت مدفون ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ دس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس مقبرہ میں مدفون ہیں [زرقانی] ان پاک اَرواح پر اللہ جلَّ شانُہٗ کی کس قدر رحمتیں ہر وقت نازل ہوتی ہوں گی، یہ ظاہر چیز ہے۔

ابن نجار رحمۃ اللہ علیہ نے حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ دو قبرستان آسمان والوں کے لیے زمین پر ایسے چمکتے ہیں جیسا کہ زمین والوں کے لیے آسمان پر چاند اور سورج: ایک بقیع کا قبرستان، دوسرا مقبرہ عسقلان اور کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ جو توراۃ کے بڑے عالم تھے، فرماتے ہیں کہ توراۃ میں لکھا ہے کہ جنتُ البقیع ایک قبہ[3] کی طرح سے ہے، جس پر مستقل فرشتوں کی جماعت مقرر ہے کہ جب وہ پُر ہو جائے اس کو جنت میں اُلٹ دیں۔ [زرقانی] اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ قیامت میں سب سے اوّل میری قبر شق[4] ہو گی، میں اس میں سے نکلوں گا، پھر ابو بکر اپنی قبر سے نکلیں گے، پھر عمر، پھر میں جنتُ البقیع میں جاؤں گا اور وہاں جتنے مدفون ہیں، ان سب کو اپنے ساتھ لوں گا، پھر مکہ مکرمہ کے قبرستان والوں کا انتظار کروں گا، وہ مکہ اور مدینہ کے درمیان آ کر مجھ سے ملیں گے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے۔ [زرقانی]

(۱۰) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَابَيْنَ بَيْتِيْ وَمِنْبَرِيْ رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ وَمِنْبَرِيْ عَلٰى حَوْضِيْ۔	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو جگہ میرے گھر یعنی میری قبر اور میرے منبر کے درمیان ہے، وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر میرے حوض پر ہے۔

[رواه البخاري و مسلم وغيرهما وفي حديث سعد بن أبي وقاص عند البزار بسند رجاله ثقات وعند الطبراني من حديث ابن عمر بلفظ: القبر. وعلىٰ هٰذا المراد بالبيت: بيت عائشة رَضِيَ اللهُ عَنْهَا الذي صار فيه قبره. كذا في الفتح]

حل لغات: (۱) حضور ﷺ کے گھر والے۔ (۲) دفن ہیں۔ (۳) گنبد والی عمارت۔ (۴) پھٹنا۔

فائدہ: اس حدیث شریف میں دو مضمون وارد ہیں۔ اوّل یہ کہ مسجد نبوی کا وہ حصہ جو قبر اطہر اور منبر شریف کے درمیان ہے، وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے، یہ مشہور قول کے موافق ہے کہ میرے گھر سے مُراد: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا گھر ہے، جس میں بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر بنی۔ بعض علماء نے ''میرے گھر'' سے عام مُراد لیا ہے، یعنی تمام ازواج کے گھر اور زوائد مسند احمد کی ایک روایت سے اس کی تائید[1] کی، جس میں وارد ہوا ہے کہ ان گھروں کے اور منبر کے درمیان ایک باغ ہے، جنت کے باغوں میں سے۔ اس صورت میں ازواجِ مطہرات کے جو مکانات ولید بن عبد الملک کے زمانہ میں مسجد نبوی میں داخل ہوئے ہیں وہ سارا حصہ روضہ ہی ہے۔ [نزہۃ] اس کے مطلب میں علماء کے تین قول ہیں۔ اوّل یہ کہ اللہ کی رحمتوں کے نازل ہونے میں یہ حصہ ایسا ہی ہے، جیسا کہ جنت کا باغ ہو کہ جس طرح وہاں ہر وقت اللہ جلّ شانہٗ کی رحمتیں نازل ہوتی رہتی ہیں، اسی طرح یہاں بھی ہر وقت اللہ جلّ شانہٗ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس جگہ عبادت جنت کے باغ کا ذریعہ ہے یعنی اس جگہ عبادت کرنے سے جنت کے باغوں میں سے ایک باغ عبادت کرنے والے کو ملے گا اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ جگہ حقیقت میں جنت کا ایک ٹکڑا ہے، جو اس دنیا میں منتقل کیا گیا[2] ہے اور بعینہٖ[3] یہ ٹکڑا جنت میں منتقل کیا جائے گا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے بھی مدینہ طیبہ کے مکہ مکرمہ سے افضل ہونے پر استدلال[4] کیا گیا ہے، اس لیے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حصہ جنت کا ٹکڑا ہے اور دوسری احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا کہ جنت کا ایک کمان[5] کے بقدر[6] حصہ بھی دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے، سب سے افضل ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک یہ تیسرا قول راجح[7] ہے۔ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ شرح مناسک نووی میں لکھتے ہیں، سب سے بہتر قول وہ ہے جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے نقل کیا گیا کہ یہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے اور یہ جگہ جنت میں منتقل ہو جائے گی۔

دوسرا مضمون حدیث بالا[8] میں یہ ہے کہ ''میرا منبر میرے حوض پر ہوگا''، اس کے معنی میں بھی علماء کے تین قول ہیں۔ اوّل یہ کہ یہ منبر شریف جو مسجد میں ہے، یہ بعینہٖ حوضِ کوثر پر منتقل ہو جائے گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حوض کوثر کا حال بیان فرمایا کہ اس پر میرے لیے ایک منبر ہوگا، اس صورت میں مسجد کے اس منبر سے کوئی تعلق نہیں۔ تیسرے معنی یہ ہیں کہ مسجد میں جو منبر شریف ہے، اس کے مُتّصِل[9] عبادت کرنے کا ثمرہ[10] اور اثر یہ ہے کہ اس کی برکت سے قیامت میں حوضِ کوثر پر حاضری

حل لغات: (۱) حمایت۔ (۲) لایا گیا۔ (۳) بالکل اسی طرح۔ (۴) دلیل لائے۔ (۵) تیر چھوڑنے کا آلہ، دھنش۔ (۶) برابر۔ (۷) بہتر۔ (۸) اوپر کی۔ (۹) ملا ہوا، قریب۔ (۱۰) نتیجہ، پھل۔

نصیب ہوتی ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے شفاء میں لکھا ہے کہ پہلے معنی سب سے زیادہ ظاہر ہیں۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ اکثر علماء نے یہی فرمایا ہے کہ وہی منبر مراد ہے، جس پر کھڑے ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے اسی کی تائید ہوتی ہے، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ میرے منبر کے پائے جنت میں ستون[1] بنا دیے جائیں گے اور بھی بہت سے علماء نے اسی معنی کو ترجیح[2] دی ہے، اسی وجہ سے مسجد نبوی کے درمیان میں یہ دو جگہ ایک روضہ دوسرے منبر کی جگہ خاص طور سے اہم ہیں، ان کے علاوہ اور بھی بعض مواقع[3] خصوصی ہیں، جن کے پاس جا کر خصوصیت سے درود و دعا وغیرہ کرنا چاہیے۔ حج کی کتابوں میں اُن کو تفصیل سے ذکر کیا ہے، ان میں سے چند کو یہاں بھی ذکر کیا جاتا ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جن ستونوں کی خاص فضیلت ہے اور اسی طرح سے ان کے علاوہ جو متبرک[4] مقامات ہیں، اُن کی زیارت کرنا چاہیے اور ان کے پاس خصوصیت سے نوافل دعا وغیرہ کرنا چاہیے، بالخصوص[5] مسجد کا جو حصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد تھا، وہ خاص طور سے زیادہ اہم اور زیادہ قابل اہتمام ہے اور اس حصہ میں جتنے ستون ہیں، وہ خاص طور پر متبرک ہیں کہ بخاری شریف کی حدیث کے موافق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ستونوں کے قریب کثرت سے نماز پڑھا کرتے تھے، ان میں سے آٹھ ستون خاص طور سے افضل اور متبرک اور معروف[6] ہیں۔

(۱) **اُسطُوانۂ مُخلّقہ:** یہ جگہ سب سے زیادہ متبرک ہے، یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھنے کی جگہ ہے، اسی کو ''اُسطوانۂ حنّانہ'' بھی کہتے ہیں۔ اس جگہ کھجور کا وہ تنہ تھا، جس پر ٹیک لگا کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم منبر بننے سے پہلے خطبہ پڑھا کرتے تھے، جب منبر شریف تیار ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے لیے اس پر تشریف فرما ہوئے، تو اس میں سے بہت زور سے رونے کی آواز آئی۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کے رونے سے مسجد گونج گئی۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس کے رونے سے اور اس کی حالت سے مسجد والے بھی رونے لگے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس آئے اور اس پر دستِ[7] مبارک رکھا، جس سے اس کا رونا بند ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے قریب اللہ کا ذکر ہوتا تھا، اب منبر بن جانے سے یہ اس سے محروم ہو گیا، اس کی وجہ سے رو رہا ہے، اگر میں اس پر ہاتھ نہ رکھتا تو قیامت تک اسی طرح روتا رہتا، اس کے بعد اس کو دفن کر دیا گیا۔ بہت مشہور قصہ ہے، دس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو نقل کیا ہے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جب اس کا قصہ نقل فرماتے تو رونے لگتے اور فرماتے کہ اللہ کے بندو کھجور کے

حل لغات: (۱) کھمبے۔ (۲) پسند کیا۔ (۳) جگہیں۔ (۴) بابرکت۔ (۵) خاص طور سے۔ (۶) مشہور۔ (۷) ہاتھ۔

درخت کو تو حضور ﷺ کا اتنا اشتیاق[1] ہو، تم تو اس سے بھی زیادہ شوق کے اہل[2] تھے۔ [شفاء]

ایک حدیث میں ہے کہ جب منبر تیار ہو گیا اور حضورِ اقدس ﷺ جمعہ کے دن اس پر تشریف فرما ہوئے تو یہ ستون ایسے زور سے چلایا، قریب تھا کہ پھٹ جائے۔ حضور ﷺ منبر سے اُترے اور اسے اپنے سے لگایا تو اس طرح سسکیاں لے رہا تھا، جیسا بچہ کیا کرتا ہے، جس وقت کہ اس کو روتے ہوئے کو چُپ کیا جائے۔ [بخاری]

اسی وجہ سے اس کو ''اُسطُوانۂ حَنَّانہ'' کہتے ہیں، جس کے معنی رونے والی اونٹنی کے ہیں اور مُخَلَّقہ خَلوق سے جو ایک مُرَکَّب[3] خوشبو کا نام ہے، وہ اس پر خاص طور سے ملی جاتی تھی، اگرچہ اور ستونوں پر بھی ملی جاتی تھی اور اس لیے اور بھی بعض ستونوں کو مُخَلَّقہ کہا جاتا تھا، مگر اکثر اسی کو کہا جاتا ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی میں نماز کے لیے سب سے افضل جگہ یہی ہے، اسی جگہ محرابُ النبی ﷺ کے نام سے محراب بنا دی گئی، جو حضور ﷺ کے زمانہ میں نہ تھی، بلکہ ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں جب عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے بحیثیت امیر مدینہ ہونے کے مسجد کی تعمیر کرائی ہے، اس وقت سے محراب بنی ہے۔ [نزہۃ الناظرین]

(۲) اُسطُوانۂ عائشہ: جس کو ''اُسطوانۃُ المہاجرین'' بھی کہتے ہیں، اس لیے کہ مہاجرین کی اکثر نشست[4] اسی جگہ رہتی تھی، ابتداءً حضورِ اقدس ﷺ کا مصلّٰی اسی جگہ تھا، اس کے بعد آگے کے ستون کی طرف جو نمبر ایک میں گزرا، تجویز ہوا، اس کو ''اُسطوانۃُ القُرعۃ'' بھی کہتے ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے نقل کیا کہ اس مسجد میں ایک جگہ ایسی ہے کہ اگر لوگوں کو اس کا حال معلوم ہو جائے تو اس کے لیے ہجوم[5] کی وجہ سے قرعہ[6] ڈالنا پڑے، لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ وہ کون سی جگہ ہے؟ تو انہوں نے اس وقت بتانے سے انکار فرمایا، اس کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے اصرار[7] پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو بتایا، اسی لیے اُسطوانۂ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتے ہیں کہ ان کی حدیث اور ان کی تعیین[8] سے اس کی تعیین ہوئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکثر اس کے قریب نماز پڑھا کرتے تھے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اس جگہ دعا قبول ہوتی ہے۔

(۳) اُسطُوانۃُ التّوبہ: اور اس کو ''اُسطوانۂ ابولُبابہ رضی اللہ عنہ'' بھی کہتے ہیں۔ حضرت ابولُبابہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں، غزوۂ بنو قُریظہ کے وقت ایک غلطی ان سے سرزد ہو گئی تھی، وہ یہ کہ جس وقت یہود بنی قُریظہ کا محاصرہ[9] ہو رہا تھا تو انہوں نے تنگ آ کر ہتھیار ڈالنے کا ارادہ کیا اور ابولُبابہ رضی اللہ عنہ سے

حل لغات: (۱) شوق۔ (۲) لائق۔ (۳) ملی ہوئی۔ (۴) بیٹھک۔ (۵) بھیڑ۔ (۶) نام کی پرچی نکالنا۔ (۷) ضد۔ (۸) مخصوص۔ (۹) گھیراؤ۔

زمانۂ جاہلیت سے بہت زیادہ تعلقات تھے تو انہوں نے مشورہ کے لیے ان کو بلایا کہ حضور ﷺ کا عندیہ[1] ان سے اپنے متعلق معلوم کریں، یہ وہاں تشریف لے گئے، وہ سب ان کو دیکھ کر بے تحاشا[2] رونے لگے، ان کے رونے کو دیکھ کر ان کا بھی دل بھر آیا اور ان کے دریافت[3] کرنے پر انہوں نے اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا گویا کہ حضور ﷺ کا عندیہ قتل کرنے کا ہے، لیکن اس کے بعد معاً[4] تنبہ ہوا کہ مجھ سے بڑی غلطی ہوئی، وہاں سے واپس آکر اپنے آپ کو اس جگہ جو کھجور کا ستون[5] تھا، اس سے باندھ دیا کہ جب تک میری توبہ قبول نہ ہوگی اپنے کو نہ کھولوں گا۔ حضور اقدس ﷺ ہی کھولیں گے تو اس جگہ سے رہائی کروں گا۔ حضور ﷺ کو جب اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ میرے پاس آجاتے تو میں اللہ جلّ شانہٗ سے ان کے لیے استغفار کرتا، مگر اب وہ براہِ راست اپنی توبہ کے قبول پر مدار[6] رکھ چکے ہیں تو جب تک توبہ قبول نہ ہو، میں کیسے کھول سکتا ہوں، کئی دن اسی حال میں گزر گئے کہ نماز کے یا بشری[7] ضرورت کے وقت ان کی بیوی یا بیٹی کھول دیتیں اور بعد فراغت پھر باندھ دیتیں، کئی دن اسی حال میں گزر گئے کہ نہ کھانا، نہ پینا، بھوک کی وجہ سے آنکھوں کے سامنے اندھیر ہوگیا، کانوں سے اونچا سنائی دینے لگا، کئی دن کے بعد ایک شب[8] میں کہ اس دن حضور ﷺ حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر تھے، تہجد کے وقت ان کی توبہ قبول ہوئی۔ حضور ﷺ نے اس کی اطلاع فرمائی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو کھولنا چاہا اور قبولِ توبہ کی بشارت[9] دی، مگر انہوں نے کہا کہ جب تک حضور ﷺ ہی اپنے دستِ[10] مبارک سے نہ کھولیں گے، مجھے کھلنا منظور نہیں، چنانچہ حضور ﷺ جب صبح کی نماز کے لیے باہر تشریف لائے تو ان کو کھولا۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ غزوۂ تبوک میں جو حضرات رہ گئے تھے، ان میں ابولُبابہ رضی اللہ عنہ بھی تھے اور اس غزوہ میں شرکت نہ ہونے سے رنج وغم میں انہوں نے اپنے آپ کو اس ستون سے باندھ دیا تھا اور اسی حال میں جب کئی دن گزر گئے اور آیت شریفہ ﴿وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ﴾ [سورۂ توبہ:۱۰۲] نازل ہوئی تو ان کو کھولا گیا، اس ستون کے قریب قبلہ کی جانب حضور ﷺ نے اعتکاف بھی کیا ہے اور اکثر ضُعفاء[11] مساکین وغیرہ اس ستون کے قریب بیٹھتے تھے، تو حضور اقدس ﷺ صبح کی نماز کے بعد طلوعِ آفتاب[12] تک ان کے پاس تشریف فرما ہوتے تھے۔

④ اُسطوانۃ السَّرِیر: حضور اقدس ﷺ کا اعتکاف اس جگہ بھی بتایا جاتا ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ حضور اقدس ﷺ اعتکاف کے زمانہ میں اس جگہ شب کو آرام فرمایا کرتے تھے، اس لیے یہ نام ہوا، سریر کے اصل معنی تخت کے ہیں۔ حضور ﷺ کے آرام فرمانے کے لیے کوئی چیز اس جگہ بچھائی جاتی

حل لغات: ① منشا، ارادہ۔ ② بہت زیادہ۔ ③ پوچھنے۔ ④ فوراً۔ ⑤ کھمبا۔ ⑥ موقوف کرنا، بنیاد رکھنا۔ ⑦ انسانی۔ ⑧ رات۔ ⑨ خوشخبری۔ ⑩ ہاتھ۔ ⑪ بوڑھے اور فقیر۔ ⑫ سورج کا نکلنا۔

تھی، جولکڑی کی ہوگی۔

⑤ اُسطُوانۂ علی رضی اللہ عنہ: جس کو ''اُسطُوانۃُ الحُرِس'' اور ''اُسطُوانۃُ الحَرَس'' بھی کہتے ہیں، حَرَس کے معنی حفاظت کے ہیں۔ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دربانی[1] کے طور پر اس جگہ تشریف فرما ہوتے تھے اور اکثر حضرت علی کَرَّمَ اللہُ تعالیٰ وجْہَہٗ تشریف رکھتے تھے، اس لیے ''اُسطوانۂ علی'' بھی نام ہوگیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ[2] سے جب تشریف لاتے تھے، تو اس جگہ کو گزرتے تھے۔

⑥ اُسطُوانۃُ الوُفُود: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو عرب کے وفود[3] آتے تھے، وہ اکثر اسی جگہ بٹھائے جاتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ تشریف لاکر ان سے گفتگو فرماتے، ان کو احکام کی تلقین[4] فرماتے۔ علماء کا ان دونوں ستون نمبر پانچ[5] چھ[6] کی تعیین[5] میں اختلاف ہے، جس کو ''نزہۃُ الناظرین'' وغیرہ میں ذکر کیا ہے۔

⑦ اُسطُوانۂ تہجد: کہتے ہیں کہ اکثر شب کے وقت جب سب آدمی چلے جاتے تو اس جگہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تہجد کے لیے ایک بوریا بچھایا جاتا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تہجد ادا فرماتے تھے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں تین رات جو نماز پڑھی ہے اور بہت مجمع جمع ہوتا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کے فرض ہونے کے خوف سے پھر نہیں پڑھی، وہ اسی جگہ پڑھی گئی ہے، مگر اکثر روایات میں اس کا مسجد نبوی میں ہونا معلوم ہوتا ہے۔ [نزہتہ] اور یہ جگہ اُس وقت مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل نہیں تھی۔

⑧ اُسطوانۂ جبرئیل علیہ السلام: علماء نے لکھا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے آنے کی یہ خاص جگہ تھی، لیکن یہ ستون اس وقت حجرۂ شریفہ کی تعمیر کے اندر آگیا ہے، باہر سے اس کی زیارت نہیں ہوتی، یہ آٹھ ستون علماء نے خاص گنوائے ہیں، لیکن یہ ظاہر بات ہے کہ مسجد نبوی کا کون سا حصہ ایسا ہوگا، جہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک نہ پڑے ہوں اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے نمازیں نہ پڑھی ہوں اور نہ صرف مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ مدینہ طیبہ کے سارے شہر کا کون سا حصہ ایسا ہوگا، جہاں ان بابرکت ہستیوں کے قدم بارہا[6] نہ پڑے ہوں، اس لیے وہاں کی ہر جگہ بابرکت ہے، حق تعالیٰ شانہٗ اس کی برکت سے انتفاع[7] کی توفیق عطا فرمائے کہ اصل توفیق ہی ہے۔

خاتمہ

اس میں سارے علماء کا اتفاق ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد صرف ایک ہی مرتبہ

حل لغات: ① چوکیدار۔ ② کمرہ۔ ③ وفد کی جمع: بادشاہ سے ملاقات کرنے کے لیے آنے والا گروہ۔ ④ تعلیم۔ ⑤ مقرر کرنے۔ ⑥ کئی مرتبہ۔ ⑦ فائدہ اٹھانا۔

زیارت مدینہ

حج کیا ہے۔ ۱۰ھ میں، جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا آخری سال تھا اور اس سفر میں ایسے واقعات کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ظہور[1] ہوا جیسا کہ کسی سے رخصت ہوتے وقت ہوا کرتے ہیں، اسی وجہ سے اس کا نام "حَجَّۃُ الوَداع" یعنی رخصت کا حج پڑ گیا کہ گویا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ شانُہٗ کے یہاں جانے کے لیے اس سفر کے اجتماع کے وقت سارے مسلمانوں سے جو حاضر تھے، رخصت ہو گئے۔ سفر حج کی ابتداء کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارادے کا اعلان فرمایا، تو ہزاروں کی مقدار میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہم رکابی[2] اور معیت[3] کا فخر حاصل کرنے کے لیے حج کا ارادہ فرمالیا اور جو خبر سنتا گیا، وہ ہم رکابی کی کوشش کرتا گیا، ان میں سے ایک بڑی مقدار مدینہ طیبہ روانگی سے قبل پہونچ گئی اور جو وہاں حاضر نہ ہو سکے تھے، وہ راستہ میں ملتے رہے اور جن کو اتنا بھی وقت نہ ملا، وہ مکہ مکرمہ اور بعض براہِ راست[4] عرفات پر پہونچے۔ غرض بہت کثیر مجمع اس حج میں ہم رکاب تھا، جس کی مقدار ایک لاکھ چوبیس ہزار تک بتائی جاتی ہے۔ [لمعات حاشیہ ابوداؤد]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں ظہر کی نماز پڑھ کر روانہ ہوئے اور عصر کی نماز ذُوالحُلَیفہ میں پہونچ کر ادا فرمائی، اس میں مُؤرِّخین کا اختلاف ہے کہ روانگی کی تاریخ کیا تھی، چوبیس ۲۴، پچیس ۲۵، چھبیس ۲۶ ذی قعدہ۔ تین قول ہیں اور اسی طرح دن کے متعلق بھی پنج شنبہ، جمعہ، شنبہ، تین قول ہیں۔ جن میں سے جمعہ کا دن جن حضرات نے کہا ہے وہ صحیح روایات کے خلاف ہے، اس لیے کہ روانگی سے قبل مدینہ پاک میں چار رکعت ظہر کی پڑھنا مشہور روایات میں ہے، اس ناکارہ کے نزدیک پچیس ۲۵ ذی قعدہ شنبہ کے دن روانگی روایات سے راجح معلوم ہوتی ہے، شب کو ذُوالحُلیفہ میں قیام فرمایا اور تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے جو ہمراہ[5] تھیں، صحبت کی، اسی وجہ سے علماء کے نزدیک اگر بیوی ساتھ ہو تو احرام سے قبل صحبت کرنا مستحب[6] ہے کہ احرام کے طویل[7] زمانہ میں دونوں کے لیے عفت[8] کا سبب ہے، دوسرے دن ظہر کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کے لیے غسل کیا اور احرام کی چادریں زیب تن فرمائیں اور ذُوالحُلَیفہ کی مسجد میں ظہر کی نماز کے بعد قران کا احرام باندھا۔ مُحقّقین[9] علماء کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا احرام شروع ہی سے قران کا تھا، یہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اختیار دے دیا کہ جس کا دل چاہے افراد، تمتُّع، قران میں سے جونسا چاہے باندھ لے، خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قران کا باندھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رات کو تشریف لا کر یہ فرمایا تھا کہ یہ "وادیٔ[10] عُقَیق" مبارک وادی ہے، آپ اس میں نماز پڑھیں اور حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھیں۔ اس کے بعد مسجد سے باہر تشریف

حل لغات: (۱) ظاہر۔ (۲) سفر کا ساتھی۔ (۳) ساتھ۔ (۴) سیدھے۔ (۵) سفر میں ساتھ۔ (۶) پسندیدہ۔ (۷) لمبا۔ (۸) پاکدامنی۔ (۹) تحقیق کرنے والے۔ (۱۰) گھاٹی۔

لاکر اونٹنی پر سوار ہوئے اور زور سے لبیک پڑھا، چونکہ مسجد کی آواز قریب کے آدمیوں نے سُنی تھی اور یہاں اونٹنی پر تشریف رکھنے کے بعد دور تک آواز گئی، اس لیے بہت سے حضرات نے یہ سمجھا کہ اسی وقت حضور ﷺ نے احرام کی ابتداء فرمائی۔ اس کے بعد حضور ﷺ کی مبارک اونٹنی آپ ﷺ کو اپنی پُشت[1] پر لے کر چلی اور بَیداء کی پہاڑی پر چڑھی، جو ذُوالحلیفہ کے قریب ہے، چونکہ حاجی کے لیے ہر اونچی جگہ چڑھتے ہوئے لبیک زور سے پڑھنا مستحب ہے، اس لیے حضور ﷺ نے یہاں بھی زور سے لبیک پڑھا، جس کی آواز پہاڑی کا اونچان ہونے کی وجہ سے اور بھی زیادہ دور تک گئی، اس کی وجہ سے صحابہ کی ایک بڑی جماعت اسی جگہ حضور ﷺ کا احرام باندھنا نقل[2] کرتی ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے لبیک پڑھتے ہوئے مکّہ مکرّمہ کی طرف روانگی شروع کی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر یہ درخواست کی کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم فرمادیجیے کہ لبیک زور سے پڑھیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے اس کا حکم فرمایا: راستہ میں جب ''وادیٔ روحاء'' پر پہونچے تو حضور ﷺ نے وہاں نماز پڑھی اور یہ فرمایا کہ ستّر نبیوں نے اس جگہ نماز پڑھی۔ حضور اقدس ﷺ کا سامان اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سامان سب ایک اونٹ پر تھا، جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام کے سپردگی[3] میں تھا، جب ''وادیٔ عَرج'' میں پہونچے تو دیر تک یہ حضرات ان کا انتظار فرماتے رہے، بڑی دیر میں وہ آئے اور کہا کہ اونٹ تو کھویا گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو مارا کہ ایک ہی تو اونٹ تھا، وہ بھی گم کردیا اور حضور ﷺ تبسّم[4] فرما کر ارشاد فرمارہے تھے کہ ان مُحرِم کو دیکھو! یہ کیا کررہے ہیں؟ یعنی احرام کی حالت میں مارتے ہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کو جب معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے سامان کی اونٹنی گم ہوگئی تو جلدی سے کھانا تیار کرکے لائے، حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بلایا کہ آؤ اللہ تعالیٰ نے بہترین غذا عطا فرمائی، مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو غصہ آرہا تھا۔ حضور ﷺ نے ان کو فرمایا کہ ابوبکر! غصہ کو جانے دو، اس کے بعد حضرت سعد اور حضرت ابوقیس رضی اللہ عنہما اپنے سامان کی اونٹنی لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور ﷺ یہ قبول فرمالیں، مگر حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ تمھیں برکت عطا فرمائے، ہماری اونٹنی اللہ کے فضل سے مل گئی، جب ''وادیٔ عُسفان'' میں جو مکّہ مکرّمہ کے قریب ہے تشریف فرما تھے، تو حضرت سُراقہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہمیں حج کا طریقہ اس طرح بتادیجیے کہ گویا ہم آج ہی پیدا ہوئے ہیں یعنی اس پر اطمینان نہ فرمادیں کہ یہ بات تو ان کو پہلے سے معلوم ہوگی۔ حضور ﷺ نے ان حضرات کو بتایا کہ مکّہ میں داخل ہوکر کیا کیا کریں، سَرِف[5] میں پہونچ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حیض آنے لگا، وہ بہت پریشان ہوئیں، رونے لگیں کہ میرا تو سفر ہی بے کار ہوگیا، حج کا وقت قریب آگیا اور میں ناپاک ہوگئی۔

حل لغات: (۱) پیٹھ۔ (۲) روایت۔ (۳) ذمہ داری۔ (۴) مسکرا کر۔ (۵) مکّہ کے قریب ایک جگہ کا نام۔

حضور ﷺ نے تسلی دی کہ یہ تو ساری ہی عورتوں کو پیش آتا ہے، پھر ان کو بتایا کہ وہ اب کیا کریں اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ارشاد فرمایا کہ جن کے ساتھ "ہدی[1]" نہیں ہے، وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوکر عمرہ کرکے اپنا احرام کھول دیں، مکہ مکرمہ کے قریب جب "وادیٔ اَزرَق" پر پہونچے تو ارشاد فرمایا کہ میرے سامنے اس وقت وہ منظر ہے، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس جگہ پر حج کے لیے گزر رہے تھے اور کانوں میں انگلیاں دے کر زور سے لبیک پڑھ رہے تھے، اس کے بعد حضور اقدس ﷺ "ذُوطُویٰ" پہونچے، جو مکّہ مکرّمہ کے بالکل قریب ہے اور شب[2] کو وہاں قیام فرمایا اور صبح کو مکّہ مکرّمہ میں داخل ہونے کی غرض سے غسل کیا اور چاشت کے وقت چار ذی الحجہ یک شنبہ کی صبح کو مکّہ مکرّمہ میں داخل ہوئے، اس دن اور تاریخ میں علماء کا سب کا قریب قریب اتفاق ہے کہ مکّہ مکرّمہ میں داخلہ کی یہی تاریخ اور یہی دن تھا، بندہ کے نزدیک ذی قعدہ کا یہ مہینہ اُنتیس ۲۹ دن کا تھا، اس لیے شنبہ کو چل کر نویں دن مکّہ مکرّمہ میں داخل ہوئے، مکّہ مکرّمہ میں پہونچ کر سب سے اوّل مسجد حرام میں تشریف لے گئے اور حجر اسود کو بوسہ[3] دیا اور طواف کیا، تحیۃ المسجد بھی نہیں پڑھی، مسجد میں داخل ہوتے ہی طواف شروع فرمادیا، طواف سے فراغت پر مقامِ ابراہیم پر طواف کا دوگانہ[4] ادا کیا، جس میں سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص پڑھی، اس کے بعد پھر حجرِ اسود کو بوسہ دیا اور "بابُ الصفا" سے نکل کر صفا کی پہاڑی پر تشریف لے گئے اور اوپر چڑھے یہاں تک کہ بیت اللہ نظر آنے لگا، پھر بڑی دیر تک تکبیر[5] وتحمید[6] اور دعا کرتے رہے، اس کے بعد صفا، مَروہ کے درمیان سات چکر پورے فرمائے اور مَروہ پر جب سعی سے فراغت فرمائی تو جن حضرات کے ساتھ "ہدی" نہیں تھی، ان کو احرام کھولنے کا حکم فرمایا، اس کے بعد قیامگاہ پر تشریف لائے اور چار دن قیام فرمایا۔ آٹھ ذی الحجہ پنج شنبہ[7] کو چاشت کے وقت مِنیٰ تشریف لے گئے اور سب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی حج کا احرام باندھ کر ہم رکاب تھے، پانچ نمازیں مِنیٰ میں پڑھیں، اسی شب میں "سورۂ والمُرسلات" حضور ﷺ پر نازل ہوئی، جمعہ کی صبح کو طلوعِ آفتاب کے بعد عَرفات تشریف لے گئے اور نَمِرہ میں جو خیمہ حضور ﷺ کے لیے خدام نے پہلے سے لگا دیا تھا، تھوڑی دیر قیام فرمایا، پھر زوال کے بعد اپنی اونٹنی پر جس کا نام "قصویٰ" تھا، سوار ہوکر "بطنِ عُرنَۃ" میں جو وہیں قریب ہے، تشریف لائے اور بہت طویل[8] خطبہ پڑھا، اس خطبہ میں ایسے الفاظ بھی تھے کہ شاید تم اس سال کے بعد مجھے نہ دیکھو اور یہ کہ اس سال کے بعد کبھی بھی میرا تمہارا یہاں اجتماع نہ ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ خطبہ کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو تکبیر کا حکم فرمایا اور ظہر اور عصر کی نمازیں ظہر ہی کے وقت میں پڑھائیں، نماز سے فراغت کے بعد

حل لغات: (۱) قربانی کا جانور جو حاجی لاتا ہے۔ (۲) رات۔ (۳) چوما۔ (۴) دو رکعت۔ (۵) اللہ اکبر کہنا۔ (۶) اللہ کی حمد بیان کرنا۔ (۷) جمعرات۔ (۸) لمبا۔

عرفات کے میدان میں تشریف لائے اور مغرب تک اپنی اونٹنی پر دعا میں بڑے اہتمام[1] سے مشغول رہے، اسی دوران میں حضرت اُمِّ فضل رضی اللہ عنہا نے یہ معلوم کرنے کے لیے کہ آپ کا روزہ ہے یا نہیں؟ ایک پیالہ میں دودھ بھیجا، جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی پر سارے مجمع کے سامنے نوش[2] فرمایا، تا کہ سب کو معلوم ہوجائے کہ روزہ نہیں ہے، اسی دوران میں ایک صحابی اونٹ پر سے گر کر مر گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے احرام کے کپڑوں ہی میں ان کو کفنا دو، یہ قیامت میں لبیک ہی پڑھتے ہوئے اُٹھیں گے، اس جگہ نجد کی ایک جماعت براہ راست[3] پہونچی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک آدمی کے ذریعہ سے آواز دے کر دریافت کرایا کہ حج کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو حکم فرمایا کہ اعلان کردو کہ حج ''عرفہ'' میں ٹھہرنے کا نام ہے، جو شخص دس ذی الحجہ کی صبح سے پہلے پہلے یہاں پہونچ جائے اس کا حج ہوگیا۔ [ابوداؤد]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مغرب تک امت کے لیے مغفرت کی دعا بہت ہی الحاح[4] اور زاری[5] سے مانگتے رہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ کے یہاں سے اُمت کے لیے مظالم[6] کے سوا اور سب چیزوں کی مغفرت کا وعدہ ہوگیا، مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پھر بھی اِلتجا[7] فرماتے رہے کہ یا اللہ! یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مظلوموں کو تو اپنے پاس سے بدلہ عطا فرمادے اور ظالموں کو معاف فرمادے، اسی دوران میں آیت شریفہ { اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ } [سورۂ مائدہ:۳] نازل ہوئی، جس کا بیان سب سے پہلی فصل میں گزر چکا ہے، جس وقت یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی تو وحی کے بوجھ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی، کھڑی نہ ہوسکی، غروب[8] کے بعد نماز سے قبل[9] حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے روانہ ہوئے، اونٹنی ایسے زوروں پر تھی کہ نہایت شدت سے اس کی باگ کھینچ رکھی تھی، وہ جوش میں دوڑنا چاہتی تھی، جہاں ذرا چڑھائی آتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی کی باگ[10] ذرا ڈھیلی فرمادیتے تھے، پھر اس کو زور سے کھینچ لیتے، حتیٰ کہ اس کا سر باگ کے زیادہ کھینچنے کی وجہ سے کجاوے[11] سے لگا جارہا تھا۔ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اونٹنی پر تھے، راستہ میں ایک جگہ مزدلفہ کے قریب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیشاب کی ضرورت ہوئی اُتر کر پیشاب کیا، وضو کیا، حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہٗ نے وضو کرایا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا معمول[12] اتباع[13] کے شوق میں ہمیشہ یہ رہا کہ جب حج کرتے تو اس موقع پر اُتر کر وضو کیا کرتے اور ذوق[14] میں کہا کرتے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں وضو کیا تھا۔ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہٗ نے وضو کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم

حل لغات: (۱) انہماک۔ (۲) پیا۔ (۳) سیدھے۔ (۴) گڑگڑانا۔ (۵) رونا۔ (۶) ظلم وستم۔ (۷) عاجزی۔ (۸) سورج کا ڈوبنا۔ (۹) پہلے۔ (۱۰) لگام۔ (۱۱) اونٹ پر باندھی جانے والی کاٹھی۔ (۱۲) عمل۔ (۱۳) پیروی۔ (۱۴) شوق۔

سے نماز کی یاد دِہانی کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگے چلو، مزدلفہ پہونچ کر سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نئے وضو کے بعد مغرب اور عشاء کی نماز پڑھائی، اس کے بعد دعاء میں مشغول ہوئے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ اس جگہ مظالم کے بارہ میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں اور عورتوں کو نیز ضُعفاء[1] کو ہجوم[2] میں تکلیف ہونے کے خیال سے رات ہی میں مُزدلفہ سے منیٰ کو روانہ فرمادیا اور خود تمام رفقاء کے ساتھ صبح صادق کے بعد سویرے سے نماز پڑھ کر طلوع آفتاب سے قبل منیٰ کے لیے روانہ ہوئے اور اس وقت حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ تو پیدل چلنے والوں میں تھے اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اونٹنی پر سوار تھے، راستہ میں ایک نوجوان لڑکی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے باپ کے حج بدل کا مسئلہ دریافت کیا، حضرت فضل رضی اللہ عنہ بھی نوعمر تھے، ان کی نگاہ اس عورت پر پڑی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے حضرت فضل رضی اللہ عنہ کے چہرے کو دوسری طرف پھیر دیا کہ نامحرم کو نہ دیکھیں اور یہ ارشاد فرمایا کہ آج کا دن ایسا دن ہے کہ جو شخص اس میں اپنی آنکھ، کان اور زبان کی حفاظت کرے، اس کی مغفرت ہوتی ہے۔ راستہ ہی سے حضرت فضل رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کنکریاں چنیں، لوگ مسائل بھی دریافت کرتے جاتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جواب فرماتے جارہے تھے، ایک صاحب نے دریافت کیا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم میری والدہ اتنی بوڑھی ہیں کہ اگر سواری پر ان کو باندھ کر بٹھایا جائے تو ان کی موت کا اندیشہ ہے، کیا میں ان کی طرف سے حج کرسکتا ہوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تمہاری والدہ کے ذمہ کسی کا قرض ہوتا تو کیا تم ادا نہ کرتے؟ ایسے ہی حج کو بھی سمجھو۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم راستہ میں ''وادیٔ مُحَسِّر'' پر پہونچے، جہاں حق تعالیٰ شانہٗ نے اَبرہہ کے ہاتھی کو ہلاک کیا تھا، جب کہ اس نے مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی تھی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی کو تیز کردیا کہ جلدی سے اس عذاب کی جگہ سے آگے بڑھ جائیں، منیٰ پہونچ کر سیدھے ''جَمرۂ عَقبہ'' پر پہونچے اور سات کنکریاں اس کے ماریں اور لبیک کا پڑھنا جو احرام کے بعد سے اب تک وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا تھا، اس وقت بند کردیا، اس کے بعد منیٰ میں قیام گاہ پر تشریف لائے اور بڑا طویل[3] وعظ فرمایا، جس میں بہت سے اہم احکام کا اعلان کیا، اور اس قسم کے مضامین بھی ارشاد فرمائے جیسا کہ الوَداع کے وقت کہے جاتے ہیں، پھر قربانی کی جگہ تشریف لے گئے اور اپنی عمر کے سالوں کے مطابق تریسٹھ ۶۳ اونٹ اپنے دستِ[4] مبارک سے قربانی کیے، جن میں چھ ۶، سات ۷ اونٹ اُمنڈ کر قربان ہونے کے لیے آگے بڑھ رہے تھے، ہر ایک زبانِ حال سے جلدی قربان ہونا چاہتا تھا۔

داغ جاتے تو ہیں مقتل[5] میں پرا وّل سب سے　　دیکھیے وار کرے وہ ستم آرا کس پر

حل لغات: (۱) کمزور، بوڑھے۔ (۲) بھیڑ۔ (۳) لمبا۔ (۴) ہاتھ۔ (۵) قتل یا ذبح کرنے کی جگہ۔

ترسیٹھ[۱] کے علاوہ باقی اونٹوں کو حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ نے قربان کیا، کُل عدد سو تھے۔ قربانی کے بعد اعلان فرمادیا کہ جس کا دل چاہے، ان میں سے گوشت کاٹ کر لے جائے، اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہٗ سے ارشاد فرمایا کہ ہر اونٹ میں سے ایک ایک بوٹی لے کر سب کو ایک برتن میں جوش دیں، ان کا شوربا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا، تاکہ ہر اونٹ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نوش فرمانے کی سعادت حاصل ہو، اپنی ازواجِ مُطہرات رضی اللہ عنہن کی طرف سے گائے ذبح کی، قربانی سے فراغت کے بعد حضرت مَعْمَر رضی اللہ عنہٗ یا حضرت خِراش رضی اللہ عنہٗ کو بلایا اور ان سے حجامت بنوائی، سر منڈایا، لبیں[۱] بنوائیں، ناخن ترشوائے اور یہ بال اور ناخن جان نثاروں میں تقسیم کرادیے۔ کہتے ہیں کہ کہیں کہیں جو بال مبارک موجود ہیں وہ انہی میں کا بقیہ ہے اس کے بعد احرام کی چادریں اُتار کر کپڑے پہنے، خوشبو لگائی، اس دوران میں کثرت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آ کر حج کے متعلق مسائل دریافت کرتے رہے، اس دن میں چار کام کرنے ہیں، رَمی، ذبح، سر منڈانا، طواف زیارت کرنا، یہی ترتیب ان کی ہے، اس میں بہت سے حضرات سے بھول وغیرہ کی وجہ سے ترتیب میں تقدُم وتاَخُّر[۲] ہوا، ہر شخص آ کر عرض کرتا کہ مجھ سے بجائے اس کے ایسے ہوگیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے اس میں کوئی گناہ نہیں ہوا، البتہ اس میں گناہ ہے کہ کسی مسلمان کی آبروریزی[۳] کی جائے۔ ظہر کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم طوافِ زیارت کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور ظہر کی نماز مکہ مکرمہ میں پڑھی یا مِنیٰ واپس آ کر؟ روایات میں اختلاف ہے اور طواف سے فراغت پر زَم زَم شریف کے کنویں پر تشریف لے گئے اور خود ڈول کھینچ کر پیا اور بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نہیں کھینچا، بلکہ یہ فرمایا کہ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ لوگ تم پر غلبہ کرنے لگیں گے تو خود کھینچ کر پیتا، لیکن ان دونوں میں کچھ اشکال نہیں، زم زم شریف کا پینا بار بار ہوا، اس لیے کسی موقع پر خود کھینچ کر پیا ہو، جب ہجوم[۴] نہ ہو اور کسی موقع پر ہجوم کی وجہ سے ایسا فرمادیا ہو، اس میں اشکال نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زَم زَم شریف کھڑے ہوکر پیا اور پھر صفا مَروہ کی دوبارہ سعی کی یا نہیں کی؟ اس میں اختلاف ہے، حَنفیہ کے قواعد کے موافق تو کی ہے، اس کے بعد مِنیٰ واپس تشریف لے گئے اور تین دن وہاں قیام کیا اور روزانہ زَوال کے بعد تینوں جمرات کی رَمی کیا کرتے تھے اور بعض روایات میں ہے کہ ان ایام میں جب مِنیٰ میں قیام تھا، روزانہ رات کو بیت اللہ شریف کی زیارت اور طواف کے لیے تشریف لاتے اور مِنیٰ کے قیام میں مُتعَدّد[۵] وعظ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے، جن میں اس قسم کے الفاظ بھی ہیں کہ میں شاید تم سے پھر نہ مل سکوں، مِنیٰ ہی کے قیام میں سورۂ اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ نازل ہوئی۔ بعض روایات میں ہے کہ حج سے قبل مدینہ طیبہ ہی میں نازل ہوچکی تھی اور مُتعَدّد روایات میں ہے کہ اس سورۃ کے نازل

حل لغات: (۱) مونچھیں۔ (۲) آگے پیچھے۔ (۳) بے عزتی۔ (۴) بھیڑ۔ (۵) کئی۔

ہونے کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس سورۃ میں میری وفات کی خبر دی گئی ہے، میں عنقریب جانے والا ہوں، اس کے بعد تیرہ ذی الحجہ سہ شنبہ[1] کو زوال کے بعد آخری رمی سے فارغ ہو کر حضور ﷺ منیٰ سے روانہ ہوئے اور مکہ مکرمہ کے باہر "مُحصَّب" میں جس کو بطحا اور خَیف بنی کنانہ بھی کہتے ہیں، ایک خیمہ میں جس کو حضور ﷺ کے غلام حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے یہاں تشریف لانے سے پہلے ہی اس جگہ لگا رکھا تھا، قیام کیا اور چار نمازیں ظہر سے عشاء تک وہاں ادا فرمائیں اور عشاء کے بعد تھوڑی دیر اس میں آرام کیا، یہ وہی جگہ ہے جس جگہ کفار نے بیٹھ کر ابتداءِ اسلام یعنی نبوت کے چھٹے برس میں یہ معاہدہ کیا تھا کہ بنو ہاشم اور بنو المطلب کا بائیکاٹ کر دیا جائے کہ نہ ان سے لین دین کسی قسم کا کیا جائے، نہ ان کو کھانے کو دیا جائے، نہ ان سے کوئی ملاقات کرے، نہ صلح کی بات کرے جب تک یہ لوگ (نعوذ باللہ) حضور اقدس ﷺ کو ہمارے حوالہ نہ کر دیں تاکہ ہم حضور ﷺ کو قتل کریں، یہ معاہدہ اسی جگہ لکھا گیا تھا، جس کا قصہ مشہور ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے آج دو جہاں کا سردار ہونے کی حیثیت سے یہاں قیام کیا اور عشاء کے بعد تھوڑی دیر آرام فرما کر طواف وداع کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لائے اور اسی رات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کے بھائی کے ساتھ عمرہ کا احرام باندھنے کے لیے تنعیم بھیجا اور عمرہ کرایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب عمرہ سے فارغ ہو کر محصب پہونچ گئیں تو حضور ﷺ نے قافلہ کو مدینہ طیبہ کی طرف روانگی کا حکم فرمایا۔ اس میں اختلاف ہے کہ اس حج کے موقع پر حضور اقدس ﷺ بیت اللہ شریف کے اندر داخل ہوئے یا نہیں؟ داخل ہونا تو محقق[2] ہے، لیکن بعض علماء حج کے ایام[3] میں داخل ہونا بتاتے ہیں اور بعض حضرات اس زمانہ کے بجائے "فتح مکہ" کے زمانہ میں بتاتے ہیں اور طواف وَداع سے فراغت کے بعد بعض روایات کے موافق صبح کی نماز مکہ مکرمہ میں پڑھا کر، جس میں سورۃ وَالطُّور حضور ﷺ نے پڑھی۔ چودہ ذی الحجہ ۱۰ھ چہار شنبہ[4] کی صبح کو مدینہ طیبہ کی طرف مع خُدّام جان نثاران واپسی ہوئی اور جب اٹھارہ ۱۸ ذی الحجہ یک شنبہ[5] کو "غدیر خم" پر جو جُحفہ کے قریب ایک جگہ ہے پہونچے تو حضور ﷺ نے ایک اونچی جگہ منبر کی شکل پر کھڑے ہو کر طویل[6] وعظ فرمایا، جس میں حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کے مناقب[7] بھی ارشاد فرمائے، یہی وہ چیز ہے جس کو رافضیوں[8] نے بگاڑ کر عید غدیر سے مشہور کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا ارشاد ہے کہ میرے بارہ میں دو جماعتیں ہلاک ہوں گی: ایک وہ جو محبت کے دعوے میں افراط[9] کریں اور دوسرے وہ جو عداوت[10] میں اِفراط کریں (تاریخ الخلفاء بروایۃ حاکم وغیرہ) یعنی رافضی اور خارجی۔ اس کے بعد جب ذُو الحُلَیفہ پہونچے تو

حل لغات: (۱) منگل۔ (۲) یقینی۔ (۳) دنوں۔ (۴) بدھ۔ (۵) اتوار۔ (۶) لمبا۔ (۷) تعریف۔ (۸) شیعہ۔ (۹) زیادتی۔ (۱۰) دشمنی۔

شب[1] کو وہاں قیام فرمایا اور صبح کے وقت ''مُعرّس'' کے راستہ سے مدینہ منورہ میں یہ دعا پڑھتے ہوئے تشریف لے گئے۔

﴿ آئِبُوْنَ تَآئِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ ﴾ (ہم لوٹنے والے ہیں ایسی طرح کہ توبہ کرنے والے ہیں اپنے گناہوں سے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے ہیں اور اپنے رب کی تعریف کرنے والے ہیں۔فقط)۔اس ناپاک نے ۱۳۴۲ھ میں ایک رسالہ عربی زبان میں حجۃ الوداع میں لکھا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کی روایات مُتفرّقہ[2] مسلسل طریقہ سے مُستحضَر[3] رہیں اس میں ہر قول کا ماخذ[4] اور فقہی مباحث[5] بھی لکھے تھے اور اس میں ہر روایت کا حوالہ بھی درج کیا تھا، اسی سے یہ واقعہ نقل کیا ہے، اس میں ہر واقعہ کا حوالہ موجود ہے، ابھی تک اس کے طبع[6] ہونے کا وقت نہیں آیا کیا بعید[7] ہے کسی وقت اللہ جلّ شانہٗ کے فضل سے آجائے۔اس کے بعد دو ماہ[8] حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس عالَم[9] میں تشریف فرما رہے، پھر رفیق اعلیٰ[10] کے ساتھ جاملے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ اوّل ہوئے۔پہلے سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو امیرُ الحج بنا کر بھیجا اور خود تشریف نہ لے جاسکے دوسرے سال خود امیرُ الحج بن کر تشریف لے گئے اور پھر وہ بھی اس عالم سے رخصت ہو گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ثانی[11] ہوئے اور خلافت کے پہلے سال میں حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو امیرُ الحج بنا کر روانہ فرمایا اور اس کے بعد سے دس سال تک مسلسل خود امیرُ الحج بن کر تشریف لے گئے اور اپنی حیات کے آخری سال میں ازواجِ مطہرات کو خصوصیت کے ساتھ اپنے ساتھ حج کرایا، اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ثالث[12] ہوئے تو پہلے سال یعنی ۲۴ھ میں حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو امیرُ الحج بنا کر روانہ فرمایا اور ۲۵ھ سے ۳۴ھ تک ہر سال خود حج کے لیے تشریف لے جاتے رہے، اس کے بعد محصور[13] کر دیے گئے اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو امیرُ الحج بنا کر روانہ فرمایا۔حضرت سَیِّدُ الْمَشَارِق وَالْمَغَارِب علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ خلافت سے قبل تو بکثرت حج کرتے رہے، لیکن خلافت کے زمانہ میں جنگ جمل وصفین وغیرہ کی وجہ سے خود تشریف لے جانے کی نوبت نہ آسکی۔ [مسامرات]

اب آخر میں چند قصے اللہ والوں کے حج کے ''رَوضُ الرِّیاحین'' وغیرہ سے نقل کرتا ہوں، کہ وہ حج کرنے والوں کے لیے نمونہ اور عبرت ہیں، اس کے بعد اس رسالہ کو ختم کر دوں گا۔

(۱) حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن بیت اللہ شریف کا طواف کر رہا تھا، لوگوں کی آنکھیں بیت اللہ پر لگ رہی تھیں، جس سے آنکھوں کو سکون مل رہا تھا کہ دفعۃً[14] ایک شخص

حل لغات: (۱) رات۔ (۲) مختلف۔ (۳) یاد۔ (۴) یعنی جہاں سے لیا گیا۔ (۵) مسئلے مسائل۔ (۶) چھپنا۔ (۷) مشکل۔ (۸) مہینے۔ (۹) دنیا۔ (۱۰) اللہ تعالیٰ۔ (۱۱) دوسرے۔ (۱۲) تیسرے۔ (۱۳) قید کرنا۔ (۱۴) اچانک۔

واقعات

بیت اللہ کے قریب آئے اور یہ دعا کرنے لگے: اے میرے رب! تیرا مسکین[1] بندہ جو تیرے دربار سے دھتکارا[2] ہوا ہے اور تیرے در سے بھاگا ہوا ہے۔ اے اللہ! میں تجھ سے وہ چیز مانگتا ہوں، جو سب چیزوں سے زیادہ قریب ہو اور وہ عبادت مانگتا ہوں، جو سب سے زیادہ تجھے محبوب ہو۔ اے اللہ! میں تجھ سے تیرے برگزیدہ[3] بندوں کے طفیل اور تیرے انبیاء کے وسیلہ سے یہ مانگتا ہوں کہ اپنی محبت کی شراب کا ایک پیالہ مجھے پلادے اور میرے دل پر سے اپنی معرفت[4] سے جہل کے پردے ہٹادے تاکہ میں شوق کے بازوؤں سے اُڑ کر تیرے تک پہونچ جاؤں اور عرفان[5] کے باغوں میں تیرے سے سرگوشیاں کروں۔

اس کے بعد وہ شخص اتنے روئے کہ آنسو ٹپ ٹپ زمین پر گر رہے تھے، پھر ہنسے اور چل دیے۔

ذُوالنون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ان کے پیچھے چل دیا اور میں اپنے دل میں سوچ رہا تھا کہ یہ شخص یا تو بڑا کامل ہے یا کوئی پاگل ہے، وہ مسجد سے باہر نکل کر ایک ویرانہ کی طرف چل دیے، میں پیچھے پیچھے جارہا تھا، وہ مجھ سے کہنے لگے: تمہیں کیا ہوا؟ کیوں چلے آرہے ہو؟ اپنا کام کرو، میں نے پوچھا: اللہ تم پر رحم کرے تمہارا کیا نام ہے؟ کہنے لگے: عبداللہ (اللہ کا بندہ)، میں نے پوچھا کہ آپ کے والد کا کیا نام ہے، کہنے لگے: عبداللہ، میں نے کہا: یہ تو ظاہر ہے کہ سب ہی اللہ کے بندے ہیں اور اللہ کے بندوں کی اولاد ہیں تمہارا نام کیا ہے؟ کہنے لگے: میرے باپ نے میرا نام ''سعدون'' رکھا تھا۔ میں نے کہا: جو سعدون مجنون کے نام سے مشہور ہیں، کہنے لگے کہ ہاں وہی ہوں۔ میں نے پوچھا کہ وہ کون برگزیدہ لوگ ہیں جن کے وسیلہ سے تم نے دعا کی؟ کہنے لگے: وہ لوگ ہیں جو اللہ کی طرف ایسے چلتے ہیں جیسے وہ شخص چلتا ہے، جس نے عشق کو اپنا نصب العین[6] بنا رکھا ہو اور وہ دنیا سے ایسے الگ ہوگئے ہوں جیسا وہ شخص ہو جس کے دل کو کسی چیز نے پکڑ لیا ہو، اس کے بعد وہ کہنے لگے کہ ذُوالنون! میں نے سنا ہے تم یہ کہتے ہو کہ میں اَسبابِ معرفت[7] سننا چاہتا ہوں، میں نے کہا: آپ کے علوم سے تو نفع پہونچنا ہی چاہیے، تو انہوں نے دو شعر عربی کے پڑھے جن کا مطلب یہ ہے کہ ''عارفین[8] کے دل ہر وقت مولیٰ کی یاد میں مشتاق[9] رہتے ہیں اور اشتیاق[10] میں نالہ[11] کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اس کے قُرب میں منزل بنالیتے ہیں، اپنے مولیٰ کے عشق میں ایسے خلوص سے لگتے ہیں کہ اس کے عشق سے ہٹانے والی ان کے لیے کوئی چیز نہیں رہتی''۔

[روض:۲۲]

(۳) حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ تنہا حج کو گیا اور مکہ مکرمہ میں کچھ قیام کرلیا، میری عادت تھی کہ جب رات کا اندھیرا زیادہ ہوجاتا تو میں طواف کیا کرتا۔ ایک مرتبہ میں نے ایک نوعمر

حل لغات: (۱) عاجزی۔ (۲) نکالا ہوا۔ (۳) پسندیدہ۔ (۴) پہچان۔ (۵) پہچان۔ (۶) مقصد۔ (۷) اللہ کی پہچان کے اسباب۔ (۸) اللہ کو پہچاننے والے۔ (۹) منتظر۔ (۱۰) انتظار۔ (۱۱) فریاد۔

لڑکی کو دیکھا کہ وہ طواف کر رہی ہے اور یہ اشعار گا رہی ہے۔

أَبَى الْحُبُّ أَنْ يَّخْفٰى وَكَمْ قَدْ كَتَمْتُهٗ فَأَصْبَحَ عِنْدِيْ قَدْ أَنَاخَ وَطَنَّبَا

''میں نے اپنے عشق کو کتنا چھپایا مگر اب وہ کسی طرح مخفی① نہیں رہتا، اب تو اس نے کھلم کھلا میرے پاس ڈیرہ ڈال دیا۔''

إِذَا اشْتَدَّ شَوْقِيْ هَامَ قَلْبِيْ بِذِكْرِهٖ وَإِنْ رُمْتُ قُرْبًا مِّنْ حَبِيْبِيْ تَقَرَّبَا

''جب معشوق کے شوق کا مجھ پر غلبہ ہوتا ہے تو میرا دل اس کے ذکر سے پھڑکنے لگتا ہے اور اگر میں اپنے محبوب سے قربت② چاہتی ہوں تو وہ فوراً مجھ سے تقرب کرتا ہے۔''

وَيَبْدُوْ فَأَفْنٰى ثُمَّ أُحْيَا بِهٖ لَهٗ وَيُسْعِدُنِيْ حَتّٰى أَلَذَّ وَأَطْرَبَا

''اور جب وہ ظاہر ہوتا ہے تو میں اس میں فنا③ ہو جاتی ہوں اور پھر اسی کے لیے اسی کی بدولت زندہ ہو جاتی ہوں اور وہ میری حاجت روائی④ کرتا ہے حتیٰ کہ میں خوب لذت پاتی ہوں اور مزے میں آ جاتی ہوں''۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے اس سے کہا: اے لڑکی! تو اللہ سے نہیں ڈرتی ایسی بابرکت جگہ ایسے شعر پڑھتی ہے، وہ میری طرف متوجہ ہوئی اور کہنے لگی کہ جنید:

لَوْلَا التُّقٰى لَمْ تَرَنِيْ أَهْجُرُ عَنْ طِيْبِ الْوَسَنِ

''اگر اللہ کا ڈر نہ ہوتا تو تو مجھے نہ دیکھتا کہ میں میٹھی نیند کو چھوڑے پھرتی ہوں''

إِنَّ التُّقٰى شَرَّدَنِيْ كَمَا تَرٰى عَنْ وَطَنِيْ

''تُو تو دیکھ ہی رہا ہے کہ اللہ کے خوف ہی نے مجھ کو میرے وطن سے دھکیلا اور بھگایا ہے''

أَفِرُّ مِنْ وَجْدِيْ بِهٖ فَحُبُّهٗ هَيَّمَنِيْ

''اسی کا عشق میرے ساتھ لگا ہوا ہے، جس کی وجہ سے میں بھاگی پھر رہی ہوں اور اسی کی محبت نے مجھے حیران و پریشان کر رکھا ہے''

اس کے بعد اس نے پوچھا کہ جنید! تم اللہ کا طواف کرتے ہو یا بیت اللہ کا طواف کرتے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ بیت اللہ شریف کا طواف کرتا ہوں، تو اس نے اپنا منہ آسمان کی طرف کیا اور کہنے لگی: ''سبحان اللہ'' آپ کی بھی کیا عجیب مشیّت⑤ ہے، جو مخلوق خود پتھر جیسی ہے، وہ پتھروں ہی کا طواف کرتی ہے، اس کے بعد اس نے تین شعر اور پڑھے جن کا مطلب یہ ہے کہ ''لوگ پتھروں کا طواف کر کے آپ کا قُرب ڈھونڈھتے ہیں، ان لوگوں کے دل خود بھی پتھروں سے زیادہ سخت ہیں اور حیرانی میں حیران و

حل لغات: ① چھپا ہوا۔ ② نزدیکی۔ ③ کھو جانا۔ ④ ضرورت پوری کرنا۔ ⑤ تقسیم، تقدیر۔

پریشان پھر رہے ہیں اور اپنے خیال میں تقرب کے محل میں اُترے ہوئے ہیں، اگر یہ لوگ اپنے عشق میں سچے ہوتے تو ان کی صفات اپنی تو غائب ہوجاتیں اور اللہ کی محبت کی صفات ان میں پیدا ہوجاتیں''۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اس کی اس گفتگو سے غَشْ[1] کھا کر گر گیا، جب مجھے غشی سے افاقہ[2] ہوا تو وہ لڑکی جا چکی تھی۔ [روض]

(۳) حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرفات کے میدان میں شام کے وقت ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نہایت بے تابی سے رو رہا ہے اور بے چینی سے روتے ہوئے چند شعر پڑھ رہا ہے، جن کا ترجمہ یہ ہے ''کہ وہ کتنی پاک ذات ہے، وہ ہر عیب سے پاک ہے اگر ہم کانٹوں پر اور گرم سوئیوں پر اس کے سامنے سجدے میں گریں، تب بھی اس کی نعمتوں کے حق کا عُشرِ عَشیر[3] بھی ادا نہ ہو، بلکہ عُشرِ عَشیر کا عُشرِ عَشیر[4] بھی ادا نہ ہو''، اس کے بعد انہوں نے یہ شعر پڑھے۔

كَمْ قَدْ زَلَلْتُ فَلَمْ أَذْكُرْكَ فِيْ زَلَلِيْ ‏ وَأَنْتَ يَامَالِكِيْ بِالْغَيْبِ تَذْكُرُنِيْ

كَمْ أَكْشِفُ السِّتْرَ جَهْلًا عِنْدَ مَعْصِيَتِيْ ‏ وَأَنْتَ تَلْطُفُ بِيْ حِلْمًا وَتَسْتُرُنِيْ

''اے پاک ذات میں نے کتنی مرتبہ لغزشیں[5] کیں اور کبھی اپنی لغزش میں تجھے یاد نہ کیا اور میرے مالک تو مجھے غائبانہ ہمیشہ یاد کرتا رہا، میں اپنی جہالت سے کتنی مرتبہ گناہوں کے ساتھ اپنی پردہ دَری[6] کر چکا ہوں اور تُو اپنے حِلم[7] کے ساتھ مجھ پر لطف و مہربانی کرتا ہے اور میری پردہ پوشی[8] کرتا ہے۔

حضرت بشر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ پھر وہ میری نظروں سے غائب ہوگئے، میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کون بزرگ تھے؟ تو معلوم ہوا کہ وہ حضرت ابو عبیدہ خوّاص رحمۃ اللہ علیہ تھے، جو ممتاز[9] بزرگوں میں ہیں، ان کے متعلق مشہور ہے کہ ستّر برس تک آسمان کی طرف منہ نہیں اُٹھایا۔ کسی نے ان سے اس کی وجہ پوچھی: تو فرمایا کہ مجھے شرم آتی ہے کہ اتنے بڑے محسن کی طرف اس سیاہ[10] منہ کو اُٹھاؤں، کس قدر تعجب کی بات ہے کہ اللہ کے فرماں بردار بندے تو اس قدر عاجزی کریں اور اپنی حُسن[11] عبادت کے باوجود اللہ جلّ شانُہٗ سے اس قدر شرمائیں اور گنہگار اپنے گناہوں پر نہ شرمائیں اور ناز[12] کریں، یا اللہ! اپنے پاک چہرے کی طرف نظر کرنے سے قیامت میں ہم کو محروم نہ کیجیے اور اپنے صالح[13] بندوں کی برکات سے ہمیں بھی مُنتفع[14] فرما اور دارین[15] میں ان کے زیرِ سایہ رکھ۔ [روض:۵۷]

(۴) حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حج کے لیے جا رہا تھا، راستہ میں ایک نوجوان کو

حل لغات: (۱) بیہوش ہونا۔ (۲) آرام۔ (۳) دسویں حصے کا دسواں حصہ۔ (۴) تھوڑا سا۔ (۵) غلطیاں۔ (۶) راز کا کھولنا۔ (۷) بردباری، نرم دلی۔ (۸) عیب کو چھپانا۔ (۹) مشہور۔ (۱۰) کالے۔ (۱۱) اچھی۔ (۱۲) فخر۔ (۱۳) نیک۔ (۱۴) فائدہ، اُٹھانا۔ (۱۵) دنیا و آخرت۔

دیکھا کہ پیدل چل رہا ہے، نہ تو اس کے پاس سواری، نہ توشہ①، نہ پانی۔ میں نے اس کو سلام کیا، اس نے سلام کا جواب دیا، میں نے کہا: جوان کہاں سے آ رہے ہو؟ کہنے لگا: اسی کے پاس سے، میں نے کہا: کہاں جا رہے ہو؟ کہا: اسی کے پاس، میں نے کہا: توشہ کہاں ہے؟ کہا: اسی کے ذمہ ہے، میں نے کہا: یہ راستہ بغیر توشہ اور پانی کے طے نہیں ہوگا، آخر تیرے ساتھ کچھ ہے بھی؟ اس نے کہا: میں نے سفر کے شروع کے وقت پانچ حرف توشہ کے لیے پکڑ لیے تھے، میں نے پوچھا: وہ پانچ حرف کون سے ہیں؟ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ کا پاک ارشاد ﴿كٓهيٰعٓصٓ﴾ میں نے پوچھا: اس کے کیا معنی ہوئے؟ کہنے لگا: کہ کاف کے معنی کافی، کفایت کرنے والا، ھ کے معنی ہادی، ہدایت کرنے والا، یا کے معنی مُووی ٹھکانا دینے والا، عین کے معنی عالم ہر بات کا جاننے والا، ص کے معنی صادق اپنے وعدہ کا سچا، پس جس شخص کا ساتھی کفایت کرنے والا، ہدایت کرنے والا، جگہ دینے والا، باخبر اور سچا ہو، وہ برباد ہوسکتا ہے؟ یا اس کو کسی بات کا خوف ہوسکتا ہے؟ کیا وہ شخص بھی اس کا محتاج ہے کہ توشہ اور پانی لادے لادے پھرے؟

حضرت مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کی گفتگو سُن کر اپنا کُرتہ اس کو دینا چاہا، اس نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا: بڑے میاں دنیا کے کرتہ سے ننگا رہنا اچھا ہے، دنیا کی حلال چیزوں کا حساب دینا ہے اور اس کی حرام چیزوں کا عذاب بھگتنا ہے، جب رات کا اندھیرا ہوا تو اس جوان نے اپنا منہ آسمان کی طرف کیا اور یہ کہا: ''اے وہ پاک! جس کو بندوں کی طاعت② سے خوشی ہوتی ہے اور بندوں کے گناہوں سے اس کا کچھ نقصان نہیں ہوتا، مجھے وہ چیز عطا فرما، جس سے تجھے خوشی ہوتی ہے یعنی طاعت اور وہ چیز معاف فرما دے، جس سے تیرا کوئی نقصان نہیں یعنی گناہ''۔

اس کے بعد جب لوگوں نے احرام باندھا اور لبیک کہا تو وہ چپ تھا، میں نے کہا: تم لبیک نہیں پڑھتے؟ کہنے لگا: مجھے یہ ڈر ہے کہ میں لبیک کہوں اور وہاں سے جواب ملے ''لا لبیک ولا سعدیک''، نہ تیری لبیک معتبر، نہ سعدیک معتبر، نہ میں تیرا کلام سنتا ہوں، نہ تیری طرف التفات③ کرتا ہوں۔

اس کے بعد وہ چلا گیا، اس کے بعد میں نے سارے راستے اس کو نہیں دیکھا، آخر میں مِنٰی میں وہ نظر پڑا، اور اس نے چند شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ: ''وہ محبوب جس کو میرا خون بہانا اچھا معلوم ہوتا ہے، میرا خون اس کے لیے حرم میں بھی حلال ہے اور حرم سے باہر بھی، خدا کی قسم! اگر میری روح کو یہ پتہ چل جائے کہ وہ کس پاک ذات کے ساتھ اٹکی ہوئی ہے تو وہ قدم کے بجائے سر کے بَل کھڑی ہو جائے اور ملامت④ کرنے والے، مجھے اس کے عشق میں ملامت نہ کر، اگر تجھے وہ نظر آ جائے جو میں دیکھتا ہوں تو کبھی بھی لبِ کشائی⑤ نہ کرے، لوگ اپنے بدن سے بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں، اگر وہ اللہ

حل لغات: ① راستے کا کھانا۔ ② بندگی۔ ③ توجہ۔ ④ بُرا بھلا کہنے والے۔ ⑤ بات۔

کی پاک ذات کا طواف کرتے تو حرم سے بھی بے نیاز ہو جاتے، عید کے دن لوگوں نے تو بھیڑ بکری کی قربانی کی، لیکن معشوق نے میری جان کی اس دن قربانی کی، لوگوں نے حج کیا ہے اور میرا حج اپنی سکون کی چیز کا ہے، لوگوں نے قربانیاں کی ہیں، میں تو اپنے خون کی اور اپنی جان کی قربانی کرتا ہوں''۔

اس کے بعد یہ دعاء کی: ''اے اللہ لوگوں نے قربانیوں کے ساتھ تیرا تُقرُّب حاصل کیا، میرے پاس کوئی چیز قربانی کے لیے نہیں ہے سوائے اپنی جان کے، میں اس کو تیری بارگاہ میں پیش کرتا ہوں، تو اس کو قبول کر لے۔'' اس کے بعد ایک چیخ ماری اور مُردہ ہو کر گر گیا، اس کے بعد غیب سے ایک آواز آئی کہ یہ اللہ کا دوست ہے، خدا کا قتیل ہے۔ مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے اس کی تجہیز[1] و تکفین کی اور رات بھر اس کی سوچ میں پریشان اور مُتفکِّر[2] رہا، اسی میں آنکھ لگ گئی، تو خواب میں اس کو دیکھا، میں نے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ کہنے لگے: جو شہداءِ بدر کے ساتھ ہوا، بلکہ اس پر بھی کچھ زیادہ ہوا، میں نے پوچھا کہ زیادہ ہونے کی کیا وجہ؟ کہنے لگے کہ وہ کافروں کی تلوار سے شہید ہوئے تھے اور میں عشق مولیٰ کی تلوار سے۔ [روض:۵۸]

اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر بات میں ان سے زیادتی ہو، کسی بات میں زیادتی ہو جانا کافی ہے ورنہ ان حضرات کے لیے صحابی ہونے کا جو فضل ہے، اس کو غیر صحابی کہاں پہونچ سکتے ہیں۔

⑤ حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حج کے سفر میں ایک جنگل میں مجھے ایک نوجوان خوبصورت لڑکا ملا، گویا چاند کا ٹکڑا ہے اور عشق اس کے بدن میں جوش مار رہا تھا، وہ بھی حج کے لیے جا رہا تھا، میں نے اس کو ساتھ لے لیا، میں نے اس سے کہا کہ بڑا طویل[3] سفر ہے، تو اس نے ایک شعر پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ''کاہلوں اور اُکتا جانے والوں کے لیے یہ سفر بعید[4] ہے، لیکن مشتاقوں[5] کے لیے کچھ بھی دور نہیں''۔ [روض:۵۹]

⑥ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ جب عرفات پر پہنچے، تو بالکل چُپ چاپ رہے، کوئی لفظ بھی زبان سے نہیں نکالا، جب وہاں سے مِنیٰ کی طرف چلے، حدِ حرم کے جو دو نشان ہیں، ان سے آگے بڑھ گئے، تو آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور چند اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔ ''میں چل رہا ہوں اس حال میں کہ میں نے اپنے دل پر تیری محبت کی مُہر لگا دی، تا کہ اس دل پر تیرے سوا کسی کا گزر نہ ہو، کاش میں اپنی آنکھوں کو ایسی طرح بند کرتا کہ تیرا دیدار نصیب ہونے تک کسی کو بھی نہ دیکھتا، دوستوں میں بعض تو ایسے ہوتے ہیں، جو ایک ہی کے ہو رہتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں جن میں دوسروں کی بھی شرکت ہوتی ہے، لیکن جب آنکھوں سے آنسو نکل کر رخساروں[6] پر بہنے لگتے ہیں، جب ظاہر ہو جاتا ہے کہ کون واقعی رو رہا

حل لغات: ① کفنانا دفنانا۔ ② سوچنا۔ ③ لمبا۔ ④ دور دراز۔ ⑤ خواہش مندوں۔ ⑥ گال۔

ہے اور کون بناوٹی رونا رو رہا ہے۔ [روض:۵۹]

عدوؔ میں اور مجھ میں غور کرلو فرق اتنا ہے ... کوئی بنتا ہے دیوانہ کوئی ہوتا ہے دیوانہ

(۷) حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ عرفات کے میدان میں غروبؔ تک بالکل چُپ رہے اور جب آفتابؔ غروب ہوگیا تو فرمانے لگے: ''اے اللہ! اگرچہ تو نے معاف فرمادیا، لیکن میری بدحالی پر پھر بھی افسوس ہے''۔ [روض:۵۹]

(۸) ابراہیم بن مُہلّب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں طواف کررہا تھا، میں نے ایک باندی کو دیکھا کہ وہ کعبہ شریف کا پردہ پکڑ کر کہہ رہی تھی۔ ''اے میرے سردار! تجھے مجھ سے محبت کرنے کی قسم میرا دل پھیر دے''۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اے لڑکی! تجھے کس طرح معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ شانُہٗ تجھ سے محبت کرتے ہیں؟ کہنے لگی کہ اس کی شفقتوںؔ سے معلوم ہوا، میرے پکڑنے کے لیے اسلامی لشکر بھیجے، ان پر کتنے کتنے مال خرچ کیے، جب کہیں مجھے کافروں کے پنجہ سے نکالا، مجھے مسلمان بنایا، اپنی معرفتؔ عطا فرمائی، حالانکہ میں اس کو بالکل نہیں جانتی تھی، اے ابراہیم! کیا یہ اس کی محبت اور شفقت نہیں؟ میں نے اس سے پوچھا کہ تجھے اللہ سے کتنی محبت ہے؟ کہنے لگی زیادہ سے زیادہ اور بڑی سے بڑی جو چیز ہوسکتی ہو، میں نے پوچھا: وہ کیسی ہے؟ کہنے لگی کہ شراب سے زیادہ لطیفؔ اور گلاب کے عَرَقؔ سے زیادہ دل پسند، اس کے بعد اس نے تین شعر پڑھے جن کا مطلب یہ ہے کہ ''بے چین آدمی صبر وسکون کو نہیں جانتا کہ کیا ہوتا ہے، اس کے پاس تو بہنے والی آنکھیں ہوتی ہیں، جن کو رونے نے بے کار کردیا ہو اور ایک بدن ہوتا ہے جو عشق کے شعلوں کی وجہ سے دُبلا ہوگیا ہو اور فریفتہؔ کی بیماری کا کیا علاج ہوسکتا ہے؟ اور محبت کا انجام بڑا سخت ہے، بالخصوص جب کہ مہربانی کرنے والے اس کی طرف نیزوں سے مہربانی کرتے ہوں''۔ وہ یہ شعر پڑھتی ہوئی چل دی۔ [روض:۶۰]

(۹) مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک نوجوان کو ایک دفعہ دیکھا کہ قبولیت کے آثارؔ اس کے چہرہ پر ظاہر ہیں اور آنکھوں سے آنسو لگا تار رخساروںؔ پر بہہ رہے ہیں، میں نے اس کو دیکھ کر پہچانا کہ عرصہؔ ہوا، بصرہ میں ایک زمانہ میں اس کو بڑی ناز ونعمت میں دیکھ چکا تھا، اس وقت دیکھ کر میں نے اس کو پہچانا اور اس کی یہ حالت دیکھ کر مجھے بھی رونا آ گیا، اس نے بھی مجھے دیکھ کر پہچان لیا اور مجھے سلام کیا اور کہنے لگا: مالک! تمہیں خدا کی قسم، خاص وقت میں مجھے یاد رکھنا اور میرے لیے اللہ تعالیٰ شانُہٗ سے مغفرت کی دعا مانگنا، کیا بعید ہے اللہ جلّ شانُہٗ میرے حال پر رحم فرمائے اور میرے گناہوں کو

حل لغات: (۱) دُشمن۔ (۲) سورج کا ڈوبنا۔ (۳) سورج۔ (۴) مہربانیوں۔ (۵) پہچان۔ (۶) لذیذ۔ (۷) رس۔ (۸) عشق۔ (۹) علامتیں۔ (۱۰) گالوں۔ (۱۱) زمانہ۔

معاف کردے اور یہ کہہ کر دو شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ ''جب محبوب تیری طرف متوجہ ہو، تو میرا بھی اس سے ذکر کر دیجیو اور یہ کہہ دینا کہ کسی وقت بھی تیری یاد سے اس کا دل خالی نہیں ہوتا، شاید وہ جب میرا نام سنے تو یوں پوچھ لے کہ فلاں شخص پر کیا گزر رہی ہے؟'' مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ شعر پڑھ کر وہ روتا ہوا چل دیا، اتنے میں حج کا زمانہ آ گیا، میں حج کے لیے روانہ ہوا، اتفاق سے میں مسجد حرام میں بیٹھا تھا کہ میں نے ایک شخص کے گرد مجمع اکٹھا دیکھا اور وہ شخص بے تاب[1] ہو کر رو رہا ہے اور اس کی تڑپ اور بے تابی سے لوگوں کو طواف مشکل ہو گیا، میں نے جو اُٹھ کر اس کو دیکھا تو وہی جوان تھا، میں اس کو دیکھ کر خوش ہوا اور میں نے اس سے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تیری تمنا پوری کر دی، تو اس نے چند شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ: ''لوگ بلا خوف و خطر منیٰ کی طرف چلے اور جب وہ منیٰ میں پہونچ گئے، تو اپنی آرزوؤں کو پالیا، لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے آرزوئیں مانگیں، اللہ نے ان کو اُن کی تمنائیں عطا کیں اور ان کی خالص توبہ کی بدولت ان کو فحش[2] اور بدکاری[3] سے محفوظ رکھا، ان کے اوپر ساقی[4] نے شراب کا دور چلایا اور جب انہوں نے پوچھا کہ ساقی کون ہے تو کہا کہ

أَنَا اللهُ فَادْعُوْنِيْ أَنَا اللهُ رَبُّكُمْ لِيَ الْمَجْدُ والْعُلْيَا وَالْمُلْكُ وَالثَّنَاءُ

''میں ہوں تمہارا معبود، تم مجھے پکارو، میں تمہارا رب ہوں، میرے ہی لیے بزرگی ہے، میرے ہی لیے بڑائی ہے، میرا ہی ملک ہے اور میرے ہی لیے ساری تعریفیں ہیں''۔

حضرت مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا کہ واللہ! مجھے اپنا حال بتاؤ کیا گزری؟ کہنے لگا: بڑی اچھی گزری، مجھے اپنے فضل سے یہاں بلایا، میں حاضر ہو گیا اور جو میں نے مانگا، وہ مجھے ملا، پھر اس نے چند شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ ''جب محبوب نے مجھے بلایا، تو میں نے کہا: مبارک، مبارک، کیا ہی بہتر ہے تیرا وصال[5] اور کتنی شیریں[6] ہے تیری محبت اور کتنا مزیدار ہے تیرا عشق، تیرے حق کی قسم! تُو ہی مطلوب ہے، تُو ہی مقصود ہے، تیری ہی آرزوئیں[7] ہیں، لوگ مجھے تیری محبت میں ملامت[8] کرتے ہیں، کیا کریں اور جتنی دل چاہے ملامتیں کریں، میرا دل تیرے سوا کسی چیز کا مشتاق[9] نہیں، لوگ اپنے اپنے معشوقوں کے شہروں کو، فلاں فلاں کو یاد کرتے ہیں، کیا کریں، مجھے تو جب کسی شہر کا تذکرہ آ جائے، تو ہی یاد آتا ہے''۔ مالک کہتے ہیں کہ یہ کہہ کر وہ طواف میں مشغول ہو گیا، پھر مجھے خبر نہیں کہاں گیا۔ [روض: ۶۲]

(۱۰) ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ایک سال سخت ترین گرمی کے زمانہ میں حج کو چلا، لُو بڑی شدت[10] سے چلتی تھی، ایک دن جب کہ میں وسطِ حجاز[11] میں پہونچ گیا، اتفاقاً قافلہ سے بچھڑ گیا اور مجھے کچھ غنودگی[12] سی

حل لغات: (۱) بے چین۔ (۲) بیہودہ بات۔ (۳) براکام۔ (۴) شراب پلانے والا۔ (۵) ملاقات۔ (۶) میٹھی۔ (۷) تمنائیں۔ (۸) لعن طعن۔ (۹) خواہش مند۔ (۱۰) گرم ہوا۔ (۱۱) حجاز کے بیچ میں۔ (۱۲) نیند۔

آ گئی، دَفعَتہً آنکھ جو کھلی تو مجھے اس جنگل بیابان میں ایک آدمی نظر آیا تو میں جلدی جلدی اس کی طرف چلا، دیکھا تو ایک کمسن[1] لڑکا تھا، جس کے داڑھی بھی نہ نکلی تھی اور اس قدر حسین کہ گویا چودھویں رات کا چاند ہے، بلکہ دوپہر کا سورج، اس پر ناز ونعمت کے کرشمے چمک رہے ہیں۔ میں نے اس کو سلام کیا۔ اس نے کہا: ابراہیم! وعلیکم السلام۔ میرا نام لینے پر مجھے انتہائی حیرت ہوئی اور مجھ سے سکوت[2] نہ ہو سکا، میں نے بڑے تعجب سے پوچھا کہ صاحبزادے! تجھے میرا نام کس طرح معلوم ہوا، تُو نے تو مجھے کبھی دیکھا بھی نہیں؟ کہنے لگا کہ ابراہیم جب سے مجھے معرفت[3] حاصل ہوئی میں انجان نہیں بنا اور جب سے مجھے وصال[4] نصیب ہوا کبھی فراق[5] نہیں ہوا۔ میں نے پوچھا کہ اس سخت گرمی میں اس جنگل میں تجھے کیا مجبوری کھینچ کر لائی؟ کہنے لگا کہ ابراہیم! اس کے سوا میں نے کبھی کسی سے اُنس[6] پیدا نہیں کیا اور نہ اس کے سوا کبھی کسی کو ساتھی اور رفیق بنایا، میں اس کی طرف بالکلیہ منقطع ہو چکا ہوں اور اس کے معبود ہونے کا اقرار کر چکا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ تیرے کھانے پینے کا ذریعہ کیا ہے؟ کہنے لگا کہ محبوب نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔ میں نے کہا: خدا کی قسم! مجھے ان عوارض کی وجہ سے جو میں نے ذکر کیے تیری جان کے ہلاک ہو جانے کا اندیشہ ہے، تو اس نے روتے ہوئے کہ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی موتیوں کی طرح سے اس کے رخساروں پر پڑ رہی تھی، چند شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے "کون شخص ڈرا سکتا ہے مجھ کو جنگل کی سختی سے حالانکہ میں اس جنگل کو اپنے محبوب کی طرف چل کر قطع کر رہا ہوں اور اس پر ایمان لا چکا ہوں، عشق مجھ کو بے چین کر رہا ہے اور شوق اُبھارے لیے جاتا ہے اور اللہ کا چاہنے والا کبھی کسی آدمی سے نہیں ڈر سکتا، اگر مجھے بھوک لگے گی تو اللہ کا ذکر میرا پیٹ بھرے گا اور اللہ کی حمد کی وجہ سے میں پیاسا نہیں ہو سکتا اور اگر میں ضعیف[7] ہوں تو اس کا عشق مجھے حجاز سے خراسان تک (یعنی پورب سے پچھّم تک) لے جا سکتا ہے، تو میرے بچپن کی وجہ سے مجھے حقیر سمجھتا ہے، اپنی ملامت کو چھوڑ جو ہونا تھا ہو چکا"۔ میں نے پوچھا: تجھے خدا کی قسم! اپنی صحیح صحیح عمر بتا کیا ہے؟ کہنے لگا کہ تُو نے بڑی سخت قسم مجھ کو دے دی، جو میرے نزدیک بہت ہی بڑی ہے، میری عمر بارہ برس کی ہے۔ پھر وہ کہنے لگا کہ ابراہیم! تجھے میری عمر پوچھنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ میں نے بتا تو دی ہی۔ میں نے کہا: مجھے تیری باتوں نے حیرت میں ڈال دیا۔ کہنے لگا: اللہ کا شکر ہے، اس نے بڑی نعمتیں عطا فرمائیں اور اللہ کا فضل ہے کہ اس نے اپنے بہت سے مومن بندوں سے افضل بنایا۔ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے اس کی حسن[8] صورت، حسن سیرت[9] اور اس شیریں[10] کلام پر بڑا ہی تعجب ہوا، میں نے کہا: سبحان اللہ حق تعالیٰ شانہٗ نے کیسی کیسی

حل لغات: (۱) کم عمر۔ (۲) خاموشی۔ (۳) اللہ کی پہچان۔ (۴) ملاقات۔ (۵) جدائی۔ (۶) محبت۔ (۷) کمزور۔ (۸) اچھی۔ (۹) اچھے کردار۔ (۱۰) میٹھے۔

صورتیں بنائی ہیں، اس نے تھوڑی دیر نیچے کو سر جھکالیا، پھر اوپر کی طرف منہ اُٹھا کر بہت ترچھی کڑوی نگاہ سے مجھے دیکھا اور چند شعر پڑھے، جن کا ترجمہ یہ ہے: ''اگر میری سزا جہنم ہو تو میرے لیے ہلاکت ہے، اس وقت میری یہ رونق[1] اور خوب صورتی کیا بنائے گی، اس وقت میری ساری خوبیوں کو عذاب عیب دار بنادے گا اور جہنم میں طویل عرصہ[2] تک رونا پڑے گا اور جبّار جلّ جلالہٗ یہ فرمائے گا: او بدترین غلام! تو میرے نافرمانوں میں ہے، تو نے دنیا میں میرا مقابلہ کیا، میری حکم عدولی[3] کی، کیا تو میرے عہد و پیمان کو (جو ازل[4] میں ہوئے تھے) بھول گیا تھا یا میری (قیامت کی) ملاقات کو بھول گیا تھا (اے ابراہیم) تو اس دن دیکھے گا کہ فرماں برداروں کے منہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے اور حق تعالیٰ شانہٗ اپنے اوپر سے انوار کے پردے ہٹادیں گے، جس کی وجہ سے یہ فرماں بردار اس ذات پاک کی زیارت[5] سے ایسے مبہوت[6] ہوجائیں گے کہ اس کے مقابلہ میں ہر نعمت اور ہر راحت کو بھول جائیں گے اور حق تعالیٰ شانہٗ ان فرمانبرداروں کو ہیبت[7] اور خوشنودی کا لباس پہنائیں گے اور ان کے چہروں کو رونق اور شادابی[8] عطا ہوگی''۔

یہ اشعار پڑھ کر کہنے لگا: اے ابراہیم! مہجور وہ ہے جو دوست سے منقطع[9] ہوگیا ہو، اور وصال[10] اس کو حاصل ہے، جس نے اللہ کی اطاعت[11] سے وافر[12] حصہ لیا، لیکن ابراہیم اپنے رفقاء[13] سفر سے بچھڑ گئے ہو، میں نے کہا: ہاں! میں ایسا ہی رہ گیا، تجھ سے اللہ کے واسطے سوال کرتا ہوں کہ تو میرے لیے دعا کرے کہ میں اپنے ساتھیوں سے جاملوں۔ میرے اس کہنے پر اس لڑکے نے آسمان کی طرف دیکھا اور کچھ آہستہ آہستہ زبان سے کہا کہ مجھے اس کے ہونٹ حرکت کرتے ہوئے معلوم ہوئے، اس وقت مجھے دفعتہً[14] نیند کا جھونکا سا آیا یا بیہوشی سی ہوئی، اس سے جو میں نے اِفاقہ[15] پایا تو قافلہ کے بیچ میں اونٹ پر اپنے آپ کو پایا اور میرے اونٹ پر جو میرا ساتھی تھا، وہ مجھ سے کہہ رہا تھا، ابراہیم! ہوشیار رہو، سنبھلے رہو، ایسا نہ ہو اونٹ پر سے گر جاؤ اور اس لڑکے کا مجھے کچھ پتہ نہ چلا کہ وہ آسمان پر اُڑ گیا یا زمین کے اندر اُتر گیا۔ جب ہم سارا راستہ طے کرکے مکّہ مکرّمہ پہونچ گئے اور میں حرم شریف میں داخل ہوا، تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ لڑکا کعبہ شریف کا پردہ پکڑے ہوئے رورہا ہے اور یہ شعر پڑھ رہا ہے، جن کا ترجمہ یہ ہے ''میں کعبہ کا پردہ پکڑ رہا ہوں اور بیت اللہ کی زیارت بھی کر رہا ہوں، لیکن دل میں جو کچھ ہے، اس کو اور راز[16] کی بات کو تو خوب جانتا ہے، میں بیت اللہ کی طرف پیدل چل کر آیا ہوں، کہیں سوار نہیں ہوا، اس لیے کہ میں

حل لغات: ① چمک۔ ② لمبا زمانہ۔ ③ نافرمانی۔ ④ انسانوں کی پیدائش کا دن۔ ⑤ ملاقات۔ ⑥ ہکّا بکّا ہونا۔ ⑦ رعب، دبدبہ۔ ⑧ تروتازگی۔ ⑨ جدا۔ ⑩ ملاقات۔ ⑪ فرمانبرداری۔ ⑫ زیادہ۔ ⑬ دوست۔ ⑭ اچانک۔ ⑮ آرام۔ ⑯ بھید۔

باوجود اپنی کمسنی[1] کے فریفتہ عاشق ہوں، میں بچپن ہی سے تجھ پر مرنے لگا ہوں، جب کہ میں عشق کو جانتا بھی نہ تھا اور اگر لوگ مجھے ملامت کریں، کسی بات پر تو میں ابھی عشق کا طفلِ مکتب[2] ہوں، اے اللہ! اگر میری موت کا وقت آ گیا ہو تو شاید میں تیرے وَصل[3] سے بہرہ یاب[4] ہو سکوں"۔ اس کے بعد وہ بے اختیار سجدہ میں گر گیا اور میں دیکھتا رہا، اس کے بعد میں اس کے پاس گیا اور اس کو ہلایا، تو وہ انتقال کر چکا تھا۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے اس کے انتقال کا بڑا سخت صدمہ[5] ہوا، میں وہاں سے اُٹھ کر اپنی قیام گاہ پر آیا اور اس کے کفن دینے کے لیے کپڑا لیا اور مدد کے لیے ایک دو آدمی ساتھ لیے اور وہاں پہونچا، جہاں اس کو مُردہ چھوڑ کر آیا تھا، تو اس کی نعش کا کہیں پتہ نہ چلا، وہاں دوسرے حاجیوں سے دریافت کیا، مگر کسی کو بھی پتہ نہ تھا کہ کسی نے اس کو دیکھا تو میں سمجھا کہ اللہ جلّ شانہٗ نے اس کو لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ[6] فرما رکھا تھا، میں وہاں سے اپنی قیامگاہ پر واپس آ گیا اور مجھے کچھ غنودگی[7] سی آ گئی تو میں نے اس کو خواب میں دیکھا کہ وہ ایک بہت بڑے مجمع میں ہے اور سب سے پیش پیش[8] ہے اور اس پر اس قدر نور چمک رہا ہے اور ایسے عمدہ جوڑے ہیں کہ ان کی صفت بیان میں نہیں آ سکتی، میں نے اس سے پوچھا کہ تُو وہی لڑکا ہے؟ کہنے لگا کہ میں وہی ہوں، میں نے پوچھا: کیا تیرا انتقال نہیں ہوا؟ اس نے کہا: ہاں! ہو گیا، میں نے کہا کہ میں نے تو تجھے تجہیز و تکفین[9] کے لیے بہت تلاش کیا کہیں پتہ نہ چلا۔ کہنے لگا: ابراہیم! سن جس نے مجھے میرے شہر سے نکالا اور اپنی محبت میں فریفتہ کیا اور میرے عزیز و اقارب[10] سے جدا کیا، اسی نے مجھے کفن دیا اور کسی دوسرے کا محتاج نہیں بننے دیا۔ میں نے پوچھا کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے مرنے کے بعد تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ اس نے کہا کہ اللہ جلّ شانہٗ نے مجھے اپنے سامنے کھڑا کیا اور فرمایا کہ تُو کیا چاہتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ الٰہا تُو ہی مقصود ہے اور تیری ہی مجھے آرزو ہے، فرمایا کہ بے شک تو میرا سچا بندہ ہے اور جو تُو مانگے اس کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ میرے زمانہ کے تمام آدمیوں میں میری سفارش قبول فرمالے، ارشاد ہوا کہ ان سب کے بارے میں تیری سفارش مقبول ہے۔ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس لڑکے نے خواب میں مجھ سے رخصتی مصافحہ کیا اور میں نیند سے بیدار ہو گیا، میں نے اپنے حج کے جو ارکان باقی تھے، وہ پورے کیے، لیکن اس لڑکے کی یاد سے اور اس کے رنج سے میرے دل کو قرار[11] نہ تھا، میں حج سے فارغ ہو کر واپس ہوا، لیکن راستہ میں سارے قافلہ والے یہ کہتے تھے کہ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ تیرے ہاتھ کی مہک سے

حل لغات: (۱) کم عمر ہونا۔ (۲) ابتدائی طالب علم۔ (۳) ملاقات۔ (۴) فائدہ اُٹھانے والا۔ (۵) دلی تکلیف۔ (۶) چھپانا۔ (۷) نیند۔ (۸) آگے آگے۔ (۹) کفن دفن۔ (۱۰) رشتہ دار۔ (۱۱) سکون۔

ہر شخص حیران ہے کہ کیسی خوشبو آرہی ہے اور اس واقعہ کے نقل کرنے والے کہتے ہیں کہ مرنے تک ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں میں سے وہ خوشبو آتی رہی۔ [روض: ٦٣]

(١١) حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک سال حج کے لیے جارہا تھا بہت سے رفیق[١] ساتھ تھے، چلتے چلتے ایک مرتبہ مجھے تنہائی کا غلبہ ہوا اور یہ دل میں تقاضا ہوا کہ سب کا ساتھ چھوڑ کر اکیلے چلوں، میں نے اس راستہ کو چھوڑ کر جس پر سب چل رہے تھے، ایک دوسرا تنہائی کا راستہ اختیار کر لیا اور میں تین دن اور تین رات برابر چلتا رہا، نہ تو مجھے اُن میں کھانے کا خیال آیا نہ پینے کا، نہ کوئی اور حاجت[٢] پیش آئی، تین دن رات چلنے کے بعد میں ایک ایسے جنگل میں پہونچ گیا، جو بڑا شاداب سرسبز اور ہر قسم کے پھل اور پھول اس میں لگے ہوئے جو بڑے مہک[٣] دار تھے اور اس کے بیچ میں ایک چشمہ ہے، مجھے یہ خیال ہوا کہ یہ تو جنت ہے اور میں سخت حیرت میں پڑ گیا، میں اسی فکر وسوچ میں تھا کہ ایک جماعت آتی نظر آئی، جن کے چہرے تو آدمیوں جیسے تھے اور ان پر مُرقّع چادریں اور خوشنما لنگیاں تھیں، ان لوگوں نے آکر مجھ کو گھیر لیا اور سلام کیا، میں نے سلام کا جواب دیا اور کہا کہ تم کہاں؟ میں کہاں، پھر مجھے خیال ہوا کہ یہ جنّات کی قوم ہے، اتنے میں ان میں سے ایک نے کہا کہ ہم میں ایک مسئلہ میں اختلاف ہو رہا ہے اور ہم جنّات میں سے ہیں، جنہوں نے بیعتُ العقبہ کی رات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ کا پاک کلام سنا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑھنے کی آواز نے ہمیں دنیا کے سارے کاموں سے چھڑا دیا اور یہ جگہ اللہ جلّ شانُہٗ نے ہمارے لیے مُزیّن[٤] فرما دی۔ میں نے پوچھا کہ اس جگہ سے وہ جگہ کتنی دور ہے جہاں میں نے اپنے سفر کے ساتھیوں کو چھوڑا ہے؟ میرے اس سوال پر ایک شخص نے ان میں سے تبسم کرتے ہوئے کہا کہ ابواسحاق! اللہ جلّ شانُہٗ کے یہی عجیب بھید ہیں، اس جگہ تمہاری قوم کا کبھی کوئی شخص بجز ایک آدمی کے نہیں آیا، ایک جوان تمہاری جنس سے آیا تھا، اس کا یہاں انتقال ہو گیا تھا اور یہ دیکھ اس کی قبر ہے، اس کی قبر میں نے دیکھی کہ اس پانی کے تالاب کے کنارہ تھی، اس کے گرد چھوٹا سا باغیچہ تھا، جس میں ایسے پھول لگ رہے تھے کہ میں نے اس جیسے کبھی نہیں دیکھے تھے، پھر وہ جن کہنے لگا کہ اس جگہ کے اور اس جگہ کے درمیان اتنے اتنے مہینوں کا کہا، یا اتنے اتنے برسوں کا راستہ ہے۔ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اچھا اس جوان کا حال مجھے بتاؤ، ان میں سے ایک نے سنایا کہ ہم لوگ اس چشمہ کے کنارے بیٹھے ہوئے عشق کے بارہ میں بحث کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک جوان آیا اور اس نے آکر سلام کیا، ہم نے سلام کا جواب دیا اور ہم نے پوچھا کہ جوان کہاں سے آئے ہو؟ اس نے کہا کہ شہر نیشاپور سے آیا ہوں، ہم نے پوچھا کہ اس شہر کو چھوڑے ہوئے کتنے دن ہوئے؟ اس نے کہا: سات دن ہوئے ہیں،

حل لغات: (١) دوست۔ (٢) ضرورت۔ (٣) خوشبودار۔ (٤) سجانا۔

ہم نے کہا کہ شہر سے کس ارادہ سے چلے تھے؟ اس جوان نے کہا کہ میں نے اللہ جلّ شانہٗ کا پاک ارشاد سنا ہے: ﴿ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴾ [سورۂ زمر: ۵۴] (''تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اس کی فرماں برداری کرو، قبل اس کے کہ تم پر عذاب ہونے لگے، پھر اس وقت تمہاری کسی کی طرف سے بھی کوئی مدد نہ کی جائے''۔)

ہم نے اس جوان سے پوچھا کہ انابت کیا ہے اور عذاب کیا ہے؟ اس نے بیان کرنا شروع کیا اور جب عذاب بیان کرنا شروع کیا تو ایک چیخ ماری اور مر گیا۔ ہم لوگوں نے اس کو اس قبر میں دفن کر دیا۔ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، مجھے اس قصہ سے بڑی حیرت ہوئی، اس کے بعد میں اس جوان کی قبر کے نزدیک گیا، تو اس کے سرہانے نرگس(۱) کے پھولوں کا ایک بہت بڑا گلدستہ رکھا تھا، اتنا بڑا تھا جیسے بڑی چکّی ہو اور اس کی قبر پر یہ لفظ لکھے ہوئے تھے۔ ''هٰذَا قَبْرُ حَبِيْبِ اللهِ قَتِيْلِ الْغَيْرَةِ'' ''یہ اللہ کے دوست کی قبر ہے، جو غیرت کا قتل کیا ہوا ہے'' اور نرگس کے ایک پتہ پر انابت کی تفسیر لکھی ہوئی تھی، میں نے اس کو پڑھا، ان جنات نے مجھ سے اس کا مطلب پوچھا؟ میں نے اس کا مطلب بتایا، تو وہ بہت خوش ہوئے اور مزے میں لوٹنے لگے، جب اس سے انہیں سکون سا ہوا تو کہنے لگے کہ ہمارا وہ مسئلہ جس میں جھگڑا تھا، حل ہو گیا۔ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: پھر مجھے کچھ غنودگی سی آئی، اس کے بعد جو میری آنکھ کھُلی تو میں مسجدِ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا (جو تنعیم کے پاس مکّہ مکرمہ کے قریب ہے) اور میرے کپڑوں میں پھولوں کا گلدستہ تھا، جو ایک سال تک میرے پاس رہا، ایک سال تک اس میں کوئی تغیر نہ ہوا اس کے چند ایام بعد وہ خود بخود گم ہو گیا۔ [روض: ۶۴]

(۱۴) تاجروں کی ایک جماعت ایک مرتبہ حج کو گئی، راستہ میں جہاز ٹوٹ گیا اور حج کا وقت تنگ ہو گیا تھا، ان میں سے ایک شخص کے ساتھ پچاس ہزار کا مال تھا، وہ اس کو چھوڑ کر حج کو چل دیا، ساتھیوں نے اس کو مشورہ دیا کہ اگر تُو یہاں ٹھہر جائے تو تیرا سامان کچھ نکل سکتا ہے، وہ تاجر کہنے لگا: خدا کی قسم! اگر ساری دنیا کا مال مجھے مل جائے، تب بھی حج کے مقابلہ میں اس کو ترجیح نہ دوں کہ وہاں کی حاضری میں اولیاء اللہ کی زیارت نصیب ہو گی اور میں ان حضرات میں جو کچھ دیکھ چکا ہوں، بس دیکھ چکا ہوں (بیان سے باہر ہے)، لوگوں نے پوچھا کہ آخر تو نے کیا دیکھا؟ اس تاجر نے سنایا کہ ہم ایک مرتبہ حج کو جا رہے تھے کہ پیاس کی شدت نے سب کو پریشان کر دیا اور ایک ایک گلاس اتنے اتنے داموں میں مل رہا تھا، میں نے ایک دن پیاس کی شدت میں سارے قافلہ کو چھان ڈالا، کہیں پانی کا گھونٹ نہ قیمت سے ملا، نہ کسی اور طرح اور پیاس کی وجہ سے میرا دم نکلنے لگا، میں چند قدم آگے چلا، تو ایک فقیر جس کے ساتھ ایک برچھا تھا

حل لغات: (۱) ایک خوبصورت پھول۔

واقعات

اور ایک پیالہ، اس نے اپنے بَرچھے کو ایک حوض کی نالی میں گاڑ دیا، اس کے نیچے سے پانی اُبلنے لگا اور نالی کے ذریعہ سے حوض میں جمع ہونے لگا، میں حوض کی طرف گیا اور خوب سَیر[1] ہو کر پانی پیا اور اپنا مشکیزہ[2] بھی بھر لیا، اس کے بعد قافلہ والوں کو میں نے خبر کی سب قافلہ والے اس سے سَیراب ہوئے اور وہ حوض اسی طرح لبریز[3] تھا، وہ تاجر کہنے لگا، ایسی جگہ حاضری سے کوئی باز[4] رہ سکتا ہے؟ جہاں ایسے ایسے بزرگ جمع ہوتے ہوں۔ [روض:٦٦]

ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی محاضرات صفحہ نمبر ۱۳۹ رمیں اس قصہ کو نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کا تمام مال پچاس ہزار اَشرفیوں کا تھا، جن میں ایک موتی چار ہزار اَشرفیوں کا تھا۔

(۱۳) ابوعبداللہ جوہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں ایک سال عرفات کے میدان میں تھا، میری ذرا سی آنکھ لگی، تو میں نے دیکھا کہ دو فرشتے آسمان سے اُترے، ایک نے ان میں سے اپنے ساتھی سے کہا کہ اس سال کتنے آدمیوں نے حج کیا؟ ساتھی نے جواب دیا کہ چھ لاکھ آدمیوں نے حج کیا، لیکن ان میں سے صرف چھ آدمیوں کا حج قبول ہوا، مجھے یہ بات سُن کر اس قدر رنج ہوا، دل چاہا کہ اپنے منہ پر طمانچے ماروں اور اپنی حالت پر خوب روؤں، اتنے میں اس پہلے فرشتہ نے پوچھا کہ جن لوگوں کا حج قبول نہیں ہوا، ان کے بارہ میں اللہ جلّ جلالہٗ نے کیا معاملہ فرمایا؟ دوسرے فرشتہ نے جواب دیا کہ کریم نے کرم کی نگاہ فرمائی اور مقبولین میں سے ہر ایک کے طفیل ایک ایک لاکھ کا حج قبول فرمالیا اور یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے وہ اپنا فضل و انعام جس کو چاہے بخش دے۔ [روض:٦٧] اس قسم کا ایک واقعہ علی بن مُوفّق رحمۃ اللہ علیہ کا پہلی فصل کی حدیث نمبر ۶ر کے ذیل میں بھی گزر چکا ہے۔

(۱۴) علی بن مُوفّق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حرم شریف میں بیٹھا ہوا تھا اور اس وقت تک ساٹھ حج کر چکا تھا، میرے دل میں یہ وسوسہ گزرا کہ کب تک ان جنگل بیابانوں میں پھرتا رہوں گا، (اب ختم کروں بہتیرے[5] حج کر لیے)۔ مجھ پر دفعتہً[6] نیند کا غلبہ ہوا، تو میں نے ایک غیبی آواز دینے والے کو دیکھا، وہ کہہ رہا ہے کہ اے ابن مُوفّق! تُو اپنے گھر اسی کو بُلاتا ہے، جس کے بُلانے سے تیرا دل خوش ہو، مبارک ہیں وہ لوگ جن کو اللہ جلّ شانہٗ چاہیں اور اعلیٰ جگہ بلائیں، اس کے بعد اس آواز دینے والے نے دو شعر پڑھے، جن کا ترجمہ یہ ہے: ''میں نے زیارت[7] کے لیے اپنے سے محبت رکھنے والوں کو بلایا ہے اور ان کے علاوہ کسی کو نہیں بلایا، یہ لوگ میرے گھر کی طرف اکرام کے ساتھ آئے ہیں، پس مبارک ہیں یہ کریم لوگ بھی اور وہ ذات بھی جس نے ان کو بلایا۔'' [روض:٦٨]

حل لغات: (۱) پیٹ بھر کر۔ (۲) پانی بھرنے کا چمڑے کا برتن۔ (۳) بھرا ہوا۔ (۴) رُکنا۔ (۵) بہت سارے۔ (۶) اچانک۔ (۷) ملاقات۔

(۱۵) حضرت ذُوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک نوجوان کو کعبہ شریف کے پاس دیکھا کہ دَمادَم رکوع سجدے کررہا ہے، میں نے پوچھا کہ بڑی کثرت سے نمازیں پڑھ رہے ہو؟ وہ کہنے لگا کہ واپسی وطن کی اجازت مانگ رہا ہوں، اتنے میں مَیں نے دیکھا کہ ایک کاغذ کا پرچہ اوپر سے گرا، اس میں لکھا ہوا تھا کہ یہ اللہ جلّ شانہٗ جو بڑی عزت والا بڑی مغفرت والا ہے، کی طرف سے اپنے سچے شکرگزار بندہ کی طرف ہے کہ تو واپس چلا جا، اس طرح کے تیرے اَگلے پچھلے سب گناہ بخش دیے گئے۔
[روض: ۶۸]

(۱۶) سہل بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی ولی کا لوگوں کے ساتھ میل جول رکھنا اس کی ذِلت کا سبب ہوتا ہے اور صرف اللہ جلّ شانہٗ کے ساتھ لگاؤ اس کی عزت کا سبب ہوتا ہے، میں نے بہت کم وَلی ایسے دیکھے ہیں جو یکسو نہ رہتے ہوں۔ عبد اللہ بن صالح رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ تھے، جن پر اللہ جلّ شانہٗ کی خاص عطایا تھیں اور بہت انعامات تھے، وہ لوگوں سے بھاگ کر ایک شہر سے دوسرے شہر میں پھرتے رہتے تھے، اسی طرح آخر مکّہ مکرّمہ پہونچ گئے اور وہاں بہت طویل(۱) قیام کیا، میں نے ان سے کہا کہ اس شہر میں تو آپ نے بہت زیادہ قیام کیا، کہنے لگے کہ میں اس شہر میں کیوں کر نہ ٹھہروں، میں نے ایسا کوئی شہر نہیں دیکھا، جس میں اس شہر سے زیادہ رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہوں، اس شہر میں صبح کو اور شام کو فرشتے اُترتے ہیں، میں نے اس شہر میں بڑے بڑے عجائبات دیکھے ہیں، فرشتے مختلف صورتوں میں بیتُ اللہ کا طواف کرتے ہیں اور یہ سلسلہ ختم نہیں ہوتا، اگر میں ان سب عجائبات کو بیان کروں، جو میں نے یہاں دیکھے ہیں تو جن کا ایمان (کامل) نہیں ان کی عقلیں اس کو برداشت بھی نہ کرسکیں گی، میں نے دریافت کیا کہ تمھیں خدا کی قسم! کچھ اپنے دیکھے ہوئے عجائبات مجھے بھی سناؤ، کہنے لگے کہ کوئی ولیٔ کامل جس کی ولایت صحیح ہوچکی ہو، ایسا نہیں جو ہر جمعہ کی شب(۲) میں اس شہر میں نہ آتا ہو، انہی لوگوں کے دیکھنے کے واسطے میرا یہاں قیام ہے، میں نے ان میں سے ایک صاحب کو دیکھا جن کا نام مالک بن قاسم جَبَلی رحمۃ اللہ علیہ تھا، وہ آئے اور ان کے ہاتھ میں سے گوشت کی خوشبو آرہی تھی، میں نے کہا کہ تم شاید ابھی کھانا کھا کر آئے ہو، کہنے لگے: اَستغفر اللہ، میں نے تو ایک ہفتہ سے کچھ نہیں کھایا، البتہ اپنی والدہ کو کھانا کھلا کر آیا ہوں اور جلدی اس لیے کی تاکہ مکّہ مکرّمہ میں صبح کی نماز میں شرکت کرلوں۔ عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جہاں سے مالک رحمۃ اللہ علیہ آئے تھے اس جگہ کا اور مکّہ مکرّمہ کا نَو سو فَرسخ کا فاصلہ ہے (ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے، تو ستائیس سو میل ہوئے) اس کے بعد عبد اللہ نے مجھ سے پوچھا کہ تجھے اس قصہ کا یقین آگیا؟ سہل کہتے ہیں: میں نے کہا کہ ہاں! یقین آگیا۔ کہنے

حل لغات: (۱) لمبا۔ (۲) رات۔

واقعات

لگے: اللہ کا شکر ہے کہ مجھے ایک مومن آدمی ملا اور بعض بزرگوں نے بیان کیا کہ انہوں نے کعبہ شریف کے گرد فرشتوں کو اور انبیا علیہم السلام کو اور اولیا رحمہم اللہ کو بسا اوقات[1] دیکھا اور زیادہ تر جمعہ کی شب میں، اور دوشنبہ[2] اور پنج شنبہ[3] کی شب میں دیکھا، اس کے بعد اور عجائب انبیاء کی زیارت کے متعلق ذکر کیے۔ [روض: ۲۰۷]

⑰ کہتے ہیں کہ ہشام بن عبدالملک جب کہ وہ شہزادہ تھا اور خود اس وقت تک بادشاہ نہیں بنا تھا، حج کو گیا اور طواف کرتے ہوئے اس نے حجرِ اسود کو بوسہ دینے کا ارادہ کیا اور انتہائی کوشش کے باوجود ہجوم کی کثرت سے اس پر قدرت نہ ہوئی، اتنے میں حضرت زین العابدین علی بن الامام حسین رحمۃ اللہ علیہ طواف کرتے ہوئے حجرِ اسود پر پہونچے، تو ایک دَم سارا مجمع ٹھہر گیا اور ان کے راستہ سے اِدھر اُدھر ہو گیا، وہ اطمینان سے بوسہ دے کر چل دیے۔ کسی نے ہشام سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے؟ (جس کا اعزاز شہزادہ سے بھی زیادہ ہے) ہشام نے کہہ دیا کہ میں نہیں جانتا۔ علماء نے لکھا ہے کہ وہ جان بوجھ کر انجان بن کر انکار کرتا تھا، تاکہ اس کے مصاحبین[4] وغیرہ جو شام سے اس کے ساتھ آئے ہوئے تھے، ان کے دل میں حضرت زینُ العابدین رحمۃ اللہ علیہ کی وقعت[5] زیادہ پیدا نہ ہو اور یہ بنو اُمیہ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کی وقعت کو گوارا[6] نہ کرتے تھے، فَرَزدق جو عرب کا مشہور شاعر ہے، وہ بھی وہاں کھڑا تھا، اس نے کہا: میں ان کو جانتا ہوں، پھر اس نے یہ چند شعر پڑھے:

هٰذَا التَّقِيُّ النَّقِيُّ الطَّاهِرُ الْعَلَمُ	١	هٰذَا ابْنُ خَيْرِ عِبَادِ اللهِ كُلِّهِمِ
وَالْبَيْتُ يَعْرِفُهُ وَالْحِلُّ وَالْحَرَمُ	٢	هٰذَا الَّذِيْ تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطْأَتَهُ
رُكْنُ الْحَطِيْمِ إِذَا مَاجَاءَ يَسْتَلِمُ	٣	يَكَادُ يُمْسِكُهُ عِرْفَانَ رَاحَتِهِ
لَوْلَا التَّشَهُّدُ كَانَتْ لَائُهُ نَعَمُ	٤	مَا قَالَ لَا قَطُّ إِلَّا فِيْ تَشَهُّدِهِ
إِلٰى مَكَارِمِ هٰذَا يَنْتَهِي الْكَرَمُ	٥	إِذَا رَأَتْهُ قُرَيْشٌ قَالَ قَائِلُهَا
أَوْ قِيْلَ مَنْ خَيْرُ أَهْلِ الْأَرْضِ قِيْلَ هُمُ	٦	إِنْ عُدَّ أَهْلُ التُّقٰى كَانُوْا أَئِمَّتَهُمْ
بِجَدِّهِ أَنْبِيَاءُ اللهِ قَدْ خُتِمُوْا	٧	هٰذَا ابْنُ فَاطِمَةَ إِنْ كُنْتَ جَاهِلَهُ
اَلْعَرَبُ تَعْرِفُ مَنْ أَنْكَرْتَ وَالْعَجَمُ	٨	وَلَيْسَ قَوْلُكَ مَنْ هٰذَا بِضَائِرِهِ
فَلَا يُكَلَّمُ إِلَّا حِيْنَ يَبْتَسِمُ	٩	يُغْضِيْ حَيَاءً وَيُغْضٰى مِنْ مَهَابَتِهِ

جن کا ترجمہ یہ ہے کہ 'یہ اللہ کے بندوں میں سے بہترین کی اولاد ہے، یہ متقی پاک صاف اور

حل لغات: ① کبھی کبھی۔ ② پیر۔ ③ جمعرات۔ ④ ساتھ میں رہنے والے۔ ⑤ عزت۔ ⑥ پسند۔

سردار ہے۔ یہ وہ شخص ہے جس کے قدم کو سارا مکہ جانتا ہے، یہ وہ شخص ہے جس کو بیت اللہ جانتا ہے، اس کو حِل و حرم پہچانتے ہیں۔ یہ وہ شخص ہے کہ جب حجرِ اسود کا بوسہ دینے کے لیے اس کے قریب جائے تو اس کے ہاتھوں کو پہچان کر قریب ہے کہ حجرِ اسود کا کونہ اس کے ہاتھوں کو پکڑ لے (اس صورت میں ہاتھوں کی خصوصیت اس وجہ سے ہے کہ حجرِ اسود کے بوسہ کے وقت دونوں ہاتھ اس کونے پر رکھے جاتے ہیں، اس مطلب کے موافق رُکن الحطیم سے مجازاً رُکن کعبہ مراد ہوگا اور ہوسکتا ہے کہ یہ ترجمہ کیا جائے کہ "جب یہ شخص طواف کرتے ہوئے حطیم کی طرف پہونچتا ہے تو قریب ہے کہ حطیم والا کونہ اس کے ہاتھوں کو پہچان کر ان کو چومنے کے لیے پکڑ لے، اس مطلب کے موافق رُکن الحطیم اپنے ظاہر پر ہوگا اور ہاتھوں کے پہچاننے کی خصوصیت عطا اور جُود[1] کی کثرت کی طرف اشارہ ہوگا۔ یہ وہ شخص ہے جس نے کبھی "لا" نہیں کہا (لا کے معنی نہیں کے ہیں، یعنی کبھی کسی مانگنے والے کو انکار نہیں کیا) اور بجز کلمہ طیبہ کے کہ اس میں لآ اِلٰہَ میں "لا" کہنا پڑتا ہے، اس کی مجبوری ہے اور یہ ہر اَلتَّحِیَّاتُ میں پڑھا جاتا ہے، اگر یہ مجبوری نہ ہوتی تو اس کی زبان سے لا کبھی نہ نکلتا۔ جب قبیلۂ قریش جو کرم میں مشہور قبیلہ ہے اس کو دیکھتا ہے تو کہنے والا بے ساختہ[2] کہہ دیتا ہے کہ اس کے اخلاق پر کرم کا منتہا[3] ہے یعنی اس سے زیادہ کریم کوئی نہیں۔ اور جب کہیں اہلِ تقویٰ[4] کا شمار ہونے لگے تو یہی لوگ اس میں بھی مقتدا[5] ہوں گے اور جب یہ پوچھا جائے کہ دنیا کی بہترین ہستیاں کون ہیں تو انہی لوگوں کی طرف انگلیاں اٹھیں گی۔ او ہشام! اگر تو اس سے جاہل ہے تو سُن کہ یہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد ہے اور اسی کے دادا (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نبوت ختم کردی گئی۔ تیرا یہ کہنا کہ یہ کون ہے؟ اس کو عیب نہیں لگاتا، جس کے پہچاننے سے تو نے انکار کردیا، اس کو عرب جانتا ہے عجم[6] جانتا ہے۔ یہ وہ شخص ہے جو شرم کی وجہ سے اپنی آنکھ نیچے رکھتا ہے اور ساری دنیا اس کی عظمت اور ہیبت[7] سے آنکھ نیچے رکھتی ہے، کوئی شخص اس کے سامنے اس وقت تک رُعب کی وجہ سے بات نہیں کرسکتا جب تک کہ وہ خندہ پیشانی[8] سے پیش نہ آئے۔

اشعار کا ترجمہ ختم ہوگیا۔ صاحبِ روض صفحہ نمبر ۷۱ پر نے اتنے ہی اشعار نقل کیے ہیں یہ قصیدہ بڑا ہے اور بہت سے اشعار شاعر نے ان کی اور اس خاندان کی فضیلت میں برجستہ[9] کہے ہیں: **وَفِيَّاتُ الْأَعْيَانِ**، **مِرْاٰةُ الْجِنَانِ**، **حَيٰوةُ الْحَيَوَانِ** وغیرہ میں اس قصیدہ کو ذکر کیا ہے، "دُرِّ نَضِید" اس قصیدہ کی مستقل شرح ہے، اس میں نقل کیا ہے کہ ہشام نے اس قصیدہ کو سن کر غصہ میں آکر فرزدق کو قید کرادیا۔ درحقیقت حضرت زَینُ العابدین رحمۃ اللہ علیہ کی عبادت اور جُود و کَرَم اتنے بڑھے ہوئے تھے کہ

حل لغات: (۱) سخاوت۔ (۲) خدبخود۔ (۳) انتہائی۔ (۴) پرہیزگار۔ (۵) رہنما، پیشوا۔ (۶) عرب ملکوں کے علاوہ ملک۔ (۷) رعب۔ (۸) خوش مزاجی۔ (۹) فوراً۔

ان کے واقعات کا اختصار[1] بھی دشوار[2] ہے، رات دن میں ایک ہزار رکعت نفل پڑھا کرتے تھے اور جب وضو کرتے تو چہرہ کا رنگ زَرد ہو جاتا اور جب نماز کو کھڑے ہوتے تو بدن پر کپکپی آ جاتی، کسی نے اس کی وجہ پوچھی، تو فرمایا: تمہیں خبر نہیں کہ کس پاک ذات کے سامنے کھڑا ہوتا ہوں۔ ایک مرتبہ سجدہ میں تھے کہ گھر میں آگ لگ گئی، لوگوں نے شور مچایا اے رسول اللہ کے بیٹے! آگ لگ گئی، آگ آگ، مگر یہ اطمینان سے نماز پڑھتے رہے، جب فارغ ہوئے تو آگ بجھ بجھا چکی تھی، کسی نے ان سے پوچھا؟ تو فرمایا کہ اس سے زیادہ سخت آگ (یعنی جہنم کی آگ) کے خوف نے اس کی طرف متوجہ نہ ہونے دیا۔

آپ کا معمول تھا کہ رات کو اندھیرے میں پوشیدہ[3] لوگوں کے گھروں پر جا کر ان کی اعانت[4] فرمایا کرتے تھے اور بہت سے گھرانے ایسے تھے، جن کا گزارا آپ کی امداد پر تھا اور ان کو یہ بھی پتہ نہ چلتا تھا کہ یہ کون شخص ہے؟ جب آپ کا انتقال ہوا تو معلوم ہوا کہ سَو گھر مدینہ طیبہ میں ایسے تھے، جن پر آپ خرچ فرمایا کرتے تھے۔ [روض] ایسی حالت میں فرزدق جو کہے وہ صحیح ہے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ خاندانِ نبوت میں حضرت زَینُ العابدین رحمۃ اللہ علیہ جیسا شخص کوئی بھی نہ تھا (یعنی اپنے زمانہ میں)۔ یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہاشمی خاندان میں جتنے حضرات کا زمانہ میں نے پایا ہے ان میں آپ افضل ترین شخص تھے۔ سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ سے زیادہ متقی میں نے نہیں دیکھا، ان حالات پر بھی جب آپ حج کو تشریف لے گئے اور احرام باندھنے کا وقت آیا تو آپ کا چہرہ زرد[5] ہو گیا اور لبّیک نہ کہہ سکے، لوگوں نے پوچھا کہ آپ لبیک نہیں پڑھتے تو فرمایا کہ مجھے یہ خوف ہے کہ کہیں جواب میں ''لا لبیک'' نہ کہہ دیا جائے، مگر جب لوگوں نے اِصرار[6] کیا کہ احرام کے وقت لبیک کہنا ضروری ہے تو آپ نے لبیک پڑھا اور بے ہوش ہو کر سواری پر سے گر پڑے اور حج کے ختم تک یہی صورت رہی کہ جب لبیک کہتے، یہی حالت ہوتی۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ جب حضرت زَینُ العابدین رحمۃ اللہ علیہ نے احرام باندھا اور لبیک کہنے کا ارادہ کیا تو بیہوش ہو کر اونٹنی پر سے گر گئے اور ہڈی ٹوٹ گئی۔ [تہذیب التہذیب]

حضرت زَینُ العابدین رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی حکمت کے ارشادات کتابوں میں نقل کیے گئے، آپ کا ارشاد ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ کی عبادت بعض لوگ اُس کے خوف سے کرتے ہیں یہ غلاموں کی عبادت ہے کہ ڈنڈے کے زور سے کام کریں اور بعض لوگ اس کے انعامات کے واسطے کرتے ہیں، یہ تاجروں کی عبادت ہے (کہ ہر کام میں کمائی کی فکر ہے) احرار[7] کی عبادت یہ ہے کہ اس کے شکر میں عبادت کریں۔ آپ کے صاحبزادہ حضرت باقر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد حضرت زَینُ العابدین رحمۃ اللہ علیہ

حل لغات: (۱) مختصر۔ (۲) مشکل۔ (۳) پیلا۔ (۴) چھپنا۔ (۵) مدد۔ (۶) ضد۔ (۷) آزاد لوگ۔

نے وصیت فرمائی ہے کہ پانچ قسم کے آدمیوں کے پاس مت لگنا، حتی کہ راستہ چلتے بھی ان کا رفیقِ[1] سفر نہ بنا: ایک فاسق[2] شخص کہ وہ ایک لقمہ کے بدلہ میں تجھے بیچ دے گا، بلکہ ایک لقمہ سے کم میں بھی بیچ دے گا، میں نے عرض کیا کہ ایک لقمہ سے کم کا کیا مطلب؟ فرمایا کہ محض[3] اس اُمید پر کہ لقمہ کسی سے مل جائے، پھر وہ اس کی اُمید پوری بھی نہ ہو۔ دوسرے بخیل[4] کے پاس نہ لگنا کہ وہ تیری سخت حاجت کے وقت بھی تجھ سے کنارہ کشی کرے گا۔ تیسرے جھوٹ بولنے والا شخص کہ وہ بمنزلہ اس بالو[5] کے ہے، جو دُور سے پانی معلوم ہوتا ہو، وہ قریب آنے والوں کو دُور بتائے گا، دور ہونے والی چیزوں کو قریب کر کے بتائے گا۔ چوتھے بے وقوف اُحمق سے دور رہنا کہ وہ نفع پہونچانے کا ارادہ کرے گا اور نقصان پہونچا دے گا، اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ "سمجھ دار دشمن، نادان[6] دوست سے بہتر ہے"۔ پانچویں اس سے دُور رہنا جو اپنے رشتہ داروں سے قطع رحمی[7] کرتا ہو، اس لیے کہ میں نے ایسے شخص کو قرآن پاک میں تین جگہ ملعون[8] پایا۔ [روض: ۱۷]

(۱۸) حضرت امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت امام باقر محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ جب حج کو تشریف لے گئے اور بیت اللہ شریف پر نظر پڑی تو اتنے زور سے روئے کہ چیخیں نکل گئیں، لوگوں نے کہا کہ سب لوگوں کی نظریں ادھر لگ گئیں، آپ چیخیں نہ ماریں، فرمایا کہ شاید اللہ جلّ شانُہٗ میرے رونے کی وجہ سے رحمت کی نظر فرمالے، جس کی وجہ سے کل قیامت کے دن کامیاب ہو جاؤں، اس کے بعد طواف کیا اور طواف کے بعد مقامِ ابراہیم پر جا کر نفلیں پڑھیں تو سجدہ کی جگہ آنسوؤں کی وجہ سے بھیگ گئی تھی، آپ نے اپنے ایک ساتھی سے فرمایا کہ مجھے سخت رنج ہے کہ میرا دل سخت فکر میں مشغول ہے، کسی نے پوچھا کہ آپ کو کس چیز کا رنج ہے؟ فرمایا کہ جس کے دل میں اللہ کا خالص دین داخل ہو جائے، وہ اس کو اللہ کے ماسوٰی[9] سے خالی کر دیتا ہے اور دنیا ان چیزوں کے علاوہ اور کیا چیز ہے، یہی سواری ہے جس پر سوار ہو کر آئے ہو، یہی کپڑا ہے جس کو پہن رکھا ہے، یہی بیوی ہے جو مل گئی ہے، یہی کھانا ہے جو کھایا ہے۔ [روض: ۷۳]

(۱۹) حضرت لَیث بن سَعد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں ۱۱۳ھ میں پیدل حج کو گیا، جب میں مکّہ مکرّمہ پہونچ گیا تو عصر کی نماز کے وقت جَبلِ اَبُوقُبَیس پر چڑھ گیا، وہاں میں نے ایک صاحب کو بیٹھے دیکھا کہ وہ دعائیں مانگ رہے ہیں اور "یارب یارب" اتنی مرتبہ کہا کہ دَم گھٹنے لگا، پھر انہوں نے "یَا رَبَّاہُ یَا رَبَّاہُ" اسی طرح کہا کہ دم نکلنے لگا، پھر اسی طرح "یَا اَللّٰہُ یَا اَللّٰہُ" کہتے رہے کہ دم گھٹنے لگا، پھر اسی طرح "یَا حَیُّ یَا حَیُّ" لگاتار کہتے رہے، پھر اسی طرح "یَا رَحْمٰنُ یَا رَحْمٰنُ" پھر "یَا رَحِیْمُ

حل لغات: (۱) سفر کا ساتھی۔ (۲) گنہگار۔ (۳) صرف۔ (۴) کنجوس۔ (۵) ریت۔ (۶) بے وقوف۔ (۷) رشتہ توڑنا۔ (۸) جس پر لعنت کی جائے۔ (۹) علاوہ۔

واقعات

یَا رَحِیمُ ''اسی طرح کہا کہ دم گھٹنے لگا، پھر''یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِینْ'' بھی اس طرح کہا کہ سات مرتبہ دم گھٹنے لگا۔ اس کے بعد وہ کہنے لگے: یا اللہ! میرا انگوروں کو جی چاہ رہا ہے، وہ عطا فرما اور میری چادریں پُرانی ہوگئیں۔ لَیث کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! ان کی زبان سے یہ لفظ پورے نکلے بھی نہیں تھے کہ میں نے ایک ٹوکری انگوروں سے بھری ہوئی رکھی دیکھی، حالاں کہ اس وقت روئے زمین پر کہیں انگور کا نشان بھی نہ تھا اور دو چادریں رکھی ہوئی دیکھی، انہوں نے انگور کھانے کا ارادہ کیا، تو میں نے کہا کہ میں بھی ان میں آپ کا شریک ہوں، فرمایا کیسے؟ میں نے کہا: جب آپ دعاء کررہے تھے تو میں آمین آمین کہہ رہا تھا، فرمانے لگے: آؤ، کھاؤ! لیکن اس میں سے کچھ ساتھ نہ لے جانا، میں آگے بڑھا اور ان کے ساتھ ایسی عجیب چیز کھائی کہ عمر بھر ایسی چیز نہ کھائی تھی، وہ عجیب قسم کے انگور تھے کہ ان میں بیج بھی نہ تھا، میں نے خُوب پیٹ بھر کر کھائے، مگر اس ٹوکری میں کچھ کمی نہ ہوئی، پھر انہوں نے فرمایا کہ ان دونوں چادروں میں سے جونسی تمہیں پسند ہو لے لو، میں نے کہا کہ چادر کی مجھے ضرورت نہیں ہے، پھر فرمانے لگے کہ ذرا سامنے سے ہٹ جاؤ، میں ان کو پہن لوں، میں پرے کو ہٹ گیا تو انہوں نے ایک چادر لنگی کی طرح باندھ لی، دوسری اُوڑھ لی اور جو چادریں پہلے سے پہنے ہوئے تھے، ان کو ہاتھ میں لے کر پہاڑ سے نیچے اُترے، میں پیچھے ہولیا، جب صفا مَروہ کے درمیان پہونچے، تو ایک سائل[1] نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے بیٹے! یہ کپڑا مجھے دے دیجیے، اللہ جلّ شانُہٗ آپ کو جنت کا جوڑا عطا فرمائے، وہ دونوں چادریں اس کو دے دیں، میں نے اس سائل کے قریب جا کر اس سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ اس نے کہا کہ حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ ہیں، پھر ان کے پاس واپس آیا کہ ان سے کچھ سُنوں، مگر کہیں پتہ نہ چلا۔ [روض: ۳۰۷]

یہ حضرت امام باقر رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے ہیں، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں بارہا ان کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے ہمیشہ تین عبادتوں میں سے کسی نہ کسی میں مشغول پایا: نماز یا تلاوت یا روزہ اور بغیر وضو کے حدیث نقل نہ کرتے تھے۔ [تہذیب التہذیب]

سُفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے سُنا، فرماتے تھے کہ اس زمانہ میں سلامتی کم یاب[2] ہوگئی اور اگر وہ کہیں مل سکتی ہے تو گوشۂ گمنامی[3] میں ہے اور اگر اس میں نہیں (یعنی یہ میسّر[4] نہ ہو سکے) تو پھر یکسوئی اور تنہائی میں تلاش کی جائے، لیکن تنہائی گمنامی کے برابر نہیں ہوسکتی اور اگر وہاں بھی نہ ہو سکے تو پھر چُپ رہنے میں اور چُپ رہنا تنہائی کی برابری نہیں کرسکتا اور اگر خاموشی میں بھی نہ ہو سکے تو پھر سلف صالح[5] کے کلام میں اور سعید شخص[6] وہ ہے جو اپنے نفس میں خلوت[7] اور

حل لغات: ① مانگنے والا۔ ② کم ملنے والا۔ ③ چھپا ہوا۔ ④ حاصل۔ ⑤ پہلے زمانے کے بزرگ۔ ⑥ اچھے نصیب والا۔ ⑦ تنہائی۔

یکسوئی پائے۔ حضرت جعفر رحمۃ اللہ علیہ اپنے باپ دادا کی روایت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جس شخص پر اللہ جلّ شانہٗ کا کوئی انعام ہو، اس کو ضروری ہے کہ اس کا شکر ادا کرے اور جس پر رزق میں تنگی(۱) ہو، وہ استغفار کی کثرت کرے اور جس کو کوئی پریشانی لاحق(۲) ہوئی ہو، وہ لَاحَولَ پڑھا کرے۔ [روض]

(۲۰) حضرت شقیق بلخی فرماتے ہیں کہ میں ۱۴۹ھ میں حج کو جا رہا تھا، راستہ میں قادسیہ (ایک شہر کا نام ہے) میں اُترا، میں لوگوں کی زیب و زِ(۳)ینت اور ان کا ہجوم(۴) اور کثرت دیکھ رہا تھا، میری نظر ایک نوجوان خوبصورت پر پڑی کہ اس نے کپڑوں کے اوپر ایک بالوں کا کپڑا پہن رکھا تھا، پاؤں میں جوتا بھی تھا اور سب سے علیحدہ بیٹھا تھا، میں نے خیال کیا کہ یہ لڑکا صوفی قسم کے آدمیوں میں سے معلوم ہوتا ہے کہ راستہ میں دوسروں پر بوجھ ہی بنے گا، میں اس کو جا کر فہمائش(۵) کروں، اس خیال سے میں اس کے قریب گیا، جب اس نے مجھے اپنی طرف آتے دیکھا، کہنے لگا: اے شقیق! ﴿ اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ ﴾ [سورۂ حجرات: ۱۲] ”بدگمانی سے بچو، بعض گمان گناہ ہوتے ہیں“۔ اور یہ کہہ کر مجھے چھوڑ کر چل دیا، میں نے سوچا کہ یہ تو بڑی مشکل بات ہوگئی، میرا نام لے کر (حالاں کہ مجھ کو جانتا بھی نہیں) میرے دل کی بات کہہ کر چل دیا، یہ تو کوئی واقعی بزرگ آدمی ہے، میں اس کے پاس جا کر اپنے گمان کی معافی کراؤں، میں جلدی جلدی اس کے پیچھے چلا، مگر وہ میری نظروں سے غائب ہوگیا، پتہ نہ چلا۔ جب ہم ”وَاقِصَہ“ پہونچے تو دفعتہً(۶) اس پر نظر پڑی کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے اور اس کا بدن کانپ رہا ہے اور آنسو بہہ رہے ہیں، میں نے اس کو پہچان لیا اور اس کی طرف بڑھا، تاکہ اپنے اس گمان کی معافی کراؤں، مگر میں نے اس کی نماز سے فراغت کا انتظار کیا اور جب وہ سلام پھیر کر بیٹھا تو میں اس کی طرف بڑھا، جب اس نے مجھ کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا، تو کہنے لگا: اے شقیق! پڑھو: ﴿ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ۝ ﴾ [سورۂ طٰہٰ: ۸۲] اور بلاشبہ میں بڑا بخشنے والا ہوں ایسے لوگوں کا جو توبہ کرلیں، اور ایمان لے آئیں اور پھر سیدھے راستہ پر قائم رہیں۔

یہ آیت پڑھ کر وہ پھر چل دیا، میں نے کہا: یہ شخص تو اَبدال میں سے معلوم ہوتا ہے، دو مرتبہ میرے دل کی بات پر مُتنبّہ(۷) کرچکا، پھر جب ہم ”زَبَالَا“ میں پہونچے تو دفعتہً میری نظر اس جوان پر پڑی کہ وہ ایک کنویں پر کھڑا ہے، ایک بڑا سا پیالہ اس کے ہاتھ میں ہے اور کنویں سے پانی لینے کا ارادہ کر رہا تھا کہ وہ پیالہ کنویں میں گر پڑا، میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا، اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور ایک شعر پڑھا، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ”تو ہی میرا پرورش کرنے والا ہے، جب میں پیاسا ہوں پانی سے اور تُو ہی میری روزی (کا ذریعہ) ہے، جب میں کھانے کا ارادہ کروں“۔ اس کے بعد اس نے کہا: اے میرے

حلِ لغات: (۱) کمی۔ (۲) لگی ہوئی۔ (۳) بناؤ سنگار۔ (۴) بھیڑ۔ (۵) سمجھانا۔ (۶) اچانک۔ (۷) خبردار۔

اللہ! تجھے معلوم ہے، اے میرے معبود! میرے آقا! کہ اس پیالہ کے سوا میرے پاس کچھ نہیں ہے، پس اس پیالہ سے مجھے محروم نہ فرمائیے۔ شقیق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: خدا کی قسم! میں نے دیکھا کہ کنویں کا پانی اوپر کو آ گیا، اس نے ہاتھ بڑھایا اور پیالہ پانی سے بھر کر نکال لیا، اوّل وضو کیا اور چار رکعت نماز پڑھی، اس کے بعد ریت اکٹھا کر کے ایک ایک مُٹھی بھر کر اس پیالہ میں ڈالتا جاتا تھا اور اس کو ہلا کر پی رہا تھا، میں اس کے قریب گیا اور سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔ میں نے کہا: اللہ نے جو نعمت تمہیں عطا کی ہے، اس میں سے کچھ اپنا بچا ہوا مجھے بھی کھلا دیجیے۔ کہنے لگا کہ شقیق! اللہ جلّ شانہٗ کی ظاہری اور باطنی نعمتیں ہم پر برس رہی ہیں، اپنے رب کے ساتھ نیک گمان رکھو، یہ کہہ کر وہ پیالہ مجھے دے دیا، میں نے جو اس کو پیا تو خدا کی قسم اس میں ستّو اور شکر گھلی ہوئی تھی، اس سے زیادہ خوش ذائقہ اور اس سے زیادہ خوشبودار چیز میں نے کبھی نہیں کھائی تھی، میں نے خوب پیٹ بھر کر پیا، جس کی برکت سے کئی دن تک نہ تو مجھے بھوک لگی نہ پیاس لگی، اس کے بعد مکّہ مکرّمہ داخل ہونے تک میں نے اس کو نہیں دیکھا، جب ہمارا قافلہ مکّہ مکرّمہ پہونچ گیا تو میں نے ''قُبَّۃُ الشَّراب'' کے قریب ایک مرتبہ آدھی رات کے قریب نماز پڑھتے دیکھا، بڑے خشوع سے نماز پڑھ رہا تھا اور خوب رو رہا تھا، صبح تک اسی طرح نماز پڑھتا رہا، جب صبح صادق ہوگئی تو وہ اسی جگہ بیٹھا تسبیح پڑھتا رہا، اس کے بعد صبح کی نماز پڑھی اور پھر بیت اللہ کا طواف کیا، پھر وہ باہر جانے لگا تو میں اس کے پیچھے لگ لیا، باہر جا کر دیکھا تو راستہ میں جس حالت پر دیکھا تھا، اس کے بالکل خلاف بڑے حَشَم[1] وخَدَم غلام اس کے موجود ہیں، چاروں طرف سے اس کو گھیر رکھا ہے، سلام کر کے حاضر ہو رہے ہیں، میں نے ایک شخص سے جو میرے قریب تھا دریافت کیا کہ یہ بزرگ کون ہیں؟ اس نے بتایا کہ یہ حضرت موسیٰ بن جعفر رحمۃ اللہ علیہ یعنی حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے ہیں، مجھے تعجب ہوا اور میں نے خیال کیا کہ یہ عجائب واقعی ایسے ہی سید کے ہونا چاہئیں۔ [روض: ۴۷]

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تہذیب میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب[2] بہت ہیں، ان حضرات کا تو پوچھنا ہی کیا ہے، یہ اس خاندان کے چاند سورج اور ستارے ہیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے اس خاندان ہی میں وہ خصوصی جوہر اور اخلاق کا کمال رکھا ہے، جہاں تک ہم جیسوں کی پرواز[3] بھی نہیں ہے، سیدوں کے خاندان کا معمولی سے معمولی آدمی بھی کوئی عجیب عادت اپنے اندر رکھتا ہے: ع

ایں[4] خانہ ہمہ آفتاب است

(۲۱) حضرت ابو سعید خرّاز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد حرام میں گیا تو میں نے ایک فقیر کو دیکھا کہ اس

حل لغات: (۱) نوکر، چاکر۔ (۲) خوبیاں۔ (۳) پہونچ۔ (۴) یہ سارا گھر سورج ہے، یعنی بڑے کمالات والے ہیں۔

پر دو پھٹے ہوئے کپڑے ہیں اور لوگوں سے سوال کر رہا ہے، میں نے اپنے دل میں سوچا کہ ایسے ہی لوگ آدمیوں پر بوجھ ہوتے ہیں، اس نے میری طرف دیکھا اور یہ آیت پڑھی: ﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ﴾ [سورۂ بقرہ: ۲۳۵] ترجمہ: ''اس کا یقین رکھو کہ اللہ جل شانہٗ جانتا ہے، اس چیز کو جو تمہارے دلوں میں ہے، پس اس سے ڈرتے رہا کرو''۔ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں اپنی بدگمانی سے توبہ کی تو اس نے مجھے آواز دی اور یہ آیت پڑھی: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ ﴾ [سورۂ شوریٰ: ۲۵] ترجمہ: اور وہ ایسی پاک ذات ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ [روض: ۷۵]

(۴۲) ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں ایک قافلہ کے ساتھ جا رہا تھا، راستہ میں میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ قافلہ سے آگے آگے جا رہی ہے، میں نے خیال کیا کہ یہ ضعیفہ[۱] اس لیے قافلہ سے آگے چل رہی ہے کہ کہیں قافلہ کا ساتھ نہ چھوٹ جائے، میرے ساتھ چند درم تھے، وہ میں جیب سے نکال کر اس کو دینے لگا اور اس سے میں نے کہا کہ جب قافلہ منزل پر ٹھہرے تو مجھے تلاش کر کے مل لینا، میں قافلہ والوں سے کچھ چندہ جمع کر کے تجھ کو دے دوں گا، اس سے سواری کرایہ کر لینا، اس نے اپنا ہاتھ اوپر کو کیا اور مٹھی میں کوئی چیز لی، تو وہ درم تھے، وہ اس نے مجھے دے دیے اور یہ کہا کہ تو نے جیب سے لیے، ہم نے غیب سے لیے، اس کے بعد میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ خانۂ کعبہ کا پردہ پکڑے ہوئے چند اشعار پڑھ رہی ہے، جن کا ترجمہ یہ ہے: ''اے دلوں کے محبوب! میرے لیے تیرے سوا کوئی نہیں، آج تو رحم کر دے اس پر جو تیری زیارت کو حاضر ہوئی، میرا صبر جاتا رہا اور تیرا اشتیاق[۲] بہت بڑھ گیا اور دل کو اس سے انکار ہے کہ وہ تیرے سوا کسی سے بھی محبت کرے، تو ہی میرا سوال ہے، تو ہی میرا مطلوب ہے، تو ہی میری مراد ہے، کاش مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ تیری ملاقات کب ہو سکے گی، مجھے جنت سے اس کی نعمتیں مقصود نہیں، مجھے جنت اس لیے مطلوب ہے کہ اس میں تیرا دیدار ہوگا۔'' [روض: ۷۵]

(۴۳) ابوعبدالرحمن خفیف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں حج کے ارادہ سے چلتا ہوا بغداد پہونچا اور میرے دماغ میں صوفیانہ گھمنڈ تھا، یعنی عقیدت کی پختگی[۳] مجاہدہ کی شدت اور اللہ کے ماسوٰی[۴] کو پس[۵] پشت ڈال دینا۔ میں نے چالیس دن تک کچھ نہیں کھایا، نہ پیا اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی حاضر نہ ہوا اور میں ہر وقت باوضو رہتا، اسی حالت میں بغداد سے بھی چل دیا، میں نے جنگل میں ایک کنوئیں پر ایک ہرنی کو پانی پیتے دیکھا، مجھے بھی پیاس شدت[۶] کی لگ رہی تھی، جب میں کنویں کے قریب پہونچا تو وہ ہرنی مجھے دیکھ کر چلی گئی اور کنویں کا پانی جومَن[۷] تک آ رہا تھا اور ہرنی اس سے پی رہی

حل لغات: (۱) بوڑھی، کمزور۔ (۲) ملاقات کا شوق۔ (۳) پکا ہونا۔ (۴) علاوہ۔ (۵) پیچھے۔ (۶) تیز۔ (۷) کنویں کا کنارہ۔

واقعات

تھی، وہ بھی کنویں کے اندر نیچے اُتر گیا، میں آگے چل دیا اور میں نے عرض کیا: اے میرے سردار! میری قدر تیرے یہاں اس ہرنی کے برابر بھی نہیں، تو میں نے اپنے پیچھے سے ایک آواز سُنی، وہ یہ تھی کہ ہم نے تیرا امتحان کیا تھا تُو نے صبر نہ کیا (شکوہ[1] شروع کر دیا)، جا! کنویں پر لوٹ جا، پانی پی لے، ہرنی بغیر پیالہ اور رسّی کے آئی تھی، تیرے پاس پیالہ بھی تھا، رسّی بھی تھی، میں جب کنویں پر لوٹا تو وہ لبریز[2] تھا، میں نے اپنا پیالہ بھر لیا، اسی میں سے میں پانی بھی پیتا رہا اور وضو بھی کرتا رہا، مگر وہ پانی ختم نہ ہوا، یہاں تک کہ میں مدینہ طیبہ پہونچ گیا، اس کے بعد حج سے فارغ ہو کر جب میں بغداد پہونچا اور جامع بغداد میں گیا، تو حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی نظر مجھ پر پڑی، فرمانے لگے کہ اگر تُو صبر کرتا تو پانی تیرے قدموں کے نیچے سے اُبلنے لگتا۔ [روض: ۶۷]

(۴۴) ایک بزرگ فرماتے ہیں وہ جنگل میں جا رہے تھے، ان کو ایک فقیر ملے، جو ننگے پاؤں، ننگے سر جا رہے تھے، دو پُرانے کپڑے ان کے پاس تھے، ایک کی لنگی باندھ رکھی تھی اور ایک چادر کی جگہ اُوڑھ رکھا تھا، نہ ان کے ساتھ کوئی کھانے کی چیز، نہ پیالہ، میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر ان کے پاس پانی کا برتن اور رسّی ہی ہوتی تو اچھا تھا، جب پانی کی ضرورت ہوتی تو پانی کھینچ کر وضو وغیرہ کر لیتے، میں ان کے ساتھ ہی لگ لیا، گرمی بڑی سخت پڑ رہی تھی، میں نے اس فقیر سے کہا کہ جوان! اگر یہ چادر جو کاندھے پر اوڑھ رہے ہو، سر پر ڈال لو تو اچھا ہے، دھوپ سے بچاؤ ہو جائے گا، اس نے کچھ جواب نہ دیا، خاموش چلتا رہا، تھوڑی دیر کے بعد میں نے ان سے کہا کہ تم ننگے پاؤں چل رہے ہو، اگر رائے ہو تو میرا جُوتہ پہن لو، تھوڑی دیر میں ننگے پاؤں چل لوں، تھوڑی دیر تم ننگے پاؤں چل لو، وہ کہنے لگے: تم تو بڑے فضول[3] گو آدمی ہو، تم نے حدیث نہیں پڑھی؟ میں نے کہا: پڑھی ہے، کہنے لگے: تم نے اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نہیں پڑھا: مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَا لَا يَعْنِيْهِ ترجمہ: ''آدمی کے اسلام کی خوبی میں سے بے کار بات کا چھوڑنا ہے''۔ یہ کہہ کر وہ چُپ ہو گیا اور ہم چلتے رہے، اتنے میں مجھے پیاس لگی اور ہم سمندر کے کنارہ پر چل رہے تھے، وہ میری طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کہ تمہیں پیاس لگ رہی ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ اس کے بعد ہم آگے چلتے رہے، مگر مجھے پیاس کی اتنی شدت ہوئی کہ دم گھٹنے لگا، وہ پھر میری طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا: کیا پیاس لگ رہی ہے؟ میں نے کہا: ہاں! پیاس تو لگ رہی ہے، مگر تم ہی اس وقت کیا کر سکتے ہو؟ اس نے میرے ہاتھ سے پیالہ لیا اور سمندر میں گھس گیا اور پانی بھر کر مجھے لا کر دیا کہ لو پی لو، میں نے جو اس کو پیا تو دریائے نیل کے پانی سے زیادہ میٹھا اور زیادہ صاف تھا اور اس میں کچھ گھاس سا بھی تھا، میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ تو

حل لغات: (۱) شکایت۔ (۲) بھرا ہوا۔ (۳) بے کار بات کرنے والے۔

کوئی بڑا ولی اللہ ہے، اب تو میں کچھ نہیں کہتا، جب منزل پر پہونچوں گا تو ان سے درخواست کروں گا کہ مجھے بھی اپنے ساتھ رکھیں، وہ وہیں کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ تمہیں کون سی صورت پسند ہے یا تو تم آگے آگے چلو یا میں آگے چلوں؟ میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ اگر یہ آگے چل دیا تو ایسا نہ ہو کہ میں ساتھ نہ لگ سکوں اور یہ مجھ سے فوت[1] ہو جائے، اس لیے میں آگے بڑھ جاؤں اور چلتے چلتے کسی جگہ بیٹھ جاؤں گا، جب یہ وہاں پہونچے گا، تو میں اس سے درخواست کروں گا کہ مجھے اپنا رفیقِ سفر[2] بنالے، مجھے یہ خیال آیا ہی تھا، وہ کہنے لگا کہ ابوبکر! یا تو تم آگے بڑھ جاؤ، میں یہاں بیٹھ جاتا ہوں یا تم بیٹھ جاؤ، میں جاتا ہوں، میرا تمہارا ساتھ نہیں ہو سکتا۔ یہ کہہ کر وہ جا، وہ جا، میں ایک منزل پر پہونچا، وہاں میرا ایک دوست تھا، ان لوگوں کے یہاں ایک شخص بیمار پڑا تھا، میں نے اپنا پیالہ ان کو دیا کہ اس میں سے ذرا سا پانی اس بیمار پر چھڑک دو، انہوں نے چھڑکا، وہ اللہ کے فضل سے اسی وقت اچھا ہو گیا، اس کے بعد میں نے ان لوگوں سے اس فقیر کے متعلق دریافت کیا، کسی کو بھی اس کا حال معلوم نہ تھا، سب نے کہہ دیا کہ ہم نے تو اُس کو نہیں دیکھا۔ [روض: ۸۷]

(۲۶) شیخ فتح مَوصلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے جنگل میں ایک نابالغ لڑکا دیکھا کہ وہ پیدل چل رہا ہے اور اس کے ہونٹ حرکت کر رہے ہیں، میں نے اس کو سلام کیا، اس نے سلام کا جواب دیا، میں نے کہا: صاحبزادہ کہاں جا رہے ہو؟ کہنے لگا کہ بیت اللہ شریف جا رہا ہوں، میں نے پوچھا کہ تمہارے ہونٹ حرکت کر رہے تھے، کہنے لگا کہ قرآن شریف پڑھ رہا تھا۔ میں نے کہا: ابھی تو تم مکلّف[3] بھی نہیں بنے؟ کہنے لگا کہ میں دیکھتا ہوں کہ موت مجھ سے کم عمر والوں کو بھی پکڑ لیتی ہے۔ میں نے کہا: تمہارے قدم چھوٹے ہیں اور راستہ بہت دور ہے۔ کہنے لگا: میرا کام قدم اُٹھانا ہے اور اللہ جلّ شانہٗ کا کام مقصود پر پہونچانا ہے۔ میں نے کہا: کوئی توشہ[4] کوئی سواری؟ کہنے لگا کہ میرا توشہ یقین ہے اور میری سواری پاؤں ہیں۔ میں نے کہا: میں تو روٹی اور پانی پوچھتا ہوں، کہنے لگا: چچا جان! اگر کوئی آدمی تمہیں بُلائے تو تمہیں یہ زیبا[5] ہے کہ اس کے گھر کھانے کے واسطے اپنا کھانا لے جاؤ؟ میں نے کہا: نہیں۔ کہنے لگا کہ میرے آقا نے اپنے بندوں کو اپنے گھر بُلایا ہے اور زیارت کی اجازت دی ہے، ان لوگوں کے ضُعفِ یقین[6] نے ان کو مجبور کر رکھا ہے کہ اپنے توشے ساتھ لیے جا رہے ہیں، مجھے تو یہ بات بہت ناپسند ہوئی اور میں نے اس کے احترام کا لحاظ کیا، ایسی حالت میں تمہارا خیال ہے کہ وہ مجھے ضائع کر دے گا؟ میں نے کہا: ہرگز نہیں، حاشا وکلّا، اس کے بعد وہ بچہ مجھ سے غائب ہو گیا، میں نے پھر اس کو مکّہ مکرّمہ میں دیکھا، جب اس

حل لغات: (۱) چھوٹ جانا۔ (۲) سفر کا ساتھی۔ (۳) جن لوگوں پر شریعت کے احکام لاگو ہو۔ (۴) راستے کا کھانا۔ (۵) مناسب۔ (۶) یقین کی کمزوری۔

واقعات

کی نگاہ مجھ پر پڑی تو کہنے لگا: یا شیخ! تم اب تک بھی اپنے اسی ضُعفِ یقین پر ہو، اس کے بعد اس بچے نے چند شعر پڑھے، جن کا یہ ترجمہ ہے: ''سارے جہانوں کا مالک میری روزی کا ذمہ دار ہے، پھر میں کیوں مخلوق کو اپنی روزی کی تکلیف دوں، میرے مالک نے جو کچھ میرا نفع اور نقصان ہے، میرے پیدا ہونے سے پہلے میرے مقدر میں لکھ دیا ہے، وہ میری فراخی[1] کی حالت میں بڑی بخشش والا، عطا کرنے والا ہے اور میری تنگدستی میں میری نیک نیتی میری ساتھی ہے، جیسا کہ میرا عاجز اور بیوقوف ہونا میری روزی کو نہیں ہٹا سکتا، ایسے ہی میری ذہانت میری روزی کو نہیں کھینچ سکتی۔ [روض:۷۷]

(۲۶) ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں حجاز کے جنگل میں کئی دن تک اس حالت میں رہا کہ کچھ نہ کھایا، ایک دن میرا دل روٹی اور گرم گرم باقلّا (عرب کا مشہور سالن، لوبیے کی قسم کا ہوتا ہے) کو چاہا، میں نے سوچا کہ میں جنگل بیابان میں ہوں اور یہاں سے عراق تک کی مسافت بہت دور ہے، یہاں گرم گرم باقلّا کہاں؟ میں اسی سوچ میں تھا کہ ایک بدّو آواز لگاتا ملا، لے لو روٹی، گرم باقلّا، میں اس کی طرف بڑھا، میں نے پوچھا گرم ہے؟ کہنے لگا: ہاں ہے اور اپنی لنگی بچھائی، اس پر روٹی اور گرم گرم باقلّا رکھا اور کہا کہ لو کھاؤ، میں نے کھایا، کہنے لگا: اور کھاؤ، میں نے اور کھایا، پھر تیسری مرتبہ اس نے تقاضا کیا، میں نے اور بھی کھالیا، پھر چوتھی مرتبہ اس نے جب تقاضا کیا تو میں نے اس سے پوچھا کہ اس ذات کے حق کی قسم! جس نے تجھے میرے لیے اس جنگل بیابان میں بھیجا، تُو مجھے یہ بتا کہ تُو کون ہے؟ کہنے لگے کہ میں خضر ہوں، یہ کہہ کر وہ غائب ہوگئے۔ [روض:۷۹]

(۲۷) حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے مکّہ مکرّمہ کے راستہ میں ایک اپاہج ملا، جو گھسٹ کر چل رہا تھا، میں نے پوچھا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ کہنے لگا: سمرقند سے۔ میں نے پوچھا: وہاں سے چلے ہوئے کتنا عرصہ گذرا؟ کہنے لگا کہ دس برس سے زیادہ ہوگئے۔ میں بڑے تعجب اور حیرت سے اس کو دیکھنے لگا۔ وہ کہنے لگا: شقیق! کیا دیکھ رہے ہو؟ میں نے کہا: تمہارے ضُعف[2] اور سفر کی درازی سے تعجب میں پڑ گیا۔ کہنے لگا کہ شقیق! سفر کی دوری کو میرا شوق قریب کردے گا اور میرے ضُعف کا مُتحمّل[3] میرا مولیٰ ہے۔ اے شقیق! تم ایک ضعیف بندے سے تعجب کر رہے ہو، جس کو اس کا مالک اُٹھائے لیے جا رہا ہے، پھر اس نے دو شعر پڑھے، جن کا ترجمہ یہ ہے: ''میرے آقا! میں آپ کی زیارت کو جا رہا ہوں اور عشق کی منزل کٹھن ہے، لیکن شوق اس شخص کی مدد کیا کرتا ہے، جس کی مال مدد نہیں کرتا، جس کو راستہ کی ہلاکت کا خوف ہوجائے، وہ عاشق نہیں ہے، ہرگز نہیں ہے اور نہ وہ عاشق ہے جس کو راستوں کی سختی ارادے سے روک دے۔ [روض:۸۰]

حل لغات: (۱) کشادگی، مالداری۔ (۲) کمزوری۔ (۳) برداشت کرنے والا۔

راہ یا بم یا نیا بم آرزوئے می کنم ⁽¹⁾ حاصل آید یا نہ آید جستجوئے می کنم

(۲۸) شیخ نجم الدین اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ مکہ مکرمہ میں ایک بزرگ کے جنازے میں شریک ہوئے، جب لوگ ان کو دفن کر چکے تو تلقین کرنے والے نے قبر کے پاس بیٹھ کر تلقین کی۔ شیخ نجم الدین ہنسنے لگے اور ان کی عادت ہنسنے کی بالکل نہیں تھی۔ بعض خُدّام ⁽²⁾ نے ہنسی کی وجہ پوچھی، تو شیخ نے جھڑک دیا، کئی دن بعد فرمایا کہ میں اس لیے ہنسا تھا کہ جب تلقین کرنے والا قبر پر تلقین کے لیے بیٹھا تو میں نے ان بزرگ کو جو دفن کیے گئے تھے، یہ کہتے ہوئے سنا، دیکھو جی! حیرت کی بات ہے کہ ایک مردہ زندہ کو تلقین کر رہا ہے۔
[روض:۸۱]

عرب میں بعض ائمہ کے مذہب کے موافق یہ دستور ہے کہ جب میت کو دفن کر دیتے ہیں تو ایک شخص اس کی قبر کے پاس بیٹھ کر کلمۂ طیبہ وغیرہ پڑھتا ہے اور منکر نکیر کے سوال جواب دہراتا ہے، اس کو تلقین کہتے ہیں۔ ان بزرگ کا یہ ارشاد کہ مردہ زندہ کو تلقین کر رہا ہے، ظاہر ہے کہ مرنے والا اللہ کے عشق کی وجہ سے زندہ ہے اور جو تلقین کر رہا تھا، وہ اس دولت سے خالی ہوگا۔

(۲۹) شیخ مُزنی فرماتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں مقیم تھا، مجھ پر ایک گھبراہٹ بہت شدت سے سوار ہوئی اور میں مدینہ پاک کی حاضری کے ارادہ سے مکہ مکرمہ سے چل دیا، جب ''بیر ⁽³⁾ میمُونہ'' پر پہونچا تو ایک نوجوان کو پڑا ہوا پایا کہ اس کی نزع ⁽⁴⁾ کی حالت ہے، میں نے اس کے قریب پہونچ کر کہا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھو، اس نے فوراً آنکھیں کھول دیں اور ایک شعر پڑھا، جس کا ترجمہ یہ ہے: ''اگر میں مرجاؤں تو میرا دل عشقِ مولیٰ سے بھرا ہوا ہے اور کریم لوگ عشق ہی کی بیماری میں مرا کرتے ہیں''۔ یہ کہہ کر وہ مر گیا، میں نے اس کو غسل دیا، کفنایا، جنازہ کی نماز پڑھی اور جب اس کو دفنا چکا تو وہ گھبراہٹ جو مجھ پر سوار تھی، جس کی وجہ سے میں نے سفر کا بے اختیار ارادہ کیا تھا، وہ بھی جاتی رہی، میں اس کو دفنا کر مکہ مکرمہ واپس آ گیا۔ [روض:۸۳]

(۳۰) ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں تھا، ہمارے قریب ایک نوجوان رہا کرتا تھا، اس کے پاس پُرانی چادریں تھیں، وہ نہ ہمارے پاس آتا جاتا، نہ کبھی پاس بیٹھتا، میرے دل میں اس کی محبت گھر کر گئی، میرے پاس ایک جگہ سے بہت حلال ذریعہ سے دو سو درم آئے، میں وہ لے کر اس جوان کے پاس گیا اور میں نے اس کے مُصلّٰی پر اُن کو رکھ کر کہا کہ بالکل حلال ذریعہ سے مجھے ملے ہیں، ان کو تم اپنی ضروریات میں خرچ کر لینا، اس جوان نے مجھے ترچھی اور تیز ترش ⁽⁵⁾ نگاہ سے دیکھا اور یہ کہا کہ اللہ پاک

حل لغات: (۱) مجھے منزل ملے نہ ملے، میں امید کرتا رہوں گا۔ منزل حاصل ہو یا نہ ہو، تلاش کرتا رہوں گا۔ (۲) خادموں۔ (۳) کنواں۔ (۴) مرنے کے قریب۔ (۵) ناراضگی۔

واقعات

کے ساتھ یہ ہم نشینی (پاس بیٹھنا) میں نے ستّر ہزار اَشرفیاں نقد جو میرے پاس تھیں، علاوہ جائداد کے اور کرایہ کے مکانات کے، ان سب سے اپنے کو فارغ کرکے خریدا ہے، تو ان دراہم کے ساتھ مجھے دھوکہ میں ڈالنا چاہتا ہے، یہ کہہ کر اپنا مصلّٰی جھاڑ کر کھڑا ہو گیا، جس استغناء[1] سے وہ اُٹھ کر جا رہا تھا اور میں بیٹھا ان دراہم کو چن رہا تھا، اس وقت کی اس کی سی عزت اور اپنی سی ذلت میں نے عمر بھر کسی کی نہیں دیکھی۔ [روض: ۸۲] یعنی اس وقت اس کی عزت جتنی میری نگاہ میں تھی اتنی عزت کبھی کسی کی نہیں ہوئی اور جتنی اس وقت درم چنتے ہوئے مجھے اپنی ذلت محسوس ہو رہی تھی، اتنی ذلت کبھی اپنی یا کسی اور کی مجھے محسوس نہیں ہوئی۔

(۳۱) ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ میں حاضر تھا، روضۂ مقدسہ پر میں حاضر ہوا تو میں نے ایک عجمی شخص کو دیکھا جو روضہ پر الوداعی[2] سلام کر رہا تھا، جب وہ جانے لگا تو میں بھی اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا، جب وہ ذُوالحلیفہ پہونچا تو نماز پڑھی اور احرام باندھا، میں نے بھی نماز پڑھی اور احرام باندھ لیا اور جب وہ چلنے لگا تو اس کے پیچھے ہو لیا، وہ میری طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا: تمہارا کیا مقصد ہے؟ میں نے کہا: تمہارے ساتھ جانا چاہتا ہوں، اس نے انکار کر دیا، میں نے خوشامد اور عاجزی کی۔ اس نے کہا: اگر یہی کرنا ہے تو میرے قدم پر قدم رکھتے چلے آؤ۔ میں نے کہا: اچھا وہ غیر معروف[3] راستہ پر چل دیا اور میں قدم بقدم اس کے پیچھے ہو لیا، تھوڑی ہی رات گزری تھی کہ چراغ نظر آئے۔ مجھے کہنے لگا کہ یہ "مسجدِ عائشہ" ہے (جو مکّہ مکرّمہ سے تین میل تنعیم پر ہے) یا تو تم آگے بڑھ جاؤ یا میں آگے بڑھ جاؤں، میں نے کہا: جیسے تمہاری رائے ہو۔ وہ تو آگے بڑھ گئے اور میں وہاں سو گیا، جب سحری کا وقت ہوا، میں مکّہ مکرّمہ پہونچا اور طواف اور سعی کے بعد شیخ ابو بکر کتّانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اُن کی خدمت میں بہت سے مشائخ[4] تشریف رکھتے تھے، وہ فرمانے لگے: کب آئے؟ میں نے عرض کیا: ابھی حاضر ہوا، فرمایا: کدھر سے آرہے ہو؟ میں نے عرض کیا: مدینہ طیبہ سے۔ کہنے لگے: مدینہ سے کب چلے تھے؟ میں نے عرض کیا: گذشتہ رات وہیں تھا، وہ مشائخ جو حاضرِ مجلس تھے، ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ شیخ کتانی نے کہا کہ کس کے ساتھ آئے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ ایک بزرگ کے ساتھ آیا ہوں، جن کے یہ حالات اور یہ قصہ گزرا۔ شیخ کتانی نے کہا کہ یہ شیخ ابوجعفر دامغانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور تم نے جو حالات سنائے وہ ان کے احوال میں سے بہت معمولی چیز ہیں۔

اس کے بعد شیخ کتانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: چلو! شیخ دامغانی رحمۃ اللہ علیہ کی تلاش کریں، کہاں ہیں؟ اور مجھ سے فرمایا کہ تمہارا یہ حال نہیں تھا کہ ایک شب میں یہاں پہونچ جاؤ (اس

حل لغات: (۱) بے پرواہی۔ (۲) رخصتی۔ (۳) انجان۔ (۴) بزرگانِ دین۔

لیے میں نے تفصیل پوچھی)، پھر دریافت فرمایا کہ چلتے ہوئے زمین کیسی معلوم ہورہی تھی؟ میں نے عرض کیا: جیسے دریا کی موج کشتی کے نیچے معلوم ہوتی ہے۔ [روض: ۸۳]

(۴۲) حضرت سفیان بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں مَولِدُالنبی (۱) کے پاس ابراہیم بن اَدہم رحمۃ اللہ علیہ کو بہت روتے ہوئے دیکھا، وہ مجھے دیکھ کر راستہ سے پَرے کو ہٹ گئے، میں نے ان کو سلام کیا اور وہاں نماز پڑھی، پھر ان سے پوچھا کہ کیا بات ہوئی، کیوں رورہے ہو؟ وہ کہنے لگے: خیریت ہے، کچھ نہیں۔ میں نے دوبارہ، سہ بارہ یہی سوال کیا، وہ یہی جواب دیتے رہے۔ میں نے بار بار سوال کیا، تو وہ کہنے لگے کہ اگر میں وجہ بتادوں تو تم اس کو پوشیدہ (۲) رکھو گے یا لوگوں پر ظاہر کردو گے؟ میں نے کہا: تم شوق سے کہو (یعنی میں مخفی رکھوں گا)۔ کہنے لگے کہ تیس برس سے میرا دل سکباج (ایک قسم کا کھانا، جس میں سرکہ اور گوشت اور میوہ جات پڑتے ہیں) کھانے کو چاہتا تھا اور میں مجاہدہ کے طور پر اس کو روکتا تھا، رات مجھ پر نیند کا بہت غلبہ ہوا، میں نے خواب میں ایک جوان کو دیکھا کہ وہ نہایت حسین شخص ہے اور اس کے ہاتھ میں ایک سبز پیالہ ہے، جس سے بھاپ اُٹھ رہی ہے اور سکباج کی خوشبو اس میں سے آرہی ہے، میں نے اپنے دل کو سنبھالا، اس نے میرے پاس آکر کہا، ابراہیم! لو، اس کو کھالو۔ میں نے کہا: جس چیز کو اللہ کے واسطے چھوڑ دیا، اس کو اب نہیں کھانا ہے، وہ کہنے لگا: اگرچہ اللہ جَلّ شانُہٗ خود کھلائیں، مجھ سے رونے کے سوا اس کا کوئی جواب بن نہ پڑا۔ وہ کہنے لگا: اللہ تجھ پر رحم کرے، اس کو کھالے، میں نے کہا: ہمیں یہ حکم ہے کہ جب تک ہمیں پورا حال کسی چیز کا معلوم نہ ہوجائے (کیا چیز ہے، کہاں سے آئی ہے) اس وقت تک اپنے برتن میں نہ ڈالیں۔ وہ کہنے لگے: اللہ تمہاری حفاظت کرے، اس کو کھالو، یہ مجھے (جنت کے ناظم (۳)) رضوان نے دی ہے اور یہ کہا ہے کہ اے خضر! یہ ابراہیم کو کھلادو، اس نے بہت صبر کرلیا اور خواہشات کو بہت روک لیا، پھر انہوں نے کہا کہ ابراہیم! اللہ جَلّ شانُہٗ کھلاتے ہیں اور تم انکار کرتے ہو؟ میں نے فرشتوں سے سنا ہے کہ جو شخص بے طلب ملنے پر انکار کرتا ہے، اس کو طلب پر بھی نہیں ملتا، میں نے کہا: اگر یہ بات ہے تو میں آپ کے سامنے حاضر ہوں، میں نے تو اپنے عہد کو اب تک نہیں توڑا، اتنے میں ایک جوان اور آیا اور اس نے حضرت خضر کو کچھ دے کر یہ کہا کہ اس کا لقمہ بنا کر ابراہیم کے منہ میں دے دو، وہ مجھے اپنے ہاتھ سے کھلاتے رہے اور جب میری آنکھ کھلی تو اس کی شیرینی (۴) میرے منہ میں تھی اور زعفران کا رنگ میرے ہونٹوں پر تھا، میں زمزم کے کنویں پر گیا اور منہ کو دھویا، مگر نہ منہ میں سے مزہ جاتا ہے، نہ ہونٹوں پر سے رنگ جاتا ہے، میں نے بھی دیکھا تو واقعی اس کا اثر موجود تھا، میں نے اللہ جَلّ شانُہٗ سے یہ دعا کی: اے وہ پاک

حل لغات: (۱) پیدائش کی جگہ۔ (۲) چھپانا۔ (۳) ذمہ دار۔ (۴) مٹھاس۔

ذات! جو ایسے لوگوں کو کھلاتی ہے، جو اپنی خواہشات کو روکتے ہوں، جب کہ وہ اپنی روک کو صحیح کرلیں۔ اے وہ پاک ذات! جس نے اپنے اولیاء کے دلوں کے لیے صحیح رہنا لازم کردیا۔ اے وہ پاک ذات! جس نے ان کے دلوں کو اپنی محبت کی شراب سے سیراب[1] کیا، تو اپنے لطف[2] سے سفیان کو بھی یہ چیزیں عطا فرما، پھر میں نے ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کا ہاتھ پکڑ کر اس کو آسمان کی طرف اُٹھایا اور عرض کیا کہ اے اللہ! اس ہاتھ کی برکت سے اور اس ہاتھ والے کی برکت سے اور اس کے اس مرتبہ کے طفیل[3] جو اس کا تیرے نزدیک ہے اور تیرے اس جُودو[4] عطا کے طفیل جو اس نے تجھ سے پایا تو اپنے اس بندے سفیان پر بھی بخشش فرما، جو تیری عطا کا انتہائی محتاج ہے اور تیرے احسان کا نہایت ضرورت مند ہے، یَااَرْحَمَ الرَّاحِمِیْن محض اپنی رحمت سے اگرچہ اے رَبُّ الْعَالَمِیْن یہ سفیان اس کا مستحق بالکل نہیں ہے۔ [روض:۸۴]

(۴۳) حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ ہی کا یہ قصہ ہے کہ جب یہ حج کو تشریف لے گئے تو یہ طواف کر رہے تھے کہ ان کی نگاہ ایک حسین نوجوان پر پڑی، جس کے حسن و جمال سے لوگ تعجب کر رہے تھے۔ حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بہت غور سے دیکھا اور رونے لگے ان کے بعض ساتھی (بدگمانی سے) کہنے لگے: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن. شیخ پر تو غفلت طاری ہوگئی (کہ ایک حسین لڑکے کو دیکھ کر گھورنے لگے) پھر اس مُعترِض[5] نے شیخ سے عرض کیا: اے میرے سردار! یہ دیکھنا کیسا، جس کے ساتھ رونا بھی ہے؟ (جس سے خیال ہوتا ہے کہ اس لڑکے کے عشق نے پکڑلیا) شیخ نے فرمایا کہ میں نے اللہ سے ایک عہد کیا ہے، جس کے توڑنے پر قدرت نہیں، ورنہ اس لڑکے کو اپنے پاس بلاتا اور اس سے ملتا، اس لیے کہ یہ میرا بیٹا ہے اور میری آنکھ کی ٹھنڈک ہے، میں اس کو بچپن میں بہت کم عمر کا چھوڑ کر گھر سے نکل گیا تھا، اب یہ جوان ہوگیا تم دیکھ ہی رہے ہو، مگر مجھے اللہ سے شرم آتی ہے کہ جس چیز کو اس کے لیے چھوڑ آیا تھا اب پھر ادھر لوٹوں۔

اس کے بعد حضرت شیخ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے تین شعر پڑھے، جن کا ترجمہ یہ ہے کہ "جب سے میں نے اس پاک ذات کو پہچانا ہے، اس وقت سے اب تک جدھر بھی میں نے نظر کی اپنے محبوب کو اُدھر ہی پایا، مجھے اپنی نگاہ پر یہ غیرت[6] ہے کہ میں اس کے سوا کسی کو نہ دیکھوں۔ اے میرے ذخیرہ کی انتہا! اے میرے سوال کی غایت[7]! اے میرے اثاثہ[8] کی پوری پونجی! کاش تیری محبت حشر تک میرے دل میں رہے"۔ پھر شیخ نے مجھ سے فرمایا کہ تم اس لڑکے کے پاس جاؤ اور اس کو سلام کرو، شاید اسی سے مجھے تسلّی

حل لغات: (۱) بھر دینا۔ (۲) مہربانی۔ (۳) وسیلہ۔ (۴) سخاوت۔ (۵) اعتراض کرنے والا۔ (۶) شرم۔ (۷) انتہا۔ (۸) سامان۔

ہو، میں اس لڑکے کے پاس گیا اور میں نے اس سے کہا: حق تعالیٰ شانہٗ تمہارے والد کو برکت عطا فرمائے۔ وہ کہنے لگا: چچا جان! میرے والد کہاں؟ وہ تو میرے بچپن ہی میں اللہ کے راستہ میں لگ گئے تھے، کاش میں ایک مرتبہ ان کی زیارت کرلوں اور پھر اسی وقت میری جان نکل جائے، ہائے افسوس! یہ کہہ کر وہ رونے لگا اور رونے کی کثرت سے اس کا دم گھٹنے لگا۔ پھر اس نے کہا کہ "واللہ میری یہ تمنا ہے کہ میں ایک مرتبہ ان کی زیارت کرلوں، پھر اسی وقت مرجاؤں"، اس کے بعد چند شعر ذوق وشوق کے پڑھے، میں حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لوٹ کر آیا، تو وہ سجدے میں پڑے ہوئے تھے اور آنسوؤں سے سجدہ کی جگہ تر[1] تھی اور اللہ کے سامنے عاجزی اور زاری کر رہے تھے، اس کے بعد حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے دو شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے "میں نے ساری دنیا کو تیرے عشق میں چھوڑا اور اپنے عیال[2] کو یتیم بنایا، تاکہ تجھے دیکھ لوں، اگر تو عشق میں میری حاجت روائی[3] نہ کرے گا تو یہ دل تیرے سوا کسی جگہ بھی سکون نہ پائے گا"۔ میں نے حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: آپ اس لڑکے کے لیے دعا کریں۔ حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: حق تعالیٰ شانہٗ اس کو گناہوں سے محفوظ فرمائے اور اپنی مرضیات[4] پر عمل میں اس کی اعانت[5] فرمائے۔ [روض: ۸۵]

(۳۴) ابوبکر دقّاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے بیس[20] برس مکہ مکرمہ میں قیام کیا، میرا جی دودھ کو چاہتا ہی رہا (مگر عمداً[6] نہیں پیا، یا میسّر[7] نہ ہوا) جب مجھے خواہش بہت بڑھی تو میں عَسقَلان گیا اور وہاں عرب کے ایک قبیلہ کا مہمان بنا، وہاں میری نگاہ ایک حسین لڑکی پر پڑ گئی، اس قدر حسین تھی کہ اس نے میرے دل کو پکڑ لیا، وہ لڑکی مجھ سے کہنے لگی کہ اگر تو سچا ہوتا تو دودھ کی خواہش تیرے دل سے نکل جاتی، میں یہ سُن کر مکہ مکرمہ لوٹ آیا اور بیت اللہ کا طواف کیا۔ میں نے خواب میں حضرت یوسف علیہ السلام کی زیارت کی، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! اللہ جَلّ شانہٗ آپ کی آنکھ کو ٹھنڈا رکھے، آپ زلیخا سے خوب بچے، حضرت یوسف علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: بلکہ اے مبارک! اللہ جَلّ شانہٗ تیری آنکھ کو ٹھنڈا رکھے، عسقلان کی لڑکی سے بچ گئے، پھر حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ﴾ [سورۂ رحمٰن: ۴۶] "اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا ہے اس کے لیے دو جنتیں ہیں"۔

ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ آدمی نفس کے پھندے سے نفس کے ذریعے سے نہیں نکل سکتا، البتہ نفس کے پھندے سے اللہ تعالیٰ کے ذریعہ سے نکل سکتا ہے۔ ان بزرگ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اللہ کے

حل لغات: (۱) بھیگا ہوا۔ (۲) خاندان۔ (۳) ضرورت پوری کرنا۔ (۴) رضامندی۔ (۵) مدد۔ (۶) جان بوجھ کر۔ (۷) حاصل۔

ساتھ راحت پکڑو، اللہ تعالیٰ سے راحت نہ پکڑو، جس شخص نے اللہ جَلَّ شانُہٗ کے ساتھ راحت پکڑی، اس نے نجات پائی اور جس نے اللہ سے علیٰحدہ ہو کر راحت پکڑی، وہ ہلاک ہو گیا، اللہ کے ساتھ راحت پکڑنا دل کا اس کے ذکر کے ساتھ مُعَطّر ہونا اور بس جانا ہے اور اللہ سے راحت پکڑنا دل کا غافل رہنا ہے۔ [روض:۸۶]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب آدمی کی نظر کسی عورت کے حُسن پر پڑ جائے اور وہ فوراً اپنی نظر کو اس سے ہٹالے، تو حق تعالیٰ شانُہٗ اس کو کسی ایسی عبادت کی توفیق عطا فرماتے ہیں، جس کی لذت اس کو محسوس ہوتی ہے۔ [مشکٰوۃ]

(۳۵) حضرت شیخ ابوتُراب بخشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی ایسے شخص کو جو اللہ جَلَّ شانُہٗ کے ساتھ مشغول ہو رہا ہے، کسی دوسرے شُغُل^(۱) میں لگادے، اسی وقت حق تعالیٰ شانُہٗ کا غصہ فوراً اس کی پکڑ کرتا ہے، حق تعالیٰ شانُہٗ ہمیں اپنے غصہ اور عذاب سے پناہ دے۔ [روض:۸۶]

یہ بہت اہم چیز ہے، بہت سے لوگ اللہ جَلَّ شانُہٗ کے ساتھ کی مشغولی کی ناقدری کرتے ہوئے، ایسے حضرات کو جو ذکر و شغل میں مشغول ہوتے ہیں، آوازیں دینے لگتے ہیں، اس کا بہت لحاظ رکھنا چاہیے، بالخصوص اہلُ اللہ کے اوقات کی خصوصی رعایت رکھنا چاہیے۔

(۳۶) ایک بزرگ کا قصہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے تنہا حج کیا، عزیز و اَقارب^(۲) کوئی ساتھ نہ تھا اور یہ عہد کیا کہ کسی سے سوال نہ کروں گا، چلتے چلتے راستہ میں ایک وقت ایسا آیا کہ ایک زمانہ تک کہیں سے کچھ نہ ملا، حتی کہ ضعف^(۳) کی وجہ سے چلنے سے عاجز ہو گئے اور دل میں یہ خیال آیا کہ اب اِضطرار^(۴) کا درجہ پہونچ گیا اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کی اللہ جَلَّ شانُہٗ نے ممانعت^(۵) فرمائی ہے، اس لیے اب مجھے سوال کر لینا چاہیے، لیکن پھر دل میں ایک کھٹک پیدا ہوئی اور آخر یہ طے کر لیا کہ اللہ تعالیٰ سے جو عہد کر لیا، وہ نہیں توڑوں گا، چاہے مر جاؤں، چونکہ ضعف کی وجہ سے چلنے سے عاجز ہو گئے تھے، اس لیے رہ گئے اور سارا قافلہ روانہ ہو گیا اور یہ موت کے انتظار میں قبلہ رو ہو کر ایک جگہ لیٹ گئے، اتنے میں ایک سوار ان کے قریب آیا، اس کے پاس ایک برتن میں پانی تھا، وہ اس نے ان کو پلایا اور جو حاجت تھی، وہ سب پوری کی اور پھر پوچھا کہ تم قافلہ کے ساتھ ملنا چاہتے ہو؟ ان بزرگ نے فرمایا کہ قافلہ اب کہاں؟ نہ معلوم کتنی دور نکل چکا، اس سوار نے کہا کہ کھڑے ہو اور میرے ساتھ چلو، یہ چند ہی قدم اس کے ساتھ چلے تھے، اس نے کہا کہ تم یہاں ٹھہر جاؤ، قافلہ تم سے آملے گا، یہ وہاں ٹھہر گئے تو قافلہ پیچھے سے آتا ہوا ان کو ملا۔ [روض:۸۷]

حلِ لغات: (۱) کام۔ (۲) رشتہ دار۔ (۳) کمزوری۔ (۴) بہت زیادہ ضرورت۔ (۵) منع کرنا۔

(۳۷) ابوالحسن سراج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حج کو گیا، میں طواف کر رہا تھا، میری نگاہ ایک ایسی حسین عورت پر پڑی، جس کے چہرہ کا حسن چمک رہا تھا، میں نے کہا: واللہ! ایسی حسین عورت میں نے آج تک نہیں دیکھی، یہ اس کے چہرہ کی ساری رونق[۱] اس وجہ سے ہے کہ اس کو کبھی کوئی رنج وغم نہیں پہونچا! اس نے میری یہ بات سُن لی، کہنے لگی: تم نے یہ کیا کہا؟ واللہ! میں غموں میں جکڑی ہوئی ہوں اور میرا دل فکروں سے اور آفتوں سے زخمی ہے اور کوئی بھی میرے غموں میں میرا شریک نہیں رہا۔ میں نے پوچھا: کیا ہوا؟ کہنے لگی: میرے خاوند[۲] نے قربانی کی، ایک بکری ذبح کی، میرے دو چھوٹے بچے کھیل رہے تھے اور ایک بچہ دودھ پیتا میری گود میں تھا، میں گوشت پکانے کے لیے اُٹھی تو ان دونوں لڑکوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: میں تجھے بتاؤں کہ ابا نے بکری کس طرح ذبح کی، اس نے کہا: بتا، تو اس نے چھوٹے بھائی کو لِٹا کر بکری کی طرح ذبح کر دیا، پھر وہ اس کو ذبح کر کے ڈر کے مارے بھاگ گیا اور پہاڑ پر چڑھ گیا، وہاں ایک بھیڑیے نے اس کو کھالیا، باپ اس کی تلاش میں نکلا اور ڈھونڈ ھتے ڈھونڈ ھتے پیاس کی شدت سے مر گیا، میں دودھ پیتے بچے کو بیٹھا کر دروازہ تک گئی کہ شاید خاوند کا کچھ پتہ کسی سے ملے، تو وہ بچہ گھسٹتا ہوا ہانڈی کے پاس پہونچ گیا، جو چولھے پر رکھی ہوئی جوش سے پک رہی تھی، اس کو جو اس نے ہلایا، وہ پکتی پکتی اس پر گر گئی، جس سے اس بچہ کا سارے بدن کا گوشت جل کر ہڈیوں سے الگ ہو گیا، میری ایک بڑی لڑکی تھی، جو اپنے خاوند کے گھر تھی، اس کو جب اس سارے قصہ کی خبر پہونچی، تو وہ خبر سُن کر زمین پر گر گئی، اسی میں اس کی بھی موت مقدر تھی، وہ بھی مر گئی۔ مُقَدَّر نے ان سب کے درمیان سے مجھ اَکیلی کو چھوڑ دیا، میں نے کہا: ان مصیبتوں پر تجھے کس طرح صبر آیا؟ وہ کہنے لگی کہ جو شخص صبر اور بے صبری میں الگ الگ غور کرے گا، وہ ان کے درمیان بہت بونِ[۳] بعید پائے گا، صبر کا انجام محمود[۴] ہے اور بے صبری پر کوئی اجر نہیں ملتا، پھر اس نے تین شعر پڑھے اور چل دی، جن کا ترجمہ یہ ہے کہ ''میں نے صبر کیا اس لیے کہ صبر بہترین اعتماد[۵] کی چیز ہے اور اگر بے صبری سے مجھے کوئی فائدہ پہونچ سکتا تو کرتی، میں نے ایسی مصیبتوں پر صبر کیا کہ اگر وہ مصائب سخت پہاڑوں پر پڑتیں تو وہ پہاڑ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے، میں نے اپنے آنسوؤں پر قدرت پائی، پس ان کو نکلنے سے روک دیا، اب وہ آنسو اندر ہی اندر میرے دل پر گر رہے ہیں۔ | روض: ۸۹ |

(۳۸) حضرت شیخ علی بن موفق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک سال سواری پر حج کو جا رہا تھا، راستہ میں پیدل حج کو جانے والوں کا قافلہ ملا، مجھے وہ لوگ پیدل چلتے ہوئے بہت اچھے لگے، میں بھی سواری سے اُتر کر ان کے ساتھ پیدل چلنے لگا اور اپنی سواری پر ایک اور شخص کو اپنی جگہ بٹھا دیا اور ہم معروف[۶]

حل لغات: (۱) چمک دمک۔ (۲) شوہر۔ (۳) بڑا فرق۔ (۴) پسندیدہ۔ (۵) بھروسہ۔ (۶) مشہور۔

واقعات

راستہ سے ہٹ کر دوسری طرف کو چل دیے، چلتے چلتے ایک جگہ جا کر ہم سونے لیٹ گئے، تو میں نے خواب میں دیکھا کہ چند لڑکیاں آئیں جن کے ہاتھ میں سونے کے طشت[1] اور چاندی کے آفتابے[2] ہیں، وہ پیدل چلنے والوں کے پاؤں دھو رہی ہیں اور میرے سوا سب کے پاؤں دھوئے، ان میں سے ایک نے کہا کہ یہ بھی تو انہی میں ہے، باقی سب کہنے لگیں: نہیں، اس کے پاس سواری موجود ہے، اس لڑکی نے کہا نہیں، یہ بھی ان میں شامل ہے، اس لیے کہ ان کے ساتھ چلنے کو اس نے پسند کیا ہے، تو انہوں نے میرے بھی پاؤں دھوئے، اس کی وجہ سے پیدل چلنے کا جس قدر تکان اور تعب مجھ پر تھا، سارا بالکل جاتا رہا۔ [روض: ۹۳]

(۳۹) حضرت ابراہیم خوّاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ جنگل میں جا رہا تھا، مجھے بڑی مشقت[3] اُٹھانا پڑی اور بڑی مصیبت پیش آئی، جس کو میں نے برداشت کیا اور خندہ[4] پیشانی سے اس پر صبر کیا، جب میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوا تو مجھ میں اس کارنامہ پر ایک عُجب[5] سا پیدا ہوا، طواف ہی کی حالت میں پیچھے سے ایک بڑھیا نے آواز دی کہ ابراہیم! اس جنگل میں یہ بندی بھی تیرے ہی ساتھ تھی، مگر میں نے تجھ سے اس لیے کوئی بات نہیں کی تھی کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ سے تیرا دھیان ہٹ کر دوسری طرف لگے گا، یہ وسوسہ جو تجھے اس وقت آ گیا، اس کو اپنے دل سے نکال دے۔ [روض: ۹۵]

(۴۰) ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سَمنون رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ طواف میں جھومتے ہوئے (مزے لے کر) چل رہے ہیں، میں نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا تمہیں اللہ کے سامنے کھڑے ہونے کی قسم! مجھے یہ بتاؤ کہ تم کس طریقہ سے اللہ تک پہونچے، جب انہوں نے اللہ کے سامنے کھڑے ہونے کا لفظ سنا، تو بیہوش ہو کر گر پڑے، جب ہوش آیا تو دو شعر پڑھے، جن کا ترجمہ یہ ہے: ”کہ بہت سے مصیبت زدہ ایسے ہیں کہ بیماریاں ان کے بدن میں گھسی ہوئی ہیں اور ان کا دل سب دلوں سے زیادہ بیمار ہے، اگر وہ خوف اور ہراس سے مَر جائیں تو بَرمَحل[6] ہے، اس لیے کہ یومُ الحساب[7] میں اللہ کے سامنے کھڑا ہونا بہت سخت چیز ہے۔

اس کے بعد حضرت سمنون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے پانچ باتیں لازم پکڑ لی تھیں اور اپنے دل پر ان کو پکا کر لیا ہے۔ اوّل یہ کہ جو چیز مجھ میں زندہ تھی یعنی خواہش نفس اس کو میں نے مار دیا اور جو چیز مُردہ تھی یعنی میرا دل، اس کو زندہ کر لیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ جو چیز مجھ سے غائب تھی یعنی آخرت، اس کو میں نے ہر وقت اپنی آنکھوں کے سامنے کر لیا اور جو چیز میرے سامنے تھی یعنی دنیوی اَغراض[8]، ان کو میں

حل لغات: (۱) تھال۔ (۲) لوٹے۔ (۳) تکلیف۔ (۴) خوشی۔ (۵) گھمنڈ۔ (۶) مناسب۔ (۷) قیامت کا دن۔ (۸) فائدے۔

نے اپنے سامنے سے ہٹادیا۔ تیسری بات یہ ہے کہ جو چیز مجھ سے فنا(۱) ہورہی تھی یعنی تقویٰ اس کو میں نے باقی رکھا اور جو میرے پاس جمع تھی یعنی خواہشات ان کو فنا کردیا۔ چوتھی چیز یہ ہے کہ جس سے تم سب کو وحشت(۲) ہوتی ہے، اس سے میں نے اُنس(۳) پیدا کرلیا اور جس سے تم سب کو اُنس ہے، اس سے میں بھاگنے لگا، اس کے بعد وہ چند شعر پڑھتے ہوئے چل دیے، جن کا ترجمہ یہ ہے، کہ "میری روح پوری کی پوری آپ کی طرف مُتوَجِہ ہے، اگر اس میں وہ ہلاک ہوجائے تب بھی میں آپ سے اس کو جدا نہیں کرسکتا، میری روح آپ سے خوف میں اور افسوس میں روتی رہتی ہے حتیٰ کہ کہا جاتا ہے کہ وہ رونے سے ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گی، پس ایک کرم کی نظر اس پر کردیجیے اگرچہ دنیاوی منافع(۴) آپ نے بہت سے عطا فرمائے اور ان سے ہمیشہ نفع ہوتا رہا۔ [روض:۹۶]

شروع میں پانچ باتیں ذکر کی تھیں تفصیل میں چار ہی آئی ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان سب کی روح بھی ایک ہی چیز ہے، وہ خواہشات نفس کو قابو میں رکھنا، اسی لیے شیخ فرماتے ہیں۔

بعلم اللہ از دو قدم راہ خدا بیش نیست　　　یک قدم بر نفس خود نہ دیگرے برکوئے دوست

"خدا کی قسم! اللہ جَلّ شانُہٗ کے یہاں کا راستہ دو قدم سے زیادہ نہیں، پہلا قدم اپنے نفس پر رکھ دے دوسرا محبوب کی گلی میں رکھا ہوا ہے۔

(۴۱) شیخ ابو یعقوب بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حرم شریف میں دس دن تک بھوکا رہا، مجھے بہت ہی ضُعف ہوگیا، میرے دل نے مجھے مجبور کیا کہ باہر چلوں، شاید کچھ مل جائے جس سے بھوک میں کچھ کمی ہو، میں باہر نکلا، تو ایک شلغم(۵) سڑا ہوا پڑا ہوا ملا، میں نے اس کو اُٹھالیا، مگر دل میں اس سے ایک وحشت سی ہوئی، گویا کوئی یہ کہہ رہا ہے کہ دس دن تک بھوکا رہا اور آخر میں ملا تو یہ سڑا ہوا شلغم، میں نے اس کو پھینک دیا اور پھر مسجد حرام میں آکر بیٹھ گیا، اتنے میں ایک شخص میرے سامنے آکر بیٹھا اور ایک جُزدان(۶) میرے سامنے رکھا اور کہا: اس میں ایک تھیلی ہے، جس میں پانچ سو دینار (اشرفیاں) ہیں؟ یہ آپ کی نذر ہیں، میں نے اس سے پوچھا کہ میری کیا خصوصیت ہے، جس کی وجہ سے یہ مجھے دے رہے ہو، اس نے کہا کہ ہم لوگ دس دن سے سمندر میں چکر کھا رہے تھے، ہماری کشتی ڈوبنے لگی تھی، تو ہم میں سے ہر شخص نے الگ الگ کوئی منت مانی تھی، میں نے یہ نذر کی تھی کہ اگر میں زندہ سلامت پہونچ جاؤں، تو یہ تھیلی اس شخص کو دوں گا، جس پر مکہ کے رہنے والوں میں سب سے پہلے میری نگاہ پڑے، یہاں پہونچ کر سب سے پہلے آپ پر نظر پڑی، میں نے کہا: اس کو کھولو، اس نے کھولا، تو سفید مصری اور کعک (ایک خاص قسم کی روٹی ہوتی ہے) اور چھلے ہوئے بادام اور شکر پارے تھے، میں نے ہر ایک

حل لغات: (۱) ختم۔ (۲) گھبراہٹ۔ (۳) لگاؤ۔ (۴) فائدے۔ (۵) ایک ترکاری۔ (۶) بڑا تھیلا۔

واقعات

میں سے ایک ایک مٹھی بھر لی اور میں نے کہا: یہ باقی لے جاؤ، میری طرف سے اپنے بچوں کو تقسیم کر دینا، تمہاری نذر میں نے قبول کر لی، پھر میں نے اپنے دل میں کہا کہ تیرا رزق دس دن سے تیرے پاس کھینچا ہوا آرہا ہے اور تو اس کو یوں ڈھونڈ ھتا پھرتا ہے۔ [روض:۹۸]

(۴۲) شیخ بنّان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مصر سے حج کو جا رہا تھا، میرا توشہ میرے ساتھ تھا، راستہ میں ایک عورت ملی، کہنے لگی: بنان! تم بھی حمّال (مزدور) ہی نکلے، توشہ لادے لیے جا رہے ہو، تمہیں یہ وہم ہے کہ وہ تمہیں روزی نہیں دے گا، میں نے اس کی بات سُن کر اپنا توشہ پھینک دیا، تین دن تک مجھے کچھ کھانے کو نہ ملا، راستہ میں چلتے چلتے مجھے ایک پازیب (پاؤں کا زیور) پڑا ہوا ملا، میں نے یہ سوچ کر اُٹھالیا کہ اس کا مالک مل جائے تو اس کو دوں گا، وہ شاید اس پر مجھے کچھ دے دے، تو وہ عورت پھر سامنے آئی، کہنے لگی: تم تو دوکاندار ہی نکلے کہ وہ پازیب کے بدلہ میں شاید کچھ دے دے، اس کے بعد اس عورت نے میری طرف کچھ درم پھینک دیے کہ لے انہیں خرچ کرتا رہیو، میں نے ان کو خرچ کرنا شروع کیا اور واپسی میں مصر تک انہوں نے مجھے کام دیا، ایک شاعر نے کہا ہے:

كَمْ مِّنْ قَوِيٍّ قَوِيٌّ فِيْ تَقَلُّبِهٖ　　مُهَذَّبُ الرَّأْيِ عَنْهُ الرِّزْقُ مُنْحَرِفٌ

”کتنے ہی قوی آدمی ہیں جو اپنے کاروبار میں بھی قوی ہیں اور رائے بھی بہت بہتر رکھتے ہیں، لیکن روزی اُن سے ہٹی ہوئی ہے“۔

وَكَمْ ضَعِيْفٌ ضَعِيْفٌ فِيْ تَقَلُّبِهٖ　　كَأَنَّهٗ مِنْ خَلِيْجِ الْبَحْرِ يَغْتَرِفُ

”اور کتنے ضعیف آدمی ہیں جو اپنے کاروبار میں بھی ضعیف ہیں، لیکن روزی ایسی کماتے ہیں گویا سمندر سے پانی بھر رہے ہیں“۔

هٰذَا دَلِيْلٌ عَلٰى أَنَّ الْإِلٰهَ لَهٗ　　فِي الْخَلْقِ سِرٌّ خَفِيٌّ لَيْسَ يَنْكَشِفُ

”یہ دلیل ہے اس پر کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے بارہ میں مخفی[1] بھید ہیں جو ہر کسی پر ظاہر نہیں ہوتے“۔ [روض:۹۹]

(۴۳) شیخ ابوبکر کتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حج کے زمانہ میں مکہ مکرمہ میں مشائخ کے درمیان عشقِ الٰہی کے مسئلہ میں بحث ہوئی اور بڑے بڑے مشائخ نے اس میں کلام کیا۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ بھی مجمع میں تشریف رکھتے تھے اور وہ اس مجلس کے چھوٹوں میں تھے، مشائخ نے ان سے فرمایا کہ عراقی تم بھی کچھ کہو؟ حضرت شیخ جنید رحمۃ اللہ علیہ نے سر جھکایا اور آنسو آنکھوں سے بہنے لگے اور فرمایا: عاشق وہ بندہ ہے، جو اپنے نفس سے جاتا رہا ہو، اپنے رب کے ذکر میں ہر وقت لگا رہے، اس

حل لغات: (۱) چھپا ہوا ہونا۔

کے حقوق کی ادائیگی میں مُستعِد[1] رہے، اپنے دل سے ہر وقت اس کو دیکھتا رہے، مولیٰ کی ہیبت[2] کے انوار نے اس کے دل کو جلا رکھا ہوا اور اس کی محبت کی شراب خالص پی رکھی ہوا اور جبّار سبحانہٗ اپنی غَیبت کے پردوں سے نکل کر اس پر ظاہر ہو گیا، پس وہ عاشق اگر کلام کرے تو اللہ ہی کے ساتھ ہو، کوئی حرف زبان سے نکالے تو اللہ ہی کی طرف سے ہو، کوئی حرکت کرے تو اسی کے حکم سے اور اگر ساکن ہو تو اسی کے ساتھ سکون ہو، پس وہ ہر وقت اللہ ہی سے وابستہ ہے، اللہ ہی کے واسطے ہے، اللہ ہی کے ساتھ ہے۔ اس تقریر پر سب مشائخ رونے لگے اور فرمانے لگے کہ اس سے بہتر تعبیر نہیں ہو سکتی، اللہ تیری ٹوٹی کو بنائے اے عارفوں کے تاج۔ [روض:۱۰۰]

(۴۴) حضرت ضحاک بن مزاحم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں جمعہ کی شب میں کوفہ میں جامع مسجد کے ارادہ سے نکلا، چاندنی رات تھی، مسجد کے صحن میں ایک جوان کو میں نے دیکھا کہ سجدہ میں پڑا ہوا بے تحاشا[3] رو رہا ہے، میں نے خیال کیا کہ یہ کوئی ولی ہے، میں اس کے قریب گیا تاکہ اس کی بات سنوں، تو وہ یہ کہہ رہا تھا:

(۱) عَلَيْكَ يَاذَا الْجَلَالِ مُعْتَمَدِيْ　　طُوْبٰى لِمَنْ كُنْتَ أَنْتَ مَعْنَاهُ

"اے عزت والے تیرے ہی اوپر مجھ کو بھروسہ ہے، خوشحال ہے وہ جس کا تُو مقصود ہو۔"

(۲) طُوْبٰى لِمَنْ بَاتَ خَائِفًا وَّجِلًا　　يَشْكُوْ إِلَى ذِي الْجَلَالِ بَلْوَاهُ

"خوش حال ہے وہ جو ساری رات خوف اور ڈر میں گزار دے اور عزت والے ہی سے اپنی مصیبت کا اظہار کرے"۔

(۳) وَمَا بِهٖ عِلَّةٌ وَلَا سَقَمٌ　　أَكْثَرُ مِنْ حُبِّهٖ لِمَوْلَاهُ

"اور اس کو اس سے بڑھ کر کوئی علّت[4] اور کوئی مرض نہ ہو کہ اس کو اپنے مولیٰ سے عشق ہے"۔

إِذَا خَلَا فِي الظَّلَامِ مُبْتَهِلًا　　أَجَابَهُ اللّٰهُ ثُمَّ لَبَّاهُ

(۴) "جب وہ اندھیری رات میں تنِ تنہا عاجزی کرنے والا ہو، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی پکار کا جواب ہو اور لبیک ہو"۔

وہ شخص پہلا مصرع عَلَيْكَ يَاذَا الْجَلَالِ مُعْتَمَدِيْ بار بار پڑھ رہا تھا اور رو رہا تھا اس کے بے اختیار رونے سے مجھے بھی اس پر ترس[5] کھا کر رونا آ گیا، پھر اس نے ایسی کلام کی، جس سے میں یہ سمجھا کہ اس کو کوئی خاص نور نظر آیا اور اس نے کسی کو یہ دو شعر پڑھتے ہوئے سنا، جن کا ترجمہ یہ ہے: "میرے بندے میں موجود ہوں، تو میری حفاظت میں ہے اور جو کچھ تُو کہہ رہا ہے، ہم اس کو سُن رہے ہیں، تیری

حل لغات: (۱) تیار۔ (۲) رعب۔ (۳) بہت زیادہ۔ (۴) وجہ، سبب۔ (۵) رحم۔

آواز کے میرے فرشتے مُشتاق[1] ہیں اور تیرے سارے گناہ ہم نے معاف کردیئے"۔

حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے اس کو سلام کیا، اس نے جواب دیا۔ میں نے کہا: حق تعالیٰ شانہٗ تمہاری اس رات میں برکت عطا فرمائے اور تم میں برکت فرمائے اور تم پر رحم کرے، تم کون ہو؟ کہنے لگے: میں راشد بن سلیمان ہوں۔ میں نے نام سے ان کو پہچان لیا، کیونکہ میں پہلے سے ان کے حالات سنتا رہتا تھا اور ان سے ملنے کا مشتاق تھا، مگر اس پر قادر نہ ہوسکا تھا۔ آج اللہ جَلَّ شانہٗ نے ایسا سہل[2] کردیا، میں نے خدمت میں رہنے کی درخواست کی تو فرمایا: یہ بہت دشوار[3] ہے، بھلا جو شخص ربّ العالمین سے مُناجات[4] کی لذت پاتا ہو، وہ مخلوق سے کب اُنس[5] رکھ سکتا ہے، کہنے لگے: واللہ! اگر ہمارے زمانے کے آدمیوں پر پہلے مشائخ[6] میں سے کسی کا گزر ہو تو وہ کہہ دے گا کہ یہ لوگ تو آخرت کے دن پر ایمان بھی نہیں رکھتے، یہ کہہ کر راشد میری نظر سے غائب ہوگئے، اللہ جانے وہ آسمان پر چڑھ گئے یا زمین میں اُتر گئے۔ مجھے ان کی جدائی سے رنج ہوا اور میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مرنے سے پہلے پہلے ان سے پھر ملاقات نصیب ہوجائے، اتفاق سے میں ایک مرتبہ حج کو گیا، تو کعبہ شریف کی دیوار کے سایہ تلے ان کو بیٹھے دیکھا اور ایک مجمع اُن کے پاس تھا، جو سورۂ انعام ان کو سنا رہا تھا، جب انہوں نے مجھے دیکھا تو تبسُّم[7] فرمایا کہ یہ علماء کی مہربانی ہے اور وہ اولیاء کی تواضع تھی، پھر اُٹھے اور مجھ سے مصافحہ اور مُعانقہ[8] کیا، اور فرمایا کہ تم نے اللہ سے دعا کی تھی کہ مرنے سے پہلے ان سے ملاقات ہوجائے میں نے عرض کیا: جی ہاں! دعا کی تھی۔ فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِكَ[9]۔ میں نے عرض کیا: اللہ آپ پر رحم کرے، اس رات کو جو کچھ آپ نے دیکھا تھا اور سنا تھا، وہ مجھے بتادیجیے، انہوں نے زور سے ایک ایسی چیخ ماری، جس سے میں یہ سمجھا کہ ان کے دل کا پردہ پھٹ گیا اور بیہوش ہوکر گر گئے اور جو مجمع ان کے پاس تھا اور پڑھ رہا تھا وہ چلا گیا، جب ان کو ہوش آیا تو فرمایا: میرے بھائی کیا تجھے یہ معلوم نہیں کہ اللہ کے چاہنے والوں کے دلوں میں کس قدر خوف اور ہیبت اس کے اَسرار[10] کے کھولنے میں ہوتی ہے، میں نے پوچھا: اچھا یہ کون لوگ تھے؟ جو آپ کے پاس پڑھ رہے تھے۔ فرمایا: یہ جِنّات کی جماعت تھی، قدیم[11] تعلقات کی بناء پر میں ان کا احترام کرتا ہوں، یہ ہر سال میرے ساتھ حج کیا کرتے ہیں اور مجھ کو قرآن شریف سنایا کرتے ہیں، پھر انہوں نے مجھ کو رخصت کیا اور فرمایا: حق تعالیٰ شانہٗ جنت میں تم کو ملادے، جہاں نہ جدائی ہوگی، نہ مَشَقَّت، نہ غم ہوگا، نہ کُلفت[12]۔ یہ کہہ کر پھر مجھ سے غائب ہوگئے، اس کے بعد میں نے ان کو نہ دیکھا۔ [روض: ۱۰۱]

حل لغات: (۱) خواہش مند۔ (۲) آسان۔ (۳) مشکل۔ (۴) دعا۔ (۵) محبت۔ (۶) بزرگوں۔ (۷) مسکرانا۔ (۸) گلے ملنا۔ (۹) اس بات پر تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ (۱۰) بھید۔ (۱۱) پُرانے۔ (۱۲) تکلیف۔

(۴۵) کہتے ہیں: حرم شریف کے عابدوں میں ایک عابد تھے، جو ہر وقت خدا تعالیٰ میں مشغول رہتے، ہمیشہ روزہ رکھتے اور شام کو روزانہ ایک آدمی ان کو دو روٹیاں دے جاتا، ان سے روزہ افطار کر لیتے، ایک دن ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ تُو اپنی روزی میں اس آدمی پر اطمینان رکھتا ہے اور ساری مخلوق کے رازق کو بھلا رکھا ہے، یہ بڑی غفلت کی بات ہے، جب شام کو حسبِ معمول وہ روٹی دینے والا آیا، تو اس کی روٹی واپس کر دی، وہ تو چلا گیا، لیکن اس عابد پر تین دن ایسے گزرے کہ کچھ کھانے کو نہ ملا، حق تعالیٰ شانۂ کی بارگاہ[۱] میں التجا[۲] کی، تو رات کو خواب میں دیکھا کہ حق تعالیٰ شانۂ کی بارگاہ میں کھڑا ہوں اور حق تعالیٰ شانۂ فرماتے ہیں کہ میرے بندے تُو نے وہ روٹیاں جو میں نے اپنے ایک بندے کے ہاتھ بھیجی تھیں؟ کیوں واپس کر دی تھیں، میں نے عرض کیا: یا اللہ! مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ اس میں تیرے غیر کی طرف قلب[۳] کو طمانینت[۴] ہوتی ہے۔ ارشاد ہوا: اس کو تیرے پاس کون بھیجتا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ آپ ہی بھیجتے تھے۔ ارشاد ہوا کہ تُو کس سے لیتا تھا؟ عرض کیا کہ آپ ہی سے لیتا تھا۔ ارشاد ہوا کہ ان کو لے لے پھر ایسا نہ کرنا۔ اس کے بعد خواب ہی میں دیکھا کہ وہ روٹی دینے والا بھی حق تعالیٰ شانۂ کی بارگاہ میں کھڑا ہے، اس سے ارشاد ہوا کہ میرے بندے تُو نے میرے بندے کی روٹی کیوں بند کر دی، اس نے عرض کیا: یا اللہ! تجھے خوب معلوم ہے۔ ارشاد ہوا کہ تو وہ روٹی کس کو دیتا تھا؟ اس نے عرض کیا: یا اللہ! آپ ہی کو دیتا تھا۔ ارشاد ہوا کہ تو وہ روٹی حسبِ معمول جاری کر دے، تجھے اس کے بدلہ میں جنت ملے گی۔ [روض: ۱۰۲]

(۴۶) احمد بن ابی الحواری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مکہ مکرمہ کے راستہ میں جا رہا تھا کہ میرا مشکیزہ[۵] گر گیا، میں نے ابو سلیمان رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی خبر کی، انہوں نے کہا: "یَارَادَّ الضَّالَّةِ اُرْدُدْ عَلَيْنَا الضَّالَّةَ (اے گم شدہ چیز کے لوٹانے والے: ہماری گم شدہ چیز ہم پر لوٹا دے) تھوڑی دیر بھی نہ گزری تھی کہ ایک شخص آواز دے رہا تھا کہ یہ مشکیزہ کس کا گرا ہے؟ میں نے دیکھا تو وہ میرا ہی تھا، میں نے لے لیا تو ابو سلیمان کہنے لگے کہ اے احمد! کیا تجھے یہ گمان ہوا کہ حق تعالیٰ شانۂ ہمیں بغیر پانی ہی کے رکھیں گے۔

اس کے بعد ہم تھوڑی دور چلے، سردی بڑی سخت پڑ رہی تھی اور ہم پوستینیں[۶] پہن رہے تھے، ہم نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس پر دو پُرانی چادریں ہیں اور اس کو پسینہ آرہا ہے، اس کی ابو سلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے تواضع کی کہ ہم سردی کے کپڑوں سے کچھ تمہاری مدد کریں؟ تو اس نے یہ جواب دیا کہ گرمی اور سردی دونوں اللہ جلّ شانۂ کی مخلوق ہیں، اگر وہ حکم کرے تو یہ مجھ پر مسلّط ہو سکتی ہیں اور وہ ارشاد فرما دے تو

حل لغات: (۱) دربار۔ (۲) درخواست۔ (۳) دل۔ (۴) اطمینان۔ (۵) پانی بھرنے کا چمڑے کا برتن۔ (۶) کھال کا کوٹ۔

مجھے چھوڑ دیں گی، میں تو اس جنگل میں تیس[۳۰] برس سے پھرتا رہتا ہوں، نہ سردی سے کبھی مجھے کپکپی ہوئی، نہ گرمی میں پسینہ آیا، وہ اپنی محبت کی گرمی کا لباس مجھے سردی کے زمانہ میں پہنا دیتا ہے اور گرمی کے زمانہ میں اپنی محبت کی ٹھنڈک کے ذوق[۱] میں لپیٹ دیتا ہے، اے دارانی! تم کپڑوں کی طرف اشارہ کرتے ہو اور زُہد کو چھوڑتے ہو، اس لیے سردی تم کو ستاتی ہے، اے دارانی! تم روتے اور چلاتے ہو اور پنکھوں سے راحت پاتے ہو۔ ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے حقیقت میں اس شخص کے سوا کسی نے نہیں پہچانا، یعنی میری کمی پر مُتنبّہ[۲] کیا۔ [روض: ۱۰۳]

(۴۷) ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے طواف میں ایک اَدھیڑ عمر کے آدمی کو دیکھا کہ عبادت کی کثرت نے اس کو ضعیف[۳] کر رکھا ہے، اس کے ہاتھ میں لکڑی تھی، جس کے سہارے سے وہ طواف کر رہا تھا، میں نے اس سے اس کا شہر پوچھا، اس نے خُراسان بتایا، پھر اس نے مجھ سے پوچھا کہ تمہارے شہر کا راستہ یہاں سے کتنی دُور کا ہے، میں نے کہا: دو تین ماہ[۴] کا۔ کہنے لگا کہ پھر بھی تم ہر سال حج کو نہیں آتے۔ میں نے پوچھا کہ تمہارے شہر سے یہاں تک کا راستہ کتنے دن کا ہے؟ کہنے لگا کہ پانچ برس کا (کہ اس زمانہ میں راستوں کی سہولت کے یہ اسباب حاصل نہ تھے، جو اَب ہیں) میں نے کہا: واللہ! یہ حق تعالیٰ شانُہٗ کا کھلا فضل ہے اور اس کے ساتھ سچی محبت کا اثر ہے (کہ اتنا لمبا سفر طے کر کے حاضری مُیسَّر[۵] ہو جائے) اس پر وہ ہنسا اور دو شعر پڑھے۔ جن کا ترجمہ یہ ہے جس سے تجھے عشق ہے، اس کی زیارت[۶] کر اگرچہ تیرا گھر دور ہو اور اس تک حاضری میں بندشیں اور مَوانع[۷] ہوں، تیرے گھر کی دوری اس کی زیارت سے مانع نہ ہونا چاہیے، اس لیے کہ عاشق اپنے معشوق کا بڑی کثرت سے زیارت کرنے والا ہوتا ہے''۔
[روض: ۱۰۴]

(۴۸) ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے مکّہ کے راستہ میں ایک جوان کو دیکھا، وہ ایسی مزے کی چال چل رہا ہے، اَکڑتا ہوا جیسا اپنے گھر میں ٹہل رہا ہو، میں نے پوچھا: یہ کیسی چال ہے؟ کہنے لگا: یہ چال ان جوانوں کی ہے، جو رحمٰن کے خادم ہیں اور دو شعر پڑھے جن کا یہ ترجمہ ہے ''میں تیری وجہ سے فخر کرتا ہوا حیران و سرگرداں پھرتا ہوں، مگر جب تیرا ذکر ہو تو خوف کی وجہ سے پگھلنے لگتا ہوں، اگر مجھ میں مرنے کی قدرت ہوتی تو تیرے اشتیاق[۸] میں اور تیرے عظیم مرتبہ کے اکرام میں مرجاتا''۔ پھر میں نے پوچھا کہ تیری سواری اور توشہ کہاں ہے؟ تو اس نے بُری طرح مجھے گھورا، پھر کہنے لگا: ارے غور تو کر! اگر کوئی ضعیف غلام کسی کریم آقا کے دولت کدہ[۹] پر زیارت کی غرض سے حاضر ہو اور اپنا کھانا پینا باندھ کر ساتھ

حلِ لغات: (۱) شوق۔ (۲) خبردار۔ (۳) کمزور۔ (۴) مہینے۔ (۵) حاصل۔ (۶) ملاقات۔ (۷) رکاوٹیں۔ (۸) ملاقات کا شوق۔ (۹) رہنے کا گھر۔

لائے، تو وہ آقا اپنے غلاموں کو حکم دے گا کہ اس کو یہاں سے نکال دو، میرے آقا جلّ جلالہٗ نے جب مجھے اپنے گھر بلایا تو اپنے اوپر توکُّل[1] اور اعتماد مجھے عطا فرما دیا۔ یہ کہہ کر وہ غائب ہو گیا۔ [روض:۱۰۵]

(۴۹) ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں مکّہ مکرمہ میں تھا، ایک فقیر کو دیکھا، کہ اس نے طواف کیا، اس کے بعد اپنی جیب سے ایک پرچہ نکالا اور اس کو پڑھا، دوسرے اور پھر تیسرے دن بھی ایسا ہی کیا، اس کے بعد ایک دن اس نے طواف کیا اور جیب سے نکال کر پرچہ پڑھا اور تھوڑی دور چلا اور مر کے گر گیا، میں نے اس کے جیب سے پرچہ نکال کر دیکھا تو اس میں لکھا تھا: ﴿ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا ﴾ [سورۂ طور:۴۸] "تُو اپنے پروردگار کے حکم کا منتظر رہ، کیوں کہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے"۔ [روض:۱۰۶]

اصل آیتِ شریفہ میں تو حضورِ اقدس ﷺ سے خطاب ہے، جس کا اوپر سے بیان ہے کہ آپ کے ان ظالم مخالفین کے لیے عذاب تجویز[2] ہے، آپ اپنے رب کی اس تجویز پر صبر سے بیٹھے رہیں (اور کچھ فکر نہ کریں) اس لیے کہ آپ ہماری حفاظت میں ہیں، مگر آیتِ شریفہ کے عموم کا ترجمہ وہ ہے جو اوپر لکھا گیا۔

(۵۰) حضرت بِشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک مجمع حاضر ہوا اور سلام کیا۔ حضرت نے دریافت فرمایا: تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے عرض کیا: ہم شام کے رہنے والے ہیں، حج کے ارادہ سے جا رہے ہیں، آپ کی خدمت میں سلام کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ فرمایا: حق تعالیٰ شانہٗ تمہیں جزائے[3] خیر عطا فرمائے۔ انہوں نے عرض کیا: ہماری یہ تمنا ہے کہ آپ بھی ہمارے ساتھ تشریف لے چلیں، تاکہ آپ کی برکات سے ہم مُنتفع[4] ہوں۔ آپ نے انکار فرما دیا۔ ان لوگوں نے جب بہت زیادہ اِصرار[5] کیا تو فرمایا کہ جب تم نے یہی طے کر رکھا ہے تو تین شرطوں کے ساتھ میں چل سکتا ہوں، اوّل یہ کہ ہمارے ساتھ کچھ سامان نہ ہو، دوسرے یہ کہ ہم راستہ میں کسی سے سوال نہ کریں، تیسرے یہ کہ اگر راستہ میں کوئی ہم کو کچھ دے تو ہم قبول نہ کریں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ پہلی دو شرطیں کہ نہ ہم کچھ ساتھ رکھیں اور نہ کسی سے سوال کریں، یہ تو ہو سکتا ہے، لیکن باوجود احتیاج[6] کے کوئی شخص کچھ دے اس کو ہم قبول نہ کریں، اس کی طاقت ہم میں نہیں ہے، فرمانے لگے: اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تم اپنے گھر سے دوسروں کے توشوں[7] پر بھروسہ کر کے نکلتے ہو، اللہ جَلَّ شانہٗ پر بھروسہ نہیں ہے، میں اس حالت میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکتا، مجھے میرے حال پر چھوڑ دو اور تم جاؤ اپنا کام کرو، پھر فرمایا کہ بہترین فقراء تین قسم کے ہیں: اوّل وہ جو خود سوال نہ کرے اور اگر دیا جائے تو قبول نہ کرے، یہ روحانی[8] لوگوں میں سے ہے یا یہ کہا کہ روحانیین

حل لغات: (۱) بھروسہ۔ (۲) طے۔ (۳) اچھا بدلہ۔ (۴) فائدہ اُٹھانا۔ (۵) ضد۔ (۶) ضرورت۔ (۷) راستے کا کھانا وغیرہ۔ (۸) مقدس۔

واقعات

کے ساتھ ہے، دوسری قسم وہ کہ خود تو سوال نہ کرے، لیکن اگر دیا جائے تو قبول کر لے، اس کے لیے حضرت قُدس میں دسترخوان بچھائے جاتے ہیں، تیسری قسم یہ کہ سوال کرے اور بقدرِ ضرورت لے لے اس کی صداقت[1] اس کے فعل کا کفّارہ ہو جاتی ہے۔ [روض:۱۰۹]

(۵۱) حضرت شیخ ابوجعفر حدّاد رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے اُستاد ہیں، فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ مکّہ مکرّمہ میں تھا، میری حجامت بہت بڑھ گئی اور پیسہ پاس نہ تھا کہ حجامت بنواتا، میں ایک حجام کے پاس جو چہرہ سے بھلا آدمی معلوم ہوتا تھا، گیا اور اس سے کہا کہ اللہ کے واسطے میری حجامت بنا دو گے؟ کہنے لگا: ہاں ہاں! بڑے اکرام کے ساتھ۔ وہ ایک دنیادار کی حجامت بنا رہا تھا، اس کو درمیان میں روک کر پہلے میری حجامت بنائی اور پھر مجھے ایک کاغذ کی پڑیا دی اس میں چند دراہم تھے، میں نے وہ لے لیے اور یہ ارادہ کیا کہ جب مجھے سب سے پہلے کچھ ملے گا، تو اس حجام کو دوں گا، میں مسجد میں گیا، وہاں میرا ایک بھائی ملا، اس نے کہا کہ تمہارے ایک بھائی بصرہ سے ایک تھیلی تمہارے واسطے لائے ہیں، اس میں تین سو اشرفیاں ہیں، وہ اللہ کے واسطے تمہیں دے گئے ہیں، میں نے وہ تھیلی لے لی اور حجام کے پاس جا کر کہا کہ یہ تین سو اشرفیاں ہیں، ان کو تم اپنی ضروریات میں خرچ کر لینا۔ حجام نے کہا: شیخ! تمہیں شرم نہ آئی۔ اوّل تو تم نے یہ کہا کہ اللہ کے واسطے حجامت بناؤ، پھر میں اس پر اُجرت لے لوں، جاؤ! تمہیں اللہ تعالیٰ معاف کرے۔ [روض:۱۱۳] حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی اس قسم کا ایک قصہ مشہور ہے۔ [روض:۱۱۴]

(۵۲) حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص سے طواف کی حالت میں فرمایا کہ یہ بات سمجھ لے کہ تو صالحین[2] کے درجہ کو اس وقت تک نہیں پہونچ سکتا، جب تک کہ چھ گھاٹیوں کو پار نہ کر لے: اوّل یہ کہ تو نعمت کے دروازہ کو بند کرے اور سختی کا دروازہ کھولے، دوسرے یہ کہ عزت کے دروازہ کو بند کرے اور ذلت کے دروازہ کو کھولے، تیسرے یہ کہ راحت کے دروازہ کو بند کرے اور مشقت کے دروازہ کو کھولے، چوتھے یہ کہ سونے کے دروازہ کو بند کرے اور جاگنے کے دروازہ کو کھولے، پانچویں یہ کہ غنیٰ[3] کے دروازہ کو بند کرے اور فقر کے دروازہ کو کھولے، چھٹے یہ کہ اُمیدوں کے دروازے کو بند کرے اور موت کی تیاری کے دروازے کو کھولے۔ [روض:۱۱۵]

(۵۳) محمد بن حسین بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک سال حج کو گیا، میں اتفاق سے مکّہ کے بازار سے گزر رہا تھا کہ ایک بوڑھا آدمی ایک لڑکی کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا، لڑکی کا رنگ متغیّر[4] ہو رہا تھا، بدن بہت لاغر،[5] لیکن اس کے چہرے پر ایک نورانی چمک تھی، وہ بوڑھا پکار رہا تھا کہ کوئی اس لڑکی کا خریدار

حلِ لغات: (۱) سچائی۔ (۲) نیک لوگ۔ (۳) مالداری۔ (۴) بدلنا۔ (۵) دُبلا۔

واقعات

ہے،کوئی ہے جو اس کو پسند کرے؟ کوئی ہے جو بیس اَشرفی سے اس کی قیمت زیادہ دے،اس شرط پر کہ میں اس کے ہر عیب سے بَری ہوں۔ میں نے اس شیخ کے قریب جا کر پوچھا کہ اس باندی کی قیمت کا حال تو معلوم ہو گیا،اس میں عیب کیا ہے؟ وہ کہنے لگا کہ یہ لڑکی پاگل ہے، ہر وقت غمزدہ رہتی ہے،رات بھر نماز پڑھتی ہے،دن بھر روزہ رکھتی ہے،نہ کھاتی ہے، نہ پیتی ہے، ہر جگہ بالکل تنہائی پسند کرتی ہے، جب میں نے اس کی بات سُنی،تو وہ لڑکی مجھے پسند آ گئی اور میں نے اس کو خرید لیا اور اپنی قیامؔ گاہ پر لے گیا، میں نے اس کو دیکھا کہ وہ زمین کی طرف سر جھکائے بیٹھی ہے، پھر اس نے سر اُٹھایا اور کہنے لگی کہ میرے چھوٹے آقا! آپ کا وطن کہاں ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے۔ میں نے کہا: عراق ہے۔کہنے لگی کہ کون سا عراق؟ بصرہ یا کوفہ؟ میں نے کہا: دونوں نہیں۔ کہنے لگی: تو کیا آپ بغداد کے رہنے والے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں۔ کہنے لگی: واہ واہ وہ تو عابدوں کا شہر ہے،زاہدوں کا شہر ہے، مجھے تعجب ہوا کہ یہ باندی ایک کوٹھڑی سے دوسری کوٹھڑی میں جانے والی اس کو عابدوں،زاہدوں کی کیا خبر۔ میں نے اس سے دل لگیؔ کے طور پر پوچھا کہ تو ان میں سے کن کن عابدوں کو جانتی ہے؟ کہنے لگی: مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کو، بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کو، صالح مَرّی رحمۃ اللہ علیہ کو، ابو حاتم سجستانی رحمۃ اللہ علیہ کو، معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کو، محمد بن حسین بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو، رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہا کو، شعوانہ رحمۃ اللہ علیہا کو، میمونہ رحمۃ اللہ علیہا کو۔

میں نے اس سے پوچھا کہ تجھے ان سب کا حال کس طرح معلوم ہوا؟ کہنے لگی: اے جوان! میں ان کو کیسے نہ جانوں، خدا کی قسم! یہ لوگ دلوں کے طبیب ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو عاشق کو معشوق کا راستہ بتاتے ہیں، پھر اس نے چار شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے: یہ قوم وہ لوگ ہیں، جن کے فکر اللہ کے ساتھ وابستہؔ ہو گئے، پس ان کے لیے کوئی فکر ہی کسی اور کا نہیں رہا، ان لوگوں کا مقصد صرف ان کا مولیٰ اور ان کا سردار ہے، کیا ہی بہترین مقصد ہے، جو صرف ایک بے نیاز ذات کے واسطے ہے، نہ تو دنیا ان سے اُلجھتی ہے اور نہ کھانوں کی عمدگی، نہ دنیا کی لذتیں، نہ اولاد، نہ ان سے اچھا لباس جھگڑتا ہے، نہ مال کی روز افزوںؔ زیادتی نہ تعداد کی کثرت''۔

اس کے بعد میں نے کہا: اے لڑکی! میں محمد بن حسین ہی ہوں۔ کہنے لگی کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ تم سے میری کہیں ملاقات ہو جائے،تمہاری وہ دل کشؔ آواز کیا ہوئی، جس سے تم مُریدین کے دلوں کو زندہ کیا کرتے تھے اور سننے والوں کی آنکھیں اس سے بہہ جایا کرتی تھیں۔ میں نے کہا: بحالہؔ موجود ہے۔ کہنے لگی: خدا کی قسم! مجھے قرآن پاک کچھ سنا دو، میں نے ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' پڑھی تو اس نے بہت زور سے ایک چیخ ماری اور بیہوش ہو گئی۔ میں نے اس پر پانی چھڑکا، جس سے اس کو

حل لغات: (۱) ٹھہرنے کی جگہ۔ (۲) مذاق۔ (۳) جڑنا۔ (۴) دن بدن۔ (۵) دل لبھانے والی۔ (۶) اسی طرح۔

اِفاقہ[1] ہوا، تو کہنے لگی: جس کے نام کا یہ اثر ہے، اگر میں اس کو پہچان لوں اور جنت میں اس کو دیکھ لوں گی تو کیا حال ہوگا۔ پھر کہنے لگی: اچھا پڑھیے۔ اللہ جَلَّ شانُہٗ آپ پر رحم کرے۔ میں نے یہ آیت پڑھی: ﴿ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۭ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ ﴾ [سورۂ جاثیہ:۲۱] ''جو لوگ بُرے کام کرتے ہیں، کیا وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں کے برابر کردیں گے، جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے کہ ان سب کا جینا مرنا ایک سا ہوجائے (جو ایسا گمان کرتے ہیں) بہت بری تجویز کر رہے ہیں''۔

یہ آیت سُن کر وہ کہنے لگی کہ اللہ کا شکر ہے، ہم نے کبھی کسی کی نہ پرستش[2] کی، نہ کسی صنم[3] کو بوسہ دیا اور کچھ پڑھیے، اللہ آپ پر رحم کرے، میں نے پڑھا: ﴿ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۭ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۭ بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ۝ ﴾ [سورۂ کہف:۲۹] ''بے شک ہم نے ظالموں کے لیے آگ تیار کر رکھی ہے، جس کی قناتیں[4] ان کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہوں گی اور اگر وہ لوگ فریاد کریں گے تو ایسے پانی سے ان کی فریاد رسی[5] کی جائے گی، جو تیل کے تلچھٹ[6] کی طرح (بدہیئت[7]) ہوگا (اور ایسا سخت گرم) کہ مونہوں کو پکا دے گا، کیا ہی بُرا پانی ہوگا اور (جہنم) کیا ہی بُرا ٹھکانا ہوگا''۔

وہ کہنے لگی: تم نے اپنے دل پر نا اُمیدی لازم کردی، اپنے دل کو اُمید اور خوف کے درمیان معطر کرو، کچھ اور پڑھو، اللہ جَلَّ شانُہٗ آپ پر رحم کرے، تو میں نے پڑھا: ﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝ ﴾ [سورۂ عبس: ۳۸-۴۰] بہت سے چہرے اس دن خنداں[8] و شاداں ہوں گے۔ اور یہ پڑھا: ﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ ﴾ [سورۂ قیامۃ: ۲۲، ۲۳] بہت سے چہرے اس دن بارونق[9] ہوں گے اور اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔

اس پر وہ کہنے لگی: ہائے مجھے اس دن اس کی ملاقات کا کتنا اشتیاق[10] ہوگا، جس دن وہ اپنے دوستوں کے لیے تجلّی[11] فرمائے گا، کچھ اور پڑھیے، اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے، میں نے یہ آیت پڑھی: ﴿ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۝ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۝ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ۝ ﴾ چند آیتیں لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ تک یعنی سورۂ واقعہ کے پہلے رکوع کے ختم تک پڑھیں جن کا ترجمہ یہ ہے کہ ''ان (اعلیٰ درجہ والوں) کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے، یہ چیزیں لے کر ہمیشہ آتے جاتے رہیں گے، آبخورے[12] اور آفتابے[13] اور ایسے گلاس جو بہتی ہوئی شراب

حل لغات: ① آرام۔ ② عبادت۔ ③ بُت۔ ④ دیوار۔ ⑤ مراد پوری کرنا۔ ⑥ نیچے جمی ہوئی چیز۔ ⑦ بری شکل والا۔ ⑧ ہنس مکھ۔ ⑨ چمکتے ہوئے۔ ⑩ شوق۔ ⑪ جلوہ دکھانا۔ ⑫ پانی پینے کے لوٹے۔ ⑬ پانی کا ڈھکن والا برتن۔

سے بھرے گئے ہوں کہ نہ اس شراب سے ان کو سر کا درد ہوگا (یعنی چکر آئے گا) نہ عقل میں فتور[1] آئے گا اور ایسے میوے لے کر آئیں گے، جن کو یہ لوگ پسند کریں اور پرندوں کا گوشت جو ان کو مرغوب[2] ہو اور ان کے لیے خوبصورت بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی، جیسا کہ (حفاظت سے) پوشیدہ[3] رکھا ہوا موتی۔ یہ سب کچھ بدلہ ہے، ان اعمال کا جو وہ (دنیا میں) کیا کرتے تھے۔ (یہ لوگ جنت میں) نہ بک بک سنیں گے، نہ کوئی اور بے ہودہ بات، بس سلام ہی سلام کی آواز (ہر طرف سے) آئے گی اور (نمبر دو کے حضرات) جو داہنے والے ہیں (یعنی ان کے اعمال نامے داہنے ہاتھ میں ملے ہیں) وہ داہنے والے بھی کیسے اچھے آدمی ہیں، وہ ان باغوں میں رہیں گے، جہاں بغیر کانٹوں کی بیریاں ہوں گی اور تہہ بتہہ کیلے لگے ہوئے ہوں گے اور بہت لمبا سایہ ہوگا اور بہتا ہوا پانی ہوگا اور بہت کثرت سے میوے ہوں گے، جو نہ ختم ہوں گے اور نہ ان میں کسی قسم کی روک ٹوک ہوگی (جتنا جس کا دل چاہے کھائے) اور اونچے اونچے فرش[4] ہوں گے اور (ان کے لیے بھی عورتیں ہوں گی جن کو) ہم نے خاص طور سے بنایا یعنی ایسا بنایا کہ وہ (ہمیشہ ہمیشہ) کنواریاں ہی رہیں گی، (یعنی صحبت کے بعد پھر کنواری بن جائیں گی) اور (ناز[5] و انداز کے لحاظ سے) محبوبہ ہوں گی، (اور جنت والوں کی) ہم عمر ہوں گی اور یہ سب چیزیں داہنے والوں کے لیے ہیں۔ (ترجمہ ختم ہوا)۔

پھر وہ لڑکی مجھ سے کہنے لگی: میرا خیال ہے کہ تم نے بھی حوروں سے منگنی کی ہے، کچھ ان کے مہروں کے واسطے بھی خرچ کیا ہے؟ میں نے پوچھا کہ مجھے بتادے، ان کا مہر کیا ہوگا؟ میں تو فقیر آدمی ہوں؟ کہنے لگی: رات کو تہجد پڑھنا، دن کو روزہ رکھنا اور فقراء و مساکین سے محبت رکھنا۔ اس کے بعد اس باندی نے چھ شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے: "اے وہ شخص جو حوروں سے ان کے پردہ میں منگنی کرتا ہے اور ان کے عالی[6] مرتبہ کے باوجود ان کا طالب ہے، کوشش کے ساتھ کھڑا ہوجا، سُستی ہرگز نہ کر، نفس سے مجاہدہ کر، اس کو صبر کا عادی[7] بنا، رات کو تہجد پڑھا کر، دن کو روزہ رکھا کر، یہ ان کا مہر ہے، اگر تیری دونوں آنکھیں ان کو اس حال میں دیکھ لیں، جب کہ وہ تیری طرف متوجہ ہو رہی ہوں اور ان کے سینوں پر اناروں کی طرح سے ان کے پستان اُبھر رہے ہوں اور وہ اپنی ہم عمر لڑکیوں کے ساتھ چل رہی ہوں اور ان کے سینوں پر چمکتے ہوئے ہار پڑے ہوئے ہوں، تو اس وقت تیری نگاہ میں یہ دنیا کی جتنی زیب[8] و زینت ہے ساری ہی سبک[9] بن جائے۔

یہ اشعار پڑھ کر اس کو بیہوشی طاری ہوگئی، میں نے پھر اس کے چہرہ پر پانی وغیرہ چھڑکا تو اس کو

حل لغات: ① خرابی۔ ② پسند۔ ③ چھپا ہوا۔ ④ بستر۔ ⑤ نخرہ۔ ⑥ اونچے۔ ⑦ عادت ڈالنے والا۔ ⑧ چمک دمک۔ ⑨ ہلکی۔

واقعات

افاقہ[1] ہوا اور اس نے یہ شعر پڑھے:

إِلٰهِيْ لَا تُعَذِّبْنِيْ فَإِنِّيْ　　مُقِرٌّ بِالَّذِيْ قَدْ كَانَ مِنِّيْ

اے اللہ تعالیٰ تو مجھے عذاب سے بچائیو، بے شک میں اپنے گناہوں کا جو مجھ سے صادر ہوئے اقرار کرنے والی ہوں۔

فَكَمْ مِّنْ زَلَّةٍ لِيْ فِي الْخَطَايَا　　غَفَرْتَ وَأَنْتَ ذُوْفَضْلٍ وَّمَنٍّ

تو نے کتنی کثرت سے میری خطاؤں کی لغزشیں معاف فرمائی ہیں، تو بڑے فضل والا ہے، بڑے احسان والا ہے۔

يَظُنُّ النَّاسُ بِيْ خَيْرًا وَّإِنِّيْ　　لَشَرُّ النَّاسِ إِنْ لَّمْ تَعْفُ عَنِّيْ

لوگ مجھے اچھا آدمی گمان کرتے ہیں، لیکن اگر تو میری خطائیں معاف نہ کردے تو میں بدترین آدمی ہوں۔

وَمَالِيْ حِيْلَةٌ إِلَّا رَجَائِيْ　　لِعَفْوِكَ إِنْ عَفَوْتَ وَحُسْنَ ظَنِّيْ

میرے لیے کوئی تدبیر نہیں اس کے سوا کہ تیری بخشش کی امید ہے اور تیرے ساتھ مجھے حسنِ ظن[2] ہے (کہ تو ضرور کرم کرے گا)۔

یہ اشعار پڑھ کر اس باندی کو پھر غشی[3] ہوگئی، میں جو اس کے قریب پہونچا تو مر چکی تھی، مجھے اس کے انتقال کا بے حد صدمہ ہوا، میں اُٹھ کر بازار گیا کہ اس کی تجہیز وتکفین[4] کا سامان خرید کر لاؤں، جب میں بازار سے لوٹا تو وہ کفنی کفنائی خوشبو لگی ہوئی معطر نعش رکھی ہوئی تھی، دو سبز[5] کپڑوں میں اس کا کفن تھا، جو جنت کا لباس تھا، کفن میں دو سطریں نور سے لکھی ہوئی تھیں، پہلی سطر پر لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ لکھا ہوا تھا۔ دوسری پر یہ آیت ﴿أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ اللهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝﴾ [سورۂ یونس:۶۲] خبردار رہو کہ اللہ کے ولیوں کو نہ تو خوف ہوتا ہے نہ غمگین ہوتے ہیں، میں اور میرے ساتھی اس کے جنازہ کو اُٹھا کر لے گئے، جنازہ کی نماز پڑھ کر دفنا دیا اور اس کے قبر پر سورۂ یٰسین شریف پڑھ کر اپنے حجرہ میں چلا آیا، میری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، دل اس کے فراق[6] سے غمگین تھا، واپس آکر میں نے دو رکعت نماز پڑھی اور سو رہا، خواب میں دیکھا کہ وہ لڑکی جنت میں پھر رہی ہے، نہایت مہکتے ہوئے زعفران کے باغیچہ میں ہے، ریشم کے اور اِستبرق[7] کے جوڑے پہن رہی ہے، اس کے سر پر ایک موتیوں سے جڑا ہوا تاج ہے اور پاؤں میں سُرخ یاقوت[8] کے جوتے ہیں، مُشک

حل لغات: (۱) آرام۔ (۲) اچھا گمان۔ (۳) بے ہوشی۔ (۴) کفن دفن۔ (۵) ہرا۔ (۶) جدائی۔ (۷) ریشمی کپڑے کی ایک قسم۔ (۸) لال رنگ کا قیمتی پتھر۔

واقعات

وعَنبر کی خوشبو اس سے مہک رہی ہے، اس کا چہرہ شمس[1] و قمر سے زیادہ روشن ہے، میں نے کہا: اے لڑکی! ذرا ٹھہر۔ تُو یہ تو بتادے کہ یہ مرتبہ کس عمل کی بدولت تجھے ملا؟ کہنے لگی کہ فقراء اور مساکین کی محبت سے اور استغفار کی کثرت سے اور مسلمانوں کے راستہ میں سے تکلیف دینے والی چیز کے ہٹا دینے سے۔ پھر اس نے تین شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے: ”مبارک ہے وہ شخص جس کی آنکھیں راتوں کو جاگتی ہوں اور اپنے مالک کے عشق کی بے چینی میں رات گزار دے اور کسی دن اپنی کوتاہیوں پر نوحہ[3] کرلیا کرے اور اپنی خطاؤں پر رولیا کرے اور شب[4] کو اکیلا کھڑا ہو، اللہ کے عذاب کے خوف سے اختر شماری[5] کرتا ہو، اس حال کی حق تعالیٰ کی نگاہ حفاظت کر رہی ہو۔ [روض]

(۵۴) حضرت شیخ ابراہیم خوّاص رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ جب کہیں سفر کو تشریف لے جاتے نہ کسی سے تذکرہ کرتے، نہ کسی کو خبر ہوتی، ایک لوٹا ہاتھ میں لیا اور چل دیے۔ حامد اسود رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ایک مرتبہ میں بھی مسجد میں حاضر خدمت تھا، آپ رحمۃ اللہ علیہ حسب معمول لوٹا لے کر چل دیے، میں بھی پیچھے پیچھے ہولیا، جب ہم قادسیہ میں پہونچے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا: حامد کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں تو ہمرکابی[6] کے لیے چل پڑا۔ فرمایا: میرا ارادہ تو مکہ مکرمہ جانے کا ہے۔ میں نے عرض کیا: میں بھی ان شاء اللہ وہیں چلوں گا۔ جب ہم کو چلتے چلتے تین دن ہو گئے تو ایک نوجوان ہمارے ساتھ اور بھی ہولیا اور ایک دن رات وہ ہمارے ساتھ چلتا رہا، لیکن اس نے ایک بھی نماز نہ پڑھی۔

میں نے شیخ سے عرض کیا کہ یہ تیسرا آدمی جو ہمارے ساتھ مل گیا، نماز نہیں پڑھتا۔ شیخ نے اس سے پوچھا کہ تو نماز کیوں نہیں پڑھتا؟ اس نے کہا: میرے ذمہ نماز نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: کیوں؟ کیا تُو مسلمان نہیں ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ میں تو نصرانی[7] ہوں، لیکن میں نصرانیت میں بھی توکُّل پر گزر کرتا ہوں، میرے نفس نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ توکل میں پختہ[8] ہو گیا۔ میں نے اس کو جھٹلایا اور اس جنگل بیابان میں جہاں معبود کے سوا کوئی بھی نہیں ہے لا ڈالا، تا کہ اس کے دعوے کا امتحان کروں۔

شیخ اس کی یہ بات سن کر چل دیے اور مجھ سے فرمایا کہ اس سے تعرُّض[9] نہ کرو تمہارے ساتھ پڑا چلتا رہے۔ وہ ہمارے ساتھ چلتا رہا، یہاں تک کہ ہم بطن مَرّو پر پہونچے، وہاں شیخ نے اپنے میلے کپڑے بدن سے اتارے اور ان کو دھویا، پھر اس لڑکے سے پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے؟ اس نے کہا: عبدالمسیح، شیخ نے فرمایا: عبدالمسیح یہ مکہ کی دہلیز[10] ہے یعنی حرم آ گیا اور اللہ جلّ شانہٗ نے مشرکوں کا داخلہ اس میں ممنوع قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: ﴿اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ﴾ [سورۂ توبہ: ۲۸]

حل لغات: (۱) سورج چاند۔ (۲) کیوں۔ (۳) ماتم۔ (۴) رات۔ (۵) بے چینی میں رات گذارنا۔ (۶) سفر کا ساتھ۔ (۷) عیسائی۔ (۸) پکا۔ (۹) روک ٹوک۔ (۱۰) دروازہ۔

مشرکین ناپاک ہیں، یہ مسجد حرام کے قریب بھی نہ ہوں اور اپنے نفس کا جو تو امتحان کرنا چاہتا تھا، وہ تجھ پر ظاہر ہی ہوگیا، پس ایسا نہ ہو کہ تو مکہ میں داخل ہوجائے، اگر ہم تجھے وہاں دیکھیں گے تو اعتراض کریں گے۔

حامد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم اس کو وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گئے، مکہ مکرمہ پہونچے، اس کے بعد جب ہم عرفات پر پہونچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ لڑکا احرام باندھے ہوئے لوگوں کے منہ دیکھتا ہوا ہمارے پاس پہونچ گیا اور شیخ کے اوپر گر پڑا، شیخ نے پوچھا: عبدالمسیح کیا گزری؟ کیا ہوا؟ کہنے لگا: ایسا نہ کہو، اب میں عبدالمسیح نہیں ہوں، بلکہ اس کا غلام ہوں، جس کے حضرت مسیح علیہ السلام بھی غلام تھے، حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ اپنی سرگذشت[1] تو سناؤ۔ کہنے لگے کہ جب تم مجھے وہاں چھوڑ کر چلے آئے تو میں اسی جگہ بیٹھ گیا اور جب مسلمانوں کا ایک اور قافلہ آیا، تو میں بھی مسلمانوں کی طرح احرام باندھ کر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے ان کے ساتھ ہولیا، جب مکہ مکرمہ پہونچ کر بیت اللہ پر میری نظر پڑی، تو اسلام کے علاوہ جتنے مذاہب تھے، وہ سب ایک دم میری نگاہ سے گر گئے، میں نے غسل کیا، مسلمان ہوا اور احرام باندھا اور آج صبح سے تم کو ڈھونڈھتا پھرتا ہوں، اس کے بعد سے ہم اور وہ ساتھ ہی رہے، یہاں تک کہ صوفیہ ہی کی جماعت میں انتقال ہوا۔ [روض]

(۵۵) حضرت ابوسعید خرّاز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں تھا، ایک مرتبہ باب بنی شیبہ سے گزر رہا تھا کہ میں نے ایک نوجوان کی نعش رکھی ہوئی دیکھی، جو نہایت حسین چہرہ والا تھا، میں نے جو اس کے چہرہ کو غور سے دیکھا تو وہ تبسّم[2] کرتے ہوئے کہنے لگا، ابوسعید! تمھیں معلوم نہیں کہ عُشّاق[3] مرتے نہیں، بلکہ وہ زندہ ہی رہتے ہیں، اگرچہ ظاہر میں مَر جائیں ان کی موت ایک عالم سے دوسرے عالم میں انتقال ہوتا ہے۔

شیخ ابو یعقوب سُنُّوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک مُرید مکہ مکرمہ میں آیا اور کہنے لگا کہ اے استاد! میں کل کو ظہر کے وقت مَر جاؤں گا، یہ اَشرفی لے لیجیے، اس میں سے نصف[4] تو قبر کھودنے والے کی اُجرت[5] ہے اور نصف کفن وغیرہ کی قیمت ہے، جب دوسرے دن ظہر کا وقت آیا وہ مسجد حرام میں آیا اور طواف کیا اور تھوڑی دور جا کر مر گیا، میں نے اس کی تجہیز و تکفین[6] کی، جب اس کو قبر میں رکھا تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ میں نے کہا: کیا مرنے کے بعد بھی زندگی ہے؟ کہنے لگا: ہاں! میں زندہ ہوں اور اللہ جَلّ شانُہٗ کا ہر عاشق زندہ ہوتا ہے۔ [روض]

ہمارے اکابر میں حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حافظ

حل لغات: (۱) قصہ۔ (۲) مسکراہٹ۔ (۳) اللہ سے محبت کرنے والے۔ (۴) آدھا۔ (۵) مزدوری۔ (۶) کفن دفن۔

محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے صاحب تَصَرُّف[1] بزرگ تھے، ان کے تصرفات اور زُودؔ اثر[2] تعویذوں کے بہت سے قصے میں نے اپنے اکابر سے جنھوں نے ان کی زیارت کی اور ان کے تصرّفات دیکھے بکثرت سُنے ہیں۔

یہ قصہ میں نے اپنے ماموں مولوی محمود صاحب رام پوری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ انہوں نے انتقال سے ایک دن قبل[3] مولوی محمود صاحب سے فرمایا کہ ہمیں بہت سے چٹکلے معلوم ہیں، ایک تمہیں بھی بتادیں گے، گھر بیٹھے دوسو روپے ماہوار ملتے رہیں گے، کسی وقت پوچھ لینا، میں نے کہا: بہتر ہے، خیال کیا کہ کسی دن فرصت کے وقت پوچھ لوں گا، شام کو عصر کی نماز کے وقت جب تکبیر ہو رہی تھی، صف سے ذرا آگے منہ نکال کر میری طرف چپکے سے اشارہ کر کے فرمایا کہ وہ بات یاد رکھنا، پھر ہم چلے جائیں گے۔

مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ یہ کیا وقت اس کا تھا، دوسرے دن صبح کو دیو بند وغیرہ مُتَعَدَّد[4] جگہ احباب[5] کو خطوط لکھوائے، جس میں مختلف اُمور کے ساتھ یہ لفظ بھی تھا کہ میرا آج سفر کا ارادہ ہے، ہم لوگ یہ سمجھتے رہے کہ اکثر بھوپال قیام رہتا ہے، وہاں تشریف لے جانے کا ارادہ ہوگا یا کہیں اور۔ رعب کی وجہ سے ہر شخص ہر وقت بات کرنے کی جرأت[6] نہ کرتا تھا، اگر چہ طبع[7] مبارک میں مزاح[8] بے حد تھا، لیکن اس کے ساتھ ہی جلال بھی بہت تھا، شام کو عصر کی نماز پڑھ کر جب ہم سب گھر کی طرف چلے، وہ اکثر اوقات مسجد میں تشریف رکھا کرتے تھے، اس لیے مسجد میں رہ گئے، چند ہی قدم باہر چلے تھے کہ ایک شخص پیچھے سے دوڑا ہوا آیا کہ حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وصال[9] ہو گیا، ہم لوگ حیرت سے واپس ہوئے کہ ابھی سب کے ساتھ نماز پڑھی ہے، مسجد میں آ کر دیکھا تو چار پائی پر قبلہ رخ لیٹے ہوئے ہیں، لنگی جو ہمیشہ کا معمول تھی بندھ رہی ہے اور کرتہ نکلا ہوا سرہانے رکھا ہے رَحِمَهُ اللّٰهُ رَحْمَةً وَّاسِعَةً۔

---

(۵۲) سعید بن اَبی عَروبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حجّاج ثقفی (جس کا ظلم وستم شہرۂ آفاق[10] ہے) جب حج کو گیا تو راستہ میں ایک جگہ منزل پر خادموں سے ناشتہ طلب کیا اور اپنے دربان سے کہا کہ دیکھ یہاں کوئی مقامی آدمی ہو تو اس کو میرے ساتھ کھانا کھانے کے لیے بلا لا، تا کہ میں اس سے یہاں کے حالات کی تحقیق کروں، وہ گیا اور پہاڑ پر ایک بدّو[11] دو چادروں میں پڑا ہوا سو رہا تھا، اس کو لات مار کر اٹھایا کہ چل تجھ کو امیر بلا رہے ہیں، وہ آیا تو حجّاج نے کہا کہ ہاتھ دھو کر میرے ساتھ کھانے میں شریک ہو جاؤ، اس بدّو نے کہا کہ مجھے اس نے دعوت دے رکھی ہے جو تجھ سے بھی افضل ہے، حجّاج نے کہا وہ کون؟ کہنے لگا کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے مجھے روزہ کی دعوت دی ہے۔ حجّاج کہنے لگا: ایسی سخت گرمی میں روزہ؟ بدّو نے

حل لغات: (۱) کرامت والے۔ (۲) جلدی اثر کرنے والے۔ (۳) پہلے۔ (۴) بہت سی۔ (۵) دوستوں۔ (۶) ہمت۔ (۷) طبیعت۔ (۸) مذاق، دل لگی۔ (۹) انتقال۔ (۱۰) دنیا بھر میں مشہور ہونا۔ (۱۱) دیہاتی۔

واقعات

کہا: ہاں! ایسے دن کے لیے جو اس سے بھی زیادہ سخت گرم ہوگا، حجّاج نے کہا: آج افطار کرلو، کل قضا رکھ لینا، بدّو نے کہا: اگر تم اس کا ذمہ لو کہ میں کل تک زندہ رہوں گا تو میں افطار کرلوں۔ حجّاج نے کہا: اس کا کون ذمہ لے سکتا ہے۔ کہنے لگا: تو پھر نقد کو ایسے اُدھار پر مُحَوَّل کرتا ہے، جس کا ذمہ بھی نہیں لیتا۔ حجّاج نے کہا: یہ کھانا بہت لذیذ ہے، بدّو نے کہا کہ نہ تم نے اس کو لذیذ بنایا، نہ باروچی نے، بلکہ تندرستی نے اس کو اچھا کر رکھا ہے۔

مصنف نے دو شعروں میں اس کی توضیح[۲] کی ہے کہ "کھانے کو باروچی اچھا نہیں کرتا، بلکہ تندرستی سے کھانا اچھا ہوتا ہے" اگر میری صحت اچھی نہیں تو کوئی بھی کھانا لذیذ نہیں اور صحت اچھی ہے تو ساری کھانے کی چیزیں لذیذ ہیں۔ [روض]

---

(۵۷) حجّاج بن یوسف جب حج کو گیا تو ایک شخص کو دیکھا کہ اس کی موجودگی میں کعبہ کے گرد زور سے لبیک کہتا ہوا طواف کر رہا ہے۔ حجّاج نے کہا کہ اس شخص کو میرے پاس پکڑ کر لاؤ، وہ حاضر کیا گیا، حجّاج نے پوچھا: تُو کن لوگوں میں سے ہے؟ اس نے کہا: مسلمانوں میں سے۔ حجّاج نے کہا: میں یہ نہیں پوچھتا۔ اس نے کہا اور کیا مقصد ہے؟ حجّاج نے کہا: کس شہر کا رہنے والا ہے؟ اس نے کہا: یمن کا۔ حجّاج نے پوچھا کہ تو نے محمد بن یوسف (جو حجّاج کا حقیقی بھائی تھا) کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ کہنے لگا: بہت موٹا تازہ کثرت سے کپڑے پہننے والا۔ بہت کثرت سے سواری پر پھرنے والا۔ کبھی شہر کے اندر کبھی شہر کے باہر گھومنے والا۔ حجّاج نے کہا: میرا یہ سوال نہیں۔ اس نے کہا اور کیا مقصد ہے؟ حجّاج نے کہا: اس کی عادتیں کیسی ہیں؟ کہنے لگا: بڑا ظالم، بڑا جابر، مخلوق کا مطیع[۳]، خالق کا گنہگار۔

حجّاج نے کہا: تجھے ایسی سخت باتیں کہنے کی کیسے ہمت ہوئی؟ جب کہ تو اس کا مرتبہ میری نگاہ میں (رشتہ داری کی وجہ سے) جانتا ہے۔ اس نے کہا: کیا اس کا مرتبہ تیری نگاہ میں اس سے زیادہ ہے، جو میرا مرتبہ اللہ جلّ شانہٗ کی نگاہ میں ہے، میں اس کے گھر کی زیارت کے واسطے آیا ہوں، اس کے نبی کی تصدیق کرنے والا ہوں، اس کا فرض ادا کر رہا ہوں، اس کے دین کی اطاعت کر رہا ہوں، یہ سُن کر حجّاج چُپ ہوگیا، کچھ جواب نہ دے سکا، وہ آدمی واپس چلا گیا اور کعبہ کا پردہ پکڑ کر کہنے لگا: اے اللہ! تجھی سے پناہ مانگتا ہوں اور تجھی کو جائے پناہ بناتا ہوں، اے اللہ! تیری کُشائش[۴] ہی قریب ہے اور تیرا ہی احسان قدیم ہے اور تیری ہی عادات بہترین ہیں۔ [روض]

---

(۵۸) ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ طواف کر رہا تھا، دفعۃً میں نے ایک لڑکی کو دیکھا کہ اس کے کاندھے پر ایک بچہ بہت کمسن بیٹھا ہے اور وہ یہ ندا[۵] کر رہی ہے۔ "اے کریم اے کریم! تیرا گذرا ہوا

حل لغات: (۱) پھیرنا۔ (۲) وضاحت۔ (۳) فرمانبرداری کرنے والا۔ (۴) کشادگی۔ (۵) پکارنا۔

زمانہ (یعنی کیسا موجبِ شکر ہے) میں نے پوچھا: وہ کیا چیز ہے؟ جو تیرے اور مولیٰ کے درمیان گزری، کہنے لگی کہ میں ایک مرتبہ کشتی پر سوار تھی اور تاجروں کی ایک جماعت ہمارے ساتھ تھی، طوفانی ہوا ایسے زور سے آئی کہ وہ کشتی غرق ہوگئی اور سب کے سب ہلاک ہوگئے، میں اور یہ بچہ ایک تختہ پر رہ گئے اور ایک حبشی آدمی دوسرے تختہ پر، ہم تین کے سوا کوئی بھی ان میں سے نہ بچا، جب صبح کا چاندنا ہوا تو اس حبشی نے مجھے دیکھا اور پانی کو ہٹاتا ہٹاتا میرے تختہ کے پاس پہونچ گیا اور جب اس کا تختہ میرے تختہ کے ساتھ مل گیا تو وہ بھی میرے تختہ پر آ گیا اور مجھ سے بُری بات کی خواہش کرنے لگا۔ میں نے کہا: اللہ سے ڈر! ہم کس مصیبت میں مبتلا ہیں، اس سے خلاصی اس کی بندگی سے بھی مشکل ہو رہی ہے، چہ جائیکہ اس کا گناہ ایسی حالت میں کریں۔ کہنے لگا: ان باتوں کو چھوڑ، خدا کی قسم یہ کام ہو کر رہے گا۔ یہ بچہ میری گود میں سو رہا تھا، میں نے چپکے سے ایک چٹکی اُس کے بھر لی، جس سے یہ ایک دَم رونے لگا۔ میں نے اس سے کہا: اچھا ذرا ٹھہر جا، میں اس بچہ کو سلا دوں، پھر جو مُقدّر میں ہوگا ہو جائے گا، اس حبشی نے اس بچہ کی طرف ہاتھ بڑھا کر اس کو سمندر میں پھینک دیا۔ میں نے اللہ پاک سے کہا: اے وہ پاک ذات! جو آدمی کے اور اس کے دِلی ارادہ میں بھی حائل ہو جاتی ہے، میرے اور اس حبشی کے درمیان تُو ہی اپنی طاقت اور قدرت سے جدائی کر، بے تردُّد تُو ہر چیز پر قادر ہے۔ خدا کی قسم! میں ان الفاظ کو پورا بھی نہ کرنے پائی تھی کہ سمندر سے ایک بہت بڑے جانور نے منہ کھولے ہوئے سر نکالا اور اس حبشی کا ایک لقمہ بنا کر سمندر میں گھس گیا اور مجھے اللہ جلّ شانہٗ نے محض اپنی طاقت اور قدرت سے اس حبشی سے بچایا، وہ ہر چیز پر قادر ہے، پاک ہے اس کی بڑی شان ہے، اس کے بعد سمندر کی موجیں مجھے تھپیڑتی رہیں، یہاں تک کہ وہ تختہ ایک جزیرہ کے کنارہ سے لگ گیا، میں وہاں اُتر پڑی اور یہ سوچتی رہی کہ یہاں گھاس کھاتی رہوں گی پانی پیتی رہوں گی، جب تک اللہ جلّ شانہٗ کوئی سہولت کی صورت پیدا کرے، اسی کی مدد سے کوئی صورت ہو سکتی ہے۔

چار دن مجھے اس جزیرہ میں گزر گئے، پانچویں دن مجھے ایک بڑی کشتی سمندر میں چلتی ہوئی نظر آئی، میں نے ایک ٹیلہ پر چڑھ کر اس کشتی کی طرف اشارہ کیا اور کپڑا جو میرے اوپر تھا اس کو خوب ہلایا، اس میں سے تین آدمی ایک چھوٹی سی ناؤ پر بیٹھ کر میرے پاس آئے، میں ان کے ساتھ اس ناؤ پر بیٹھ کر اس کشتی پر پہونچی تو میرا یہ بچہ جس کو حبشی نے سمندر میں پھینک دیا تھا، ان میں سے ایک آدمی کے پاس تھا، میں اس کو دیکھ کر اس پر گر پڑی، میں نے اس کو چوما، گلے سے لگایا اور میں نے کہا کہ یہ میرا بچہ ہے،

حل لغات: (۱) شکر کے لائق۔ (۲) ڈوبنا۔ (۳) اُجالا۔ (۴) چھٹکارا۔ (۵) آڑ، بیچ میں آنے والا۔ (۶) بے شک، یقیناً۔ (۷) ادھر سے ادھر دھکیلنا۔

واقعات

میرا جگر پارہ ہے، وہ کشتی والے کہنے لگے: تُو پاگل ہے، تیری عقل ماری گئی ہے۔ میں نے کہا: نہ میں پاگل، نہ میری عقل ماری گئی، میرا عجیب قصہ ہے۔

پھر میں نے ان کو اپنی سرگُذشت[1] سنائی، یہ ماجرا سن کر سب نے حیرت سے سر جھکا لیا اور کہنے لگے: تُو نے بڑی حیرت کی بات سنائی اور اب ہم تجھے ایسی ہی بات سنائیں، جس سے تجھے تعجب ہوگا، ہم اس کشتی میں بڑے لطف[2] سے چل رہے تھے، ہوا موافق تھی، اتنے میں ایک جانور سمندر کے پانی کے اوپر آیا، اس کی پُشت[3] پر یہ بچہ تھا اور اس کے ساتھ ہی ایک غیبی آواز ہم نے سُنی کہ اگر اس بچہ کو اس کی پُشت پر سے اُٹھا کر اپنے ساتھ نہ لیا تو تمہاری کشتی ڈبودی جائے گی، ہم میں سے ایک آدمی اٹھا اور اس بچہ کو اس کی پشت پر سے اُٹھالیا اور وہ جانور پھر پانی کے اندر چلا گیا، تیرا واقعہ اور یہ واقعہ دونوں بڑی حیرت کے ہیں اور اب ہم سب عہد کرتے ہیں کہ آج کے بعد سے اللہ جلّ شانُہٗ ہمیں کبھی کسی گناہ پر نہ دیکھے گا۔

اس کے بعد ان سب نے توبہ کی وہ پاک ذات کتنی مہربان ہے، بندوں کے احوال کی خبر رکھنے والی ہے، بہترین احسانات کرنے والی ہے، وہ پاک ذات مصیبت زدوں کی مصیبت کے وقت مدد کو پہونچنے والی ہے۔ [روض]

(۵۹) حضرت ابوعمر وزجاجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حج کے ارادہ سے چلا اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا، انہوں نے ایک درم مجھے عطا فرمایا، میں نے اس کو اپنے کمر بند میں باندھ لیا، اس کے بعد جس جگہ بھی پہونچا، خود بخود میرا انتظام ہوتا چلا گیا، جب حج سے فارغ ہو کر حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ہاتھ پھیلا دیا اور فرمایا کہ لاؤ ہمارا درم، میں نے خدمت میں پیش کر دیا، فرمایا: اس کی مہر کیسی پائی؟ میں نے کہا: بڑی چالو۔ [روض]

(۶۰) شیخ یوسف بن حمدان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں بصرہ کے راستہ سے مکہ مکرمہ کو چلا، فقراء کی ایک جماعت میرے ساتھ تھی، ان میں ایک جوان تھا، جس کی بہترین صحبت اور اوقات کی حفاظت اور ذکر میں ہر وقت کی مشغولی سے مجھے اس پر رشک آتا تھا، وہ ہر وقت اللہ کے ذکر و مناجات میں مشغول رہتا، جب ہم مدینہ طیبہ پہونچے تو وہ جوان بیمار ہوا اور سخت بیمار ہو کر ہم سے جدا ہو گیا، ایک دن میں اپنے چند رفقاء[4] کو ساتھ لے کر اس کی بیمار پُرسی[5] کو گیا، ہم نے جب اس کی حالت اور بیماری کی شدت دیکھی، تو ہم میں سے بعض نے مشورہ دیا کہ اس وقت کسی طبیب[6] کی طرف رجوع کرنا چاہیے کہ اس کی بیماری کی تشخیص[7] کرے، شاید کوئی دوا مفید ہو جائے، اس جوان نے یہ گفتگو سُن کر آنکھیں کھول دیں اور مسکرایا اور کہنے لگا: بزرگو اور دوستو! موافقت کے بعد مخالفت کس قدر بُری چیز ہے، جب اللہ جلّ شانُہٗ کسی بندے کے

حل لغات: (۱) کہانی۔ (۲) مزے۔ (۳) پیٹھ۔ (۴) ساتھی۔ (۵) بیمار کی خبر لینا۔ (۶) ڈاکٹر۔ (۷) جانچ۔

لیے ایک حال کو پسند کرے اور بندہ دوسری حالت کی کوشش کرے تو کیا یہ اللہ کے ارادہ کی مخالفت نہیں ہے، ہم لوگ اس کی بات سے شرمندہ ہوئے، پھر اس نے ہمیں دیکھا اور کہنے لگا کہ اگر عشق کے مارے ہوئے کی بیماری کے لیے کوئی دوا کسی صحت پائے ہوئے کے پاس تمہیں ملے تو عشق کے بیمار کے لیے دوا طلب کرو، باقی یہ بیماریاں تو بدن کی پاکی اور گناہوں کا کفّارہ ہیں، آخرت کو یاددلانیوالی ہیں اور عشق کے مارے ہوئے کی بیماری نفس کا مشاہدہ اور خواہشات کا اتباع ہے، پھر اس نے تین شعر پڑھے، جن کا ترجمہ یہ ہے: ''اللہ کے ہاتھ میں میری دوا ہے اور وہی میری بیماری سے واقف ہے، میں اپنے نفس پر خواہشات کے اتباع سے ظلم کررہا ہوں، جب کسی بیماری کی دوا کرتا ہوں، تو مرض میری دوا پر غالب ہوجاتا ہے''۔ [روض]

(۹۱) ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ مجھ پر ایک مرتبہ قبض (دل تنگی) اور خوف کا شدید غلبہ ہوا، میں پریشان حال ہوکر بغیر سواری اور توشہ[۱] کے مکّہ مکرّمہ چل دیا، تین دن تک اسی طرح بغیر کھائے پیے چلتا رہا، چوتھے دن مجھے پیاس کی شدّت سے اپنی ہلاکت کا اندیشہ ہوگیا اور جنگل میں کہیں سایہ دار درخت کا بھی پتہ نہ تھا کہ اس کے سایہ میں ہی بیٹھ جاتا، میں نے اپنے آپ کو اللہ کے سُپرد کردیا اور قبلہ کی طرف منہ کرکے بیٹھ گیا اور مجھے نیندسی آگئی تو میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا کہ میری طرف ہاتھ بڑھا کر فرمایا: لاؤ! ہاتھ بڑھاؤ، میں نے ہاتھ بڑھایا، انہوں نے مجھ سے مصافحہ کیا اور فرمایا تمہیں خوشخبری دیتا ہوں کہ تم صحیح سالم حج بھی کروگے اور قبر اطہر کی زیارت بھی کروگے، میں نے کہا: اللہ آپ پر رحم کرے، آپ کون ہیں؟ فرمایا: میں خضر ہوں، میں نے عرض کیا کہ میرے لیے دعا کیجیے۔ فرمایا: یہ الفاظ تین مرتبہ کہو: يَالَطِيفًا بِخَلْقِهٖ يَاعَلِيمًا بِخَلْقِهٖ يَاخَبِيرًا بِخَلْقِهٖ اُلْطُفْ بِيْ يَالَطِيفُ يَاعَلِيمُ يَاخَبِيرُ ''اے وہ پاک ذات جو اپنی مخلوق پر مہربان ہے، اپنی مخلوق کے حال کو جانتا ہے، ان کی ضروریات سے باخبر ہے، تو مجھ پر لطف ومہربانی فرما۔ اے لطیف اے علیم اے خبیر''۔

پھر فرمایا کہ یہ ایک تحفہ ہے، جو ہمیشہ کام آنے والا ہے، جب تجھے کوئی ضیق[۲] پیش آئے یا کوئی آفت نازل ہو تو ان کو پڑھ لیا کر، تو تنگی رفع[۳] ہوجائے گی اور آفت سے خلاصی[۴] ہوگی، یہ کہہ کر وہ تو غائب ہوگئے، مجھے ایک شخص نے یا شیخ یا شیخ کہہ کر آواز دی، میں اس کی آواز سے نیند سے جاگا تو وہ شخص اونٹنی پر سوار تھا، مجھ سے پوچھنے لگا کہ ایسی صورت ایسے حُلیہ کا کوئی نوجوان تو تم نے نہیں دیکھا، میں نے کہا کہ میں نے تو کسی کو نہیں دیکھا، کہنے لگا: ہمارا ایک نوجوان سات دن ہوگئے، گھر سے چلا گیا، ہمیں یہ خبر ملی کہ وہ حج کو جارہا ہے۔

حل لغات: (۱) سفر کا کھانا۔ (۲) تنگی۔ (۳) دور۔ (۴) نجات۔

واقعات

پھر اس سوار نے مجھ سے پوچھا کہ تم کہاں کا ارادہ کر رہے ہو؟ میں نے کہا: جہاں اللہ تعالیٰ لے جائے، اس نے اپنی اونٹنی بٹھائی اور اس سے اُتر کر ایک توشہ دان① میں سے دو روٹیاں سفید جن کے درمیان میں حلوا رکھا ہوا تھا، نکالیں اور اونٹ پر سے پانی کا مشکیزہ اُتارا اور مجھے دیا، میں نے پانی پیا اور ایک روٹی کھائی، وہی مجھے کافی ہوگئی، پھر اس نے مجھے اپنے پیچھے اونٹ پر سوار کر لیا، ہم دو رات اور ایک دن چلے، تو قافلہ ہمیں مل گیا، وہاں اس نے قافلہ والوں سے اس جوان کا حال دریافت کیا، معلوم ہوا کہ وہ قافلہ میں ہے۔

وہ مجھے وہاں چھوڑ کر تلاش میں گیا، تھوڑی دیر کے بعد جوان کو ساتھ لیے ہوئے میرے پاس آیا اور اس سے کہنے لگا کہ بیٹا! اس شخص کی برکت سے اللہ جَلَّ شانُہٗ نے تیری تلاش مجھ پر آسان کر دی، میں ان دونوں کو رخصت کر کے قافلہ کے ساتھ چل دیا، پھر مجھے وہ آدمی ملا اور مجھے ایک لپٹا ہوا کاغذ دیا اور میرے ہاتھ چوم کر چلا گیا، میں نے جو اس کو دیکھا تو اس میں پانچ اَشرفیاں تھیں، میں نے اس میں سے اونٹ کرایہ کیا اور اسی سے کھانے پینے کا انتظام کیا اور حج کیا اور اس کے بعد مدینہ طیبہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کی زیارت کی اس کے بعد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی قبر مبارک کی زیارت کی اور جب کبھی کوئی تنگی یا آفت پیش آئی تو حضرت خضر علیہ السلام کی بتائی ہوئی دعا پڑھی، میں اُن کی فضیلت اور ان کے احسان کا مُعتَرِف② ہوں اور اس نعمت پر اللہ پاک کا شکر گزار ہوں۔ [روض]

(۶۲) ایک بزرگ حضرت خضر علیہ السلام سے اپنی ملاقات کا بہت طویل③ قصہ نقل کرتے ہیں، آخر میں حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں صبح کی نماز مکہ مکرمہ میں پڑھتا ہوں اور طلوعِ④ آفتاب تک حطیم میں رکنِ شامی کے قریب بیٹھتا ہوں اور ظہر کی نماز مدینہ طیبہ میں پڑھتا ہوں اور عصر کی بَیْتُ الْمُقَدَّس میں اور مغرب کی طورِ سینا پر اور عشاء کی سدِ سکندری پر۔ [روض]

(۶۳) ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں بعض رُفقاء⑤ کے ساتھ عَدَن سے چلا، جب رات ہوئی تو میرے پاؤں میں کوئی چیز لگ گئی، جس کی وجہ سے میں چل نہ سکا، تنہا سمندر کے کنارہ بیٹھا رہ گیا، میں دن بھر کا روزہ دار تھا اور کھانے کی کوئی چیز میرے پاس نہ تھی، میں نے اسی حال میں سونے کا ارادہ کر لیا، دفعتہً میرے سامنے دو روٹیاں ان میں ایک پرندہ بھُنا ہوا رکھا تھا، آگئیں، میں نے پرندہ کو اُٹھا کر الگ کو رکھ دیا کہ ایک کالا حبشی میرے سامنے آیا، اس کے ہاتھ میں لوہے کا گُرز تھا، مجھ سے کہنے لگا: او ریاکار! کھالے، میں نے ایک روٹی اور تھوڑا سا پرندہ کھایا اور باقی ایک کپڑے میں لپیٹ کر اپنے سرہانے رکھ کر سو گیا، جب میری آنکھ کھلی تو دیکھا کپڑا اسی طرح میرے سر کے نیچے رکھا ہوا ہے اور خالی ہے نہ روٹی نہ پرندہ۔ [روض]

حل لغات: ① کھانا رکھنے کا برتن۔ ② اقرار کرنے والا۔ ③ لمبا۔ ④ سورج کا نکلنا۔ ⑤ ساتھی۔

(۶۴) ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ صُلحاء[1] کی ایک جماعت کے ساتھ میں ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں بیٹھا ہوا تھا، ہم میں ایک ہاشمی بزرگ بھی تھے، اُن پر غشی[2] سی طاری ہوئی، جب ان کو افاقہ[3] ہوا تو کہنے لگے: میں نے جو کچھ دیکھا وہ تم نے بھی دیکھا؟ ہم نے کہا: ہمیں تو کچھ نظر نہیں آیا۔ کہنے لگے کہ میں نے فرشتوں کو دیکھا کہ احرام باندھے ہوئے طواف کر رہے ہیں، میں نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ کہنے لگے کہ ہم فرشتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ تمہاری محبت حق تعالیٰ شانُہٗ سے کیسی ہے؟ کہنے لگے: ہماری محبت اندر سے ہے اور تمہاری محبت باہر سے ہے۔ [روض]

(۶۵) شیخ ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک سال تجرید[4] کے ساتھ حج کا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت کا ارادہ کیا۔ میں چل رہا تھا، راستہ میں ایک نوجوان عراقی ملا۔ جس کی جوانی زوروں پر تھی، وہ بھی اسی طرح سفر کا ارادہ کر رہا تھا، لیکن جب وہ قافلہ کے ساتھ چلتا تو قرآن پاک کی تلاوت کرتا رہتا اور جب منزل پر قافلہ ٹھہرتا تو وہ نماز میں مشغول ہو جاتا، رات بھر نماز پڑھتا دن بھر روزہ رکھتا، اس نے سارا راستہ اسی طرح طے کیا، حتیٰ کہ ہم مکّہ مکرّمہ پہونچ گئے، تو وہ جوان مجھ سے رخصت ہونے لگا، میں نے اس سے پوچھا کہ بیٹا! کس چیز نے تجھے ایسے سخت مجاہدہ پر آمادہ کیا؟ جو میں سارے راستہ دیکھتا چلا آیا۔

کہنے لگا: ابوسلیمان میں نے خواب میں جنت کا ایک محل دیکھا کہ وہ سارا اس طرح بنا ہوا تھا کہ اس کی ایک اینٹ سونے کی، پھر ایک اینٹ چاندی کی، اوپر تک اس کے بالا خانے بھی، اسی طرح بنے ہوئے تھے اور ان میں ہر دو برجیوں کے درمیان ایک ایک حور ایسی تھی کہ اس کا سا حسن و جمال اور اس کی سی چہرہ کی رونق کسی نے نہ دیکھی ہوگی، اُن کی زلفیں سامنے لٹک رہی تھیں، ان میں سے ایک مجھے دیکھ کر ہنسنے لگی تو اس کے دانتوں کی روشنی سے جنت چمکنے لگی، اس نے کہا: اے جوان! اللہ جلّ شانُہٗ کے لیے مجاہدہ کرتا کہ میں تیرے لیے ہو جاؤں تو میرے لیے پھر میری آنکھ کھل گئی، یہ میرا قصہ ہے۔ اب مجھ پر ضروری ہے کہ میں انتہائی کوشش کروں اور جو کوشش کرتا ہے، وہ پا لیتا ہے، یہ تم نے جو کچھ میرا مجاہدہ دیکھا ہے، اس حور سے منگنی کے واسطے ہے، میں نے اس سے دعا کی درخواست کی، وہ میرے لیے دعا کر کے چلا گیا۔

ابوسلیمان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اس کے جانے کے بعد میں نے اپنے نفس کو کہا کہ ایک حور کی طلب میں اگر اتنی کوشش ہو سکتی ہے تو حور کے رب کی طلب میں کیسی کوشش ہونا چاہیے۔ [روض]

(۶۶) حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ کے ارادہ سے ایک جنگل میں چل رہا

حل لغات: (۱) نیک لوگ۔ (۲) بے ہوشی۔ (۳) آرام۔ (۴) اکیلا، تنہائی۔

واقعات

تھا، مجھے پیاس کی ایسی سخت شدت ہوئی کہ میں اس سے عاجز ہوگیا، قریب ہی ایک قبیلہ بنی مخزوم میں گیا، وہاں میں نے ایک بہت کمسن لڑکی کو جو نہایت ہی حسین تھی، دیکھا کہ وہ اشعار کے ساتھ گنگنا رہی تھی، مجھے اس کی عمر کے لحاظ سے اس سے بہت تعجب ہوا، اس لیے کہ وہ بہت کم عمر تھی، میں نے اس سے کہا کہ تجھے حیا[1] نہیں آتی یوں گا رہی ہے، کہنے لگی: ذوالنون چپ رہو، رات میں نے خوشی خوشی شرابِ عشق کا ایک گلاس پیا ہے، جس سے میں اپنے مولیٰ کے عشق میں نشہ میں ہوں، میں نے کہا: تو تو بڑی حکیم معلوم ہوتی ہے، مجھے کچھ نصیحت کر، کہنے لگی: ذوالنون چپ رہنے کو لازم کرلو اور دنیا میں سے صرف اتنی روزی پر قناعت[2] کرو، جس سے آدمی زندہ رہے تاکہ جنت میں اس پاک ذات کی زیارت ہو سکے جس کو کبھی فنا[3] نہیں''۔

میں نے پوچھا: یہاں پینے کا پانی بھی ہے؟ کہنے لگی: تجھے پانی کی جگہ بتاؤں؟ میں نے سوچا کوئی کنواں چشمہ وغیرہ بتائے گی؟ میں نے کہا: ہاں بتاؤ۔ کہنے لگی: قیامت میں پانی پینے والوں کے چار درجے ہوں گے۔ ایک جماعت تو وہ ہوگی جس کو فرشتے پانی پلائیں گے، جس کو حق تعالیٰ شانہٗ نے ﴿ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴾ [سورۂ صافات: ۴۶] میں ارشاد فرمایا، میں ہے کہ ان کے پاس بہتی ہوئی شراب کا گلاس لایا جائے گا، ''جو سفید ہوگی پینے والوں کے لیے لذیذ ہوگی''۔

دوسری جماعت کو رضوان (جنت کے ناظم) پلائیں گے، جس کو اللہ جلّ شانہٗ نے ﴿ وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ﴾ سے تعبیر فرمایا (جو عَمَّ کے پارہ میں سورۂ تطفیف میں ہے کہ اس کی آمیزش[4] تسنیم سے ہوگی، جو ایک چشمہ ہے، جس سے مقرب آدمی پیتے ہیں) اور تیسرا فرقہ وہ ہے جس کو خود حق سُبحانہٗ وتقدّس پلائیں گے، جس کو اللہ جلّ شانہٗ نے ﴿ وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴾ سے تعبیر فرمایا (جو سورۂ دھر میں ہے کہ ان کا رب ان کو پاکیزہ شراب پلائے گا) وہ لڑکی کہنے لگی کہ ذوالنون تم اپنا بھید دنیا میں اپنے مولیٰ کے سوا کسی سے نہ کہو تاکہ حق تعالیٰ شانہٗ تمہیں آخرت میں خود پانی پلائیں۔

مصنف کہتے ہیں کہ شروع میں چار جماعتوں کا ذکر تھا، آخر میں تین ہی ذکر کی گئیں، شاید چوتھی جماعت وہ ہے جن کو نوعمر لڑکے پلائیں گے جس کو ﴿ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۝ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۝ ﴾ سے تعبیر کیا، جو سورۂ واقعہ میں ہے کہ ان کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے، یہ چیزیں لے کر آمد و رفت رکھیں گے، آبخورے[5] اور آفتابے[6] اور ایسا جامِ شراب جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جائے گا۔ [روض]

حل لغات: (۱) شرم۔ (۲) تھوڑی چیز پر خوشی رہنا۔ (۳) ختم ہونا۔ (۴) ملاوٹ۔ (۵) پانی پینے کے لوٹے۔ (۶) پانی کا ڈھکن والا برتن۔

(۹۷) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر ایک مرتبہ چند لوگ حاضر تھے، ایک باندی گزری، لوگوں نے کہا کہ یہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی باندی ہے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں یہ امیر المومنین کی نہیں ہے، نہ اس کے لیے حلال ہے، یہ بیت المال کی ہے، اس کو بیت المال سے صرف یہ چیزیں جائز ہیں، ایک جوڑا گرمی کا ایک سردی کا اور وہ چیز جس سے حج اور عمرہ کر سکے اور ایک مُتوسّط[۱] آدمی کی روزی جو نہ زیادہ امیر ہو، نہ زیادہ غریب، اسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رغبت تازہ مچھلی کی معلوم ہوئی، آپ کے غلام یرفا رضی اللہ عنہ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر سمندر کے کنارے سے مچھلی خرید کر لائے اور تیز آمد و رفت کی وجہ سے اونٹنی کو پسینہ آ گیا، انہوں نے واپس آ کر اونٹنی کو خوب دھو دیا کہ پسینہ معلوم نہ ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ چلو، تمہاری اونٹنی کو دیکھیں تشریف لائے تو اس کے کان کے نیچے پسینہ تھا، جو دھونے سے رہ گیا تھا، اس کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ دھونا بھول گئے (گویا یہ طعن تھا کہ اس کا پسینہ صاف کر دیا) اس کے بعد فرمایا کہ ایک آدمی کی خواہش نفس کے واسطے تم نے اس جانور کو عذاب میں مبتلا کیا، عمر اس مچھلی کو واللہ بالکل نہیں چکھے گا۔ عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کو گیا، آپ رضی اللہ عنہ کے لیے نہ خیمہ لگتا تھا نہ چھولداری[۲] ایک چادر یا چمڑہ کسی درخت کے نیچے ڈال دیا جاتا، اس کے سایہ میں آپ رضی اللہ عنہ تشریف رکھتے۔ [تاریخ الخلفاء]

(۹۸) حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ مشہور بزرگ ہیں، عرفات کے میدان میں لوگ تو سب کے سب کثرت سے دعائیں مانگ رہے تھے اور وہ ایسی بُری طرح رو رہے تھے جیسے کسی عورت کا بچہ مر گیا ہو اور وہ آگ میں جل رہی ہو، جب غروب کا وقت ہونے لگا تو اپنی داڑھی پکڑ کر آسمان کی طرف منہ اُٹھایا اور فرمانے لگے، اگر تو معاف بھی کر دے تب بھی میری بدحالی پر انتہائی افسوس ہے۔ [احیاء:۴]

ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی محاضرات میں اس قصہ کو نقل کیا اور اس پر یہ اضافہ کیا کہ مُطرِّف یہ دعا کر رہے تھے۔ "اے اللہ! میری موجودگی کی وجہ سے ان سب کو تو محروم نہ فرما اور بکر بن عبد اللہ کہہ رہے تھے، یہ عرفات کا میدان کس قدر اشرف مقام ہے اور اس کے حاضرین کے لیے کس قدر باعث[۳] رضا ہے اگر میرا وجود یہاں نہ ہوتا۔

(۹۹) ربیع بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں حج کے لیے جا رہا تھا، میرے ساتھ میرے بھائی تھے اور ایک جماعت تھی، جب ہم کوفہ میں پہونچے تو وہاں ضروریاتِ سفر خریدنے کے لیے میں بازاروں میں گھوم رہا تھا کہ ایک ویران سی جگہ میں ایک خچر مرا ہوا پڑا تھا اور ایک عورت جس کے کپڑے بہت پُرانے بوسیدہ تھے، چاقو لیے ہوئے اس کے ٹکڑے گوشت کے کاٹ کاٹ کر ایک زنبیل[۴] میں رکھ رہی

حل لغات: (۱) درمیانی درجہ کا۔ (۲) چھوٹا سا خیمہ۔ (۳) خوشی کا سبب۔ (۴) تھیلی۔

تھی، مجھے یہ خیال ہوا کہ یہ مُردار گوشت لے جارہی ہے، اس پر سکوت کرنا ہرگز نہ چاہیے، عجب نہیں یہ کوئی بھٹیاری عورت ہے، یہی پکا کر لوگوں کو کھلا دے گی، میں چپکے سے اس کے پیچھے ہولیا، اس طرح کہ وہ مجھے نہ دیکھے، وہ عورت ایک بڑے مکان میں پہونچی، جس کا دروازہ بھی اونچا تھا، اس نے جا کر دروازہ کھٹکھٹایا، اندر سے آواز آئی کون ہے؟ اس نے کہا: کھولو! میں ہی بدحال ہوں، دروازہ کھولا گیا اور اس میں سے چار لڑکیاں آئیں، جن کے چہرہ سے بدحالی اور مصیبت کے آثار ظاہر ہو رہے تھے، وہ عورت اندر گئی اور وہ زنبیل ان لڑکیوں کے سامنے رکھ دی، میں کواڑوں کی درزوں[1] سے جھانک رہا تھا۔ میں نے دیکھا اندر سے گھر بالکل برباد خالی تھا، اس عورت نے روتے ہوئے لڑکیوں کو آواز دی کہ لو اس کو پکالو اور اللہ کا شکر ادا کرو، اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر اختیار ہے، اسی کے قبضہ میں لوگوں کے قلوب ہیں۔

وہ لڑکیاں اس کو کاٹ کاٹ کر آگ پر بھوننے لگیں، مجھے بہت ضیق[2] ہوئی، میں نے باہر سے آواز دی اے اللہ کی بندی! اللہ کے واسطے اس کو نہ کھا، وہ کہنے لگی: تو کون ہے؟ میں نے کہا: میں ایک پردیسی آدمی ہوں، کہنے لگی: اے پردیسی! تُو ہم سے کیا چاہتا ہے؟ ہم خود ہی مُقدّر کے قیدی ہیں، تین سال سے ہمارا نہ کوئی مُعین نہ مددگار، تُو ہم سے کیا چاہتا ہے؟ میں نے کہا: مجوسیوں کے ایک فرقہ کے سوا مُردار کا کھانا کسی مذہب میں جائز نہیں، وہ کہنے لگی: ہم خاندان نبوت کے شریف (سید) ہیں، ان لڑکیوں کا باپ بڑا شریف تھا، وہ اپنے ہی جیسوں سے ان کا نکاح کرنا چاہتا تھا، اس کی نوبت نہ آئی اس کا انتقال ہوگیا، جو ترکہ اس نے چھوڑا تھا، وہ ختم ہوگیا، ہمیں معلوم ہے کہ مردار کھانا جائز نہیں لیکن اضطرار[3] میں جائز ہوجاتا ہے، ہمارا چار دن کا فاقہ ہے۔

ربیع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اس کے حالات سُن کر مجھے رونا آگیا اور میں روتا ہوا دل بے چین وہاں سے واپس ہوا اور میں نے اپنے بھائی سے آکر کہا کہ میرا ارادہ تو حج کا نہیں رہا، اس نے مجھے بہت سمجھایا، حج کے فضائل بتائے کہ حاجی ایسی حالت میں لوٹتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں رہتا وغیرہ وغیرہ۔ میں نے کہا: بس لمبی چوڑی باتیں نہ کرو، یہ کہہ کر میں نے اپنے کپڑے اور احرام کی چادریں اور جو سامان میرے ساتھ تھا، وہ سب لیا اور نقد چھ سو درم تھے، وہ لیے اور ان میں سے سو درم کا آٹا خریدا اور سو درم کا کپڑا خریدا اور باقی درم جو بچے وہ آٹے میں چھپا کر اس بڑھیا کے گھر پہونچا اور یہ سب سامان اور آٹا وغیرہ اس کو دے دیا۔

اس عورت نے اللہ کا شکر ادا کیا اور کہنے لگی: اے ابن سلیمان! جا اللہ جلّ شانُہٗ تیرے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کرے اور تجھے حج کا ثواب عطا کرے اور اپنی جنت میں تجھے جگہ عطا فرمائے اور اس کا

حل لغات: (۱) دراڑ۔ (۲) تنگی۔ (۳) سخت مجبوری۔

ایسا بدل عطا فرمائے جو تجھے بھی ظاہر ہو جائے۔ سب سے بڑی لڑکی نے کہا: اللہ جلّ شانہٗ تیرا اجر دوچند[1] کرے اور تیرے گناہ معاف کرے۔ دوسری نے کہا: اللہ جلّ شانہٗ تجھے اس سے بہت زیادہ عطا فرمائے، جتنا تو نے ہمیں دیا۔ تیسری نے کہا: حق تعالیٰ شانہٗ ہمارے دادے کے ساتھ تیرا حشر کرے۔ چوتھی نے جو سب سے چھوٹی تھی، کہا: اے اللہ! جس نے ہم پر احسان کیا تو اس کا نِعْمَ الْبَدَل[2] اس کو جلدی عطا کر اور اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر۔

ربیع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حُجّاج کا قافلہ روانہ ہو گیا، میں کوفہ ہی میں مجبوراً پڑا رہا کہ وہ سب حج سے فارغ ہو کر لوٹ بھی آئے، مجھے خیال ہوا کہ ان حجاج کا استقبال کروں، ان سے اپنے لیے دعا کراؤں، کسی کی مقبول دعاء مجھے بھی لگ جائے، جب حُجاج کا ایک قافلہ میری آنکھوں کے سامنے آ گیا، تو مجھے اپنے حج سے محرومی پر بہت افسوس ہوا اور رنج کی وجہ سے میرے آنسو نکل آئے، جب میں اُن سے ملا تو میں نے کہا: اللہ جلّ شانہٗ تمہارا حج قبول کرے اور تمہارے اخراجات کا بدل عطا فرمائے، ان میں سے ایک نے کہا کہ یہ دعا کیسی؟ میں نے کہا: ایسے شخص کی دعا جو دروازہ تک کی حاضری سے محروم رہا ہو۔ وہ کہنے لگے: بڑے تعجب کی بات ہے، اب تُو وہاں جانے سے انکار کرتا ہے۔ تُو ہمارے ساتھ عرفات کے میدان میں نہیں تھا؟ تُو نے ہمارے ساتھ رمی جمرات نہیں کی؟ تُو نے ہمارے ساتھ طواف نہیں کیے؟۔

میں اپنے دل میں سوچنے لگا کہ یہ اللہ کا لطف[3] ہے، اتنے میں خود میرے شہر کے حاجیوں کا قافلہ آ گیا۔ میں نے کہا: حق تعالیٰ شانہٗ تمہاری سعی[4] مشکور[5] فرمائے، تمہارا حج قبول فرمائے، وہ بھی یہی کہنے لگے کہ تُو ہمارے ساتھ عرفات پر نہیں تھا؟ یا رَمی جمرات نہیں کی؟ اب انکار کرتا ہے؟ ان میں سے ایک شخص آگے بڑھا اور کہنے لگا کہ بھائی اب انکار کیوں کرتے ہو، کیا بات ہے؟ آخر تم ہمارے ساتھ مکہ میں نہیں تھے یا مدینہ میں نہیں تھے، جب ہم قبر اطہر کی زیارت کر کے باب جبرئیل سے باہر کو آ رہے تھے، اس وقت اژدحام[6] کی کثرت کی وجہ سے تم نے یہ تھیلی میرے پاس امانت رکھوائی تھی، جس کی مہر پر لکھا ہوا ہے مَنْ عَامَلَنَا رَبِحَ (جو ہم سے معاملہ کرتا ہے نفع کماتا ہے) یہ تمہاری تھیلی واپس ہے۔

ربیع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ واللہ! میں نے اس تھیلی کو کبھی اس سے پہلے دیکھا بھی نہ تھا، اس کو لے کر گھر واپس آیا عشاء کی نماز پڑھی اپنا وظیفہ پورا کیا، اس کے بعد اسی سوچ میں جاگتا رہا کہ آخر یہ قصہ کیا ہے؟ اسی میں میری آنکھ لگ گئی، تو میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی، میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اور ہاتھ چومے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم[7] فرماتے ہوئے سلام کا جواب دیا اور ارشاد فرمایا: اے ربیع! آخر ہم کتنے گواہ اس پر قائم کریں کہ تُو نے حج کیا، تو مانتا ہی نہیں۔ سُن بات یہ ہے کہ

حل لغات: (۱) دوگنا۔ (۲) اچھا بدلہ۔ (۳) مہربانی۔ (۴) کوشش۔ (۵) قبول۔ (۶) بھیڑ۔ (۷) مسکرانا۔

جب تُو نے اس عورت پر جو میری اولاد تھی صدقہ کیا اور اپنا زادِ راہ[1] ایثار کر کے اپنا حج مُلتوی[2] کر دیا تو میں نے اللہ جلّ شانُہٗ سے دعا کی کہ وہ اس کا نِعمَ البَدَل[3] تجھے عطا فرمائے، تو حق تعالیٰ شانُہٗ نے ایک فرشتہ تیری صورت بنا کر اس کو حکم فرما دیا کہ وہ قیامت تک ہر سال تیری طرف سے حج کیا کرے اور دنیا میں تجھے یہ عوض[4] دیا کہ چھ سو درم کے بدلہ چھ سو دینار (اَشرفیاں) عطا کیں تو اپنی آنکھ کو ٹھنڈی رکھ، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی الفاظ ارشاد فرمائے "مَنْ عَامَلَنَا رَبِحَ" ربیع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، جب میں سو کر اُٹھا تو اس تھیلی کو کھولا اس میں چھ سو اَشرفیاں تھیں۔ [رشفۃ الساوی]

(۷۰) سید سَمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے جواہر میں اسی قسم کا دوسرا قصہ لکھا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا معمول یہ تھا کہ وہ ایک سال حج کیا کرتے اور ایک سال جہاد کیا کرتے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک سال جب کہ میرا حج کا سال تھا، میں پانچ سو اَشرفیاں لے کر حج کے ارادہ سے چلا اور کوفہ میں جس جگہ اونٹ فروخت[5] ہوتے ہیں پہونچا، تا کہ اونٹ خریدوں، وہاں میں نے دیکھا کہ کوڑی[6] پر ایک بط[7] مری ہوئی پڑی ہے اور ایک عورت اس کے پاس بیٹھی ہوئی اس کے پَر نوچ رہی ہے، میں اس عورت کے قریب گیا اور اس سے پوچھا یہ کیا حرکت کر رہی ہے؟ وہ کہنے لگی: جس کام سے تمہیں کوئی واسطہ نہیں، اس کی تحقیق کی کیا ضرورت؟ مجھے اس کے کہنے سے کچھ سوچ سا ہوا، تو میں نے پوچھنے پر اِصرار کیا۔ وہ کہنے لگی: تمہارے اِصرار نے مجھے اپنا حال ظاہر کرنے پر مجبور ہی کر دیا۔ میں سیدانی ہوں، میرے چار لڑکیاں ہیں، ان کے باپ کا ابھی انتقال ہو گیا ہے، آج چوتھا دن ہے کہ ہم نے کچھ نہیں چکھا، ایسی حالت میں مُردار حلال ہے، میں یہ بط لے جا کر اُن لڑکیوں کو کھلاؤں گی۔

ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں مجھے اپنے دل میں ندامت[8] ہوئی اور میں نے اس عورت سے کہا کہ اپنی گود پھیلا، اس نے پھیلائی، میں نے وہ پانچ سو (۵۰۰) اَشرفیاں اس کی گود میں ڈال دیں، وہ سر جھکائے بیٹھی رہی، میں وہ اَشرفیاں ڈال کر اپنے گھر چلا آیا اور حج کا ارادہ مُلتوی[9] کر دیا اور اپنے گھر واپس ہو گیا، جب حُجّاج فراغت کے بعد آئے، میں ان سے ملا، تو جس سے میں ملتا اور یہ کہتا کہ حق تعالیٰ شانُہٗ تمہارا حج قبول کرے، وہی یہ کہتا کہ اللہ تعالیٰ تمہارا بھی حج قبول کرے اور جب میں کوئی بات کرتا تو وہ کہتے: ہاں ہاں! فلاں جگہ جب تم سے ملاقات ہوئی تھی، میں بڑی حیرت میں تھا، یہ کیا معاملہ ہے۔

میں نے رات کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عبد اللہ تعجب کی بات نہیں ہے، تو نے میری اولاد میں سے ایک مصیبت زدہ کی مدد کی تھی، میں نے

حل لغات: (۱) سفر کا سامان۔ (۲) کچھ دنوں کے لیے ٹھہر جانا۔ (۳) اچھا بدلہ۔ (۴) بدلہ۔ (۵) بکنا۔ (۶) پھینکنے کی جگہ۔ (۷) بطخ۔ (۸) شرمندگی۔ (۹) ٹال دینا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ تیری طرف سے ایک فرشتہ مقرر کردے، جو ہر سال تیری طرف سے قیامت تک حج کرتا رہے، اب تجھے اختیار ہے چاہے حج کرنا چاہے نہ کرنا۔ [رشفہ]

عُشّاق اور مُخلصین کے واقعات کی نہ کوئی حد ہے، نہ انتہا، پُورے چودہ سو سال میں سے ہر سال میں کتنے عُشّاق اور مُخلصین ایسے ہوں گے، جن کے عجیب واقعات گزرے، کوئی لکھے تو کہاں تک لکھے، ستر[1] کا عدد احادیث میں بھی کثرت پر دلالت کرتا ہے، اس لیے اسی عدد پر اس سلسلہ کو ختم کرتا ہوں۔

البتہ ان واقعات میں تین امر قابلِ لحاظ ہیں۔

① اوّل یہ کہ یہ احوال اور واقعات جو گزرے ہیں، وہ عشق اور محبت پر مبنی ہیں اور عشق کے قوانین عام قوانین سے بالاتر[1] ہیں۔

مکتبِ عشق کے انداز نرالے دیکھے　　اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

عشق کے ضوابط[2] کسی اُصول کے ماتحت نہیں ہوتے نہ یہ پڑھنے لکھنے سے آتے ہیں، بلکہ عشق پیدا کرنے سے آتے ہیں۔ ع

مُحبّت تجھ کو آدابِ مُحبّت خود سکھا دے گی

اپنا کام کوشش اور سَعی کر کے اس سمندر میں کود پڑنا ہے، اس کے بعد ہر محنت آسان ہے اور ہر مشقت لذیذ ہے، ہر وہ چیز جو عشق سے بے بہرہ[3] لوگوں کے لیے مصیبت اور ہلاکت ہے، وہ اس سمندر کے غوطہ لگانے والوں کے لیے آسان اور لطف و فرحت کی چیز ہے، اس سمندر میں غوطہ لگانے والے انجام اور عواقب[4] کی مَصلَحت بینیوں[5] سے بالاتر ہوتے ہیں۔

عَبَث[6] ہے جستجو[7] بحرِ محبت[8] کے کنارہ کی!

بس اس میں ڈوب ہی جانا ہے اے دل پار ہوجانا!

لہٰذا ان واقعات کو اسی عینک سے دیکھنے کی ضرورت ہے اور اس رنگ میں رنگے جانے کی کوشش کرنا چاہیے، لیکن جب تک عشق پیدا نہ ہو اس وقت تک نہ تو ان واقعات سے استدلال کرنا چاہیے اور نہ ان پر اعتراض کرنا چاہیے، اس لیے کہ وہ عشق کے غلبہ میں صادر[9] ہوتے ہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص محبت کا پیالہ پی لیتا ہے، وہ مخمور[10] ہو جاتا ہے اور جو مخمور ہوتا ہے، اس کے کلام میں بھی وسعت آجاتی ہے، اگر اس کا وہ نشہ زائل[11] ہو جائے تو وہ دیکھے کہ جو کچھ اس نے غلبہ میں کہا ہے، وہ ایک حال ہے حقیقت نہیں اور عُشّاق کے کلام سے لذت تو حاصل کی جاتی ہے، اس پر اعتماد نہیں کیا جاتا۔ [اِحیاء : ۳]

حل لغات: ① بہت زیادہ بلند۔ ② قاعدے۔ ③ خالی۔ ④ نتائج۔ ⑤ مصلحت اور دنیوی فائدے پر نظر رکھنے والے۔ ⑥ بے کار۔ ⑦ تلاش۔ ⑧ محبت کے سمندر۔ ⑨ پیش آنا۔ ⑩ مست۔ ⑪ دور ہونا، ختم ہونا۔

دوسرا اَمر یہ ہے کہ ان قصّوں میں اکثر مواقع میں توکّل کی وہ مثالیں گزری ہیں، جو ہم جیسے نااہلوں کے عمل تو درکنار[1] ذہنوں سے بھی بالاتر ہیں، ان کے متعلق یہ بات ذہن میں رکھنا چاہیے کہ توکّل کا منتہا[2] یہی ہے، جو ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے اور وہ پسندیدہ بھی ہے اور اس کے کمال پر پہونچنے کی سعی[3] اور کم سے کم تمنا تو ہونا ہی چاہیے، لیکن جب تک یہ درجہ حاصل نہ ہو، اس وقت تک ترک اسباب نہ کرنا چاہیے۔

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں حضرت عبدالرحمن بن یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ توکّل کی حقیقت کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اگر بہت بڑے اُژدہے کے منہ میں تو ہاتھ دے دے اور وہ پہونچے تک اس کو کھالے تو اس وقت بھی تجھے اللہ جلّ شانُہٗ کے سوا کسی کا خوف نہ ہو، میں اس کے بعد بایزید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ ان سے اس کے متعلق دریافت کروں، ان کے کواڑ[4] بند تھے، میں نے دروازہ کھٹکھٹایا، انہوں نے اندر ہی سے جواب دے دیا کہ تجھے عبدالرحمن کے جواب سے کفایت نہ ہوئی، جو میرے پاس پوچھنے کے واسطے آیا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ کواڑ تو کھول دیجیے۔ فرمایا: تم اس وقت ملاقات کے لیے تو آئے نہیں، بات پوچھنے آئے تھے، اس کا جواب مل گیا اور کواڑ نہ کھولے۔ ایک سال کے بعد میں دوبارہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو فوراً کواڑ کھول دیے اور فرمایا کہ اس وقت تم ملنے کے لیے آئے ہو۔ [روض]

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ اَسباب کا اختیار کرنا توکّل کے منافی[5] نہیں ہے اور اگر کوئی شخص خالص توکّل کا ارادہ کرے تو اس میں بھی مُضَائِقہ[6] نہیں ہے، بشرطیکہ مستقیم الحال[7] ہو، اسباب چھوڑ کر پریشان نہ ہو، بلکہ اللہ جلّ شانُہٗ کے سوا کسی دوسرے کا خیال بھی اس کو نہ آوے اور جن حضرات نے ترکِ اسباب کی مَذمّت[8] فرمائی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ اس کا حق ادا نہیں کرتے، بلکہ دوسرے لوگوں کے توشہ[9] دانوں پر نگاہ رکھتے ہیں۔ [مرقاۃ: ۳]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ اگر تم اللہ جلّ شانُہٗ پر ایسا توکّل کرو جیسا کہ اس کا حق ہے، تو تم کو ایسی طرح رزق عطا فرمائے جیسے پرندوں کو دیتا ہے کہ صبح کو بھوکے گھونسلوں سے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس ہوتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو اللہ جلّ شانُہٗ کی طرف بالکلیہ[10] منقطع ہو جائے تو حق تعالیٰ شانُہٗ اس کی ہر ضرورت کو پورا کرتے ہیں اور ایسی طرح روزی پہونچاتے ہیں کہ جس کا اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ سب سے زیادہ مستغنی ہو، وہ ایسا بن جائے کہ اس کو اللہ جلّ شانُہٗ

حل لغات: (۱) الگ رہا۔ (۲) کامل درجہ۔ (۳) کوشش۔ (۴) دروازہ۔ (۵) خلاف۔ (۶) حرج۔ (۷) اچھی حالت والا۔ (۸) برائی۔ (۹) یعنی مال و دولت۔ (۱۰) پورے طور پر۔

کی عطا پر اس سے زیادہ بھروسہ ہو جتنا اس مال پر ہوتا ہے جو اپنے پاس موجود ہے۔ [احیاء:۴]

اس کا اندازہ دو قصوں سے ہوتا ہے، جو احادیث میں مشہور ہیں۔ ایک حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مشہور قصہ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کے لیے چندہ کیا، تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جو کچھ گھر میں تھا، سب کچھ لے آئے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ گھر میں کیا چھوڑا، تو آپ نے فرمایا کہ اللہ جلّ شانہٗ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حکایاتِ صحابہ میں یہ قصہ نقل بھی کر چکا ہوں۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک سونے کی ڈلی انڈے کے برابر پیش کی اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے یہ ایک معدن[۱] سے مل گئی، میں اس کو اللہ کے راستہ میں دیتا ہوں اس کے سوا میرے پاس کوئی چیز نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض فرمایا، ان صاحب نے دوسری اور تیسری مرتبہ اسی طرح اصرار سے پیش کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لے کر ایسے زور سے پھینکا کہ اگر ان کے لگ جاتی تو زخمی کر دیتی اور یہ ارشاد فرمایا کہ بعض آدمی اپنا سارا مال صدقہ کر دیتے ہیں، پھر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کے واسطے بیٹھ جاتے ہیں۔ [ابوداؤد]

ان صاحب کا اعتماد علی اللہ[۲] اور توکّل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں کیا ہو سکتا تھا، اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں سب کچھ قبول فرمالیا اور یہاں ناراضی کا اظہار فرمایا، اس سلسلہ میں ہمارے اکابر رحمۃ اللہ علیہ کا طرزِ عمل بہت ہی عجیب اور پسندیدہ ہے اور وہ وہ ہے جس کو حضرت اقدس سیّد الطّائفہ شیخ المشائخ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس رسالہ میں تحریر فرمایا ہے، جس میں اپنے مُبَشّرات[۳] کو جمع کیا ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی سوال کیا کہ اسباب کے اختیار کرنے میں اور اس کے چھوڑنے میں افضل چیز کون سی ہے؟ تو مجھ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک روحانی فیض ہوا، جس کی وجہ سے میرا قلب[۴] اسباب اور اولاد وغیرہ کی طرف سے بالکل سرد پڑ گیا، اس کے تھوڑی دیر بعد یہ حالت زائل[۵] ہوئی، تو میں نے اپنی طبیعت کو اسباب کی طرف مائل پایا اور اپنی روح کو اسباب سے ہٹا کر اللہ کو سونپ دینے کی طرف مائل پایا۔ [دُرِّ ثمین]

حقیقت میں یہ بہترین صورت ہے کہ اس میں وہ اشکالات بھی پیدا نہیں ہوتے جو ترکِ[۶] اسباب میں اکثر پیدا ہو جاتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ غِنٰی[۷] مال کی کثرت سے نہیں ہوتا بلکہ غِنٰی حقیقت میں دل کا غِنٰی ہے۔ [مشکوٰۃ]

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ توکّل کے تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ تو ایسا ہے جیسا کہ کوئی شخص کسی

حل لغات: ① کان۔ ② اللہ پر بھروسہ۔ ③ خواب۔ ④ دل۔ ⑤ دور۔ ⑥ اسباب کا چھوڑنا۔ ⑦ بے پروائی، مالداری۔

مقدمہ میں کسی ہوشیار ماہر تجربہ کار کو وکیل بنالے کہ وہ ہر چیز میں اس وکیل کی طرف رجوع کرتا ہے، لیکن اس کا یہ توکّل فانی[1] ہے، کسبی[2] ہے اس کو اپنے توکّل کا شعور اور احساس ہے۔ دوسرا درجہ جو پہلے سے اعلیٰ ہے، وہ ایسا ہے جیسا کہ ناسمجھ بچہ کا اپنی ماں کی طرف کہ وہ ہر بات میں اسی کو پکارتا ہے اور جب کوئی گھبراہٹ یا تکلیف کی بات اس کو پیش آتی ہے تو سب سے پہلے اس کے منہ سے اماں نکلتا ہے، ان ہی دونوں کی طرف حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا ہے، جب کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ توکّل کا ادنیٰ[3] درجہ کیا ہے؟ فرمایا کہ اُمیدوں کا ختم کر دینا، پھر سائل[4] نے پوچھا کہ درمیانی درجہ کیا ہے؟ فرمایا کہ اختیار کا چھوڑ دینا، پھر سائل نے پوچھا کہ اعلیٰ[5] درجہ کیا ہے؟ فرمایا کہ اس کو وہ پہچان سکتا ہے جو دوسرے درجہ پر پہونچ جائے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ تیسرا درجہ جو سب سے اعلیٰ ہے وہ یہ کہ اللہ جلّ شانہٗ کے ساتھ ایسا ہو جائے جیسا کہ مُردہ نہلانے والے کے ہاتھ میں کہ اس کی اپنی کوئی حرکت رہتی ہی نہیں، اسی درجہ پر پہونچ کر اللہ جلّ شانہٗ سے مانگنے کا بھی محتاج نہیں رہتا، وہ خود ہی بلا طلب اس کی ضروریات کا تکفّل[6] کرتا ہے، جیسا کہ نہلانے والا خود ہی میت کی ضروریات غسل کو پورا کرتا ہے۔ [احیاء:۳]

اس پر یہ اشکال کہ ''حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عام طریق اسباب کے اختیار کا تھا؛ صحیح ہے، لیکن حق یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے شایانِ شان وہی حالت تھی، جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا: اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات ان واقعات کی نوعیت[7] کے ہوتے تو اُمت بڑے سخت ابتلاء[8] میں پڑ جاتی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمت پر شفقت کی وجہ سے اس کا بہت اہتمام تھا کہ ایسی چیز اختیار نہ فرمائیں جس میں اُمت کو مشقت[9] ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی نماز نہ پڑھتے تھے اور میں پڑھتی ہوں، بے شک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بعض عمل باوجودیکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش اس کے کرنے کی ہوتی تھی، اس خوف سے چھوڑ دیتے تھے کہ کہیں اُمت پر فرض نہ ہو جائے۔ [ابوداؤد]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس ارشاد کا مطلب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہیں پڑھتے تھے اور میں پڑھتی ہوں، اہتمام اور دوام[10] ہے کہ جس شدت اہتمام سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پڑھتی تھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اتنے اہتمام سے نہ پڑھتے تھے، ورنہ بیسیوں روایات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چاشت کی نماز پڑھنا وارد ہوا ہے اور یقیناً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم روحی فداہٗ وابی واُمی[11] اگر اتنے شدید اہتمام سے پڑھتے تو یہی چیز اس کو واجب

حل لغات: (۱) ختم ہونے والا۔ (۲) اپنی کوشش سے حاصل کیا ہوا۔ (۳) سب سے کم۔ (۴) سوال کرنے والا۔ (۵) سب سے بڑا۔ (۶) ذمہ داری اُٹھانا۔ (۷) قسم۔ (۸) آزمائش، مصیبت۔ (۹) تکلیف۔ (۱۰) ہمیشگی۔ (۱۱) میری جان اور میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان۔

واقعات

بنا دیتی، تراویح کے بارہ میں بڑی کثرت سے روایات میں وارد ہوا ہے کہ حضور ﷺ نے چند رات پڑھیں اور پھر چھوڑ دیں، صحابۂ کرام کو اس کا اشتیاق[1] اتنا بڑھا کہ حد نہیں، جب چند راتوں کے بعد حضور اقدس ﷺ اپنے خیمہ سے باہر تشریف نہیں لائے تو صحابۂ کرام کو یہ خیال ہوا کہ شاید نیند کی وجہ سے آنکھ لگ گئی، اس لیے ایسی چیزیں اختیار کیں جن کے بغیر جگائے آنکھ کھل جائے۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہاری حرکتیں دیکھتا رہا اور میں بحمد اللہ اس رات میں غافل بھی نہ تھا، لیکن مجھے اس کے سوا کوئی چیز نکلنے سے مانع[2] نہ ہوئی کہ میں اس سے ڈرا کہ تم پر فرض نہ ہو جائے، اگر تم پر فرض ہو جاتی تو اس کا نباہنا تمہیں مشکل ہو جاتا۔ [مشکوٰۃ، ابوداؤد]

اور جب یہ حالت ہے کہ حضور ﷺ باوجود خواہش کے عمداً[3] رخصت پر عمل فرماتے تھے، تو حضور ﷺ کے لیے اس کا ثواب بھی واجب اور عزیمت ہی کا ہوتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے یہ سُنا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے آدھا ہوتا ہے، میں حضور ﷺ کی خدمت میں ایک مرتبہ حاضر ہوا تو حضور ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے، میں سر پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ عبداللہ بن عمرو تمہیں کیا ہو گیا، انہوں نے عرض کیا: حضور ﷺ میں نے یہ سُنا تھا کہ آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے آدھا ہے، اب میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم نے صحیح سُنا، لیکن میں اس میں تم جیسا نہیں ہوں۔

حضور ﷺ کے اس پاک ارشاد کا مطلب کہ ”تم جیسا نہیں ہوں“ یہی ہے کہ میرے لیے آدھا ثواب نہیں ہے۔ حضور اقدس ﷺ کی شان تو بہت اعلیٰ وارفع[4] ہے، اس میں علماء کا درجہ بھی مشائخ[5] سلوک سے ممتاز[6] ہے اور دونوں جماعتوں کی دو علیحدہ شانیں ہیں۔ ایک حدیث میں اس قسم کا مضمون وارد ہوا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کو ہدیہ دے اور اس کے پاس اور لوگ بھی ہوں تو وہ ہدیہ مشترک[7] ہے، اس حدیث کا کیا مطلب ہے اور کس قسم کا ہدیہ اس سے مراد ہے اور محدّثانہ حیثیت سے یہ حدیث کس درجہ کی ہے، یہ مستقل بحثیں اپنی جگہ پر ہیں، لیکن اس حدیث کی بناء پر اہل علم کی زبان پر ”اَلْهَدَايَا مُشْتَرَكَةٌ“ ”ہدیہ میں شرکت ہے“ شائع[8] ہے۔

ایک بزرگ کی خدمت میں کسی شخص نے کوئی ہدیہ بھیجا، حاضرین میں سے کسی نے مزاحاً[9] کہہ دیا کہ ”اَلْهَدَايَا مُشْتَرَكَةٌ“ ان بزرگ نے ارشاد فرمایا کہ شرک ہی سے بچنے کے واسطے تو اتنے دنوں

حل لغات: (۱) شوق۔ (۲) رکاوٹ۔ (۳) جان بوجھ کر۔ (۴) بلند والا۔ (۵) بزرگان دین۔ (۶) الگ۔ (۷) جس میں سب شریک ہوں۔ (۸) مشہور۔ (۹) مذاق میں۔

سے مجاہدے کررہے ہیں، شرکت ہمیں گوارا نہیں، یہ تمہاری نذر ہے اور جب وہ چیز ان سے نہ اُٹھی تو خادم سے فرمادیا کہ یہ ان کے گھر دے آؤ۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کسی نے ہدیہ بھیجا، وہاں بھی کسی نے مجمع میں سے کہا: ''اَلْهَدَايَا مُشْتَرَكَةٌ''۔ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ ہدیہ اس سے مراد نہیں ہے، یہ کہہ کر خادم سے فرمادیا کہ اس کو میرے گھر دے آؤ۔

علماء کا ارشاد ہے کہ دونوں قصے اپنی اپنی جگہ پر نہایت موزوں[1] ہیں، ایک زاہد بزرگ کی وہی شان تھی اور ایک فقیہ کے لیے یہی مناسب تھا، اس لیے کہ اگر یہ مشترک قرار دیتے تو فقہ کے اعتبار سے ایک امام کا مذہب بن جاتا اور امت کے لیے دِقّت[2] ہوتی۔

صاحب روض لکھتے ہیں کہ جلبِ منفعت[3] اور دفع مضرّت[4] کے اَسباب کا اختیار کرنا ہی طریقہ جمہور انبیا علیہم السلام اور جمہور اولیاء کا ہے لیکن اس سے ان اولیاء کرام پر جو مضرّتوں[5] سے نہ بچتے تھے اور اپنے لیے اسباب اختیار نہ فرماتے تھے؛ اعتراض نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شریعت مُطہّرہ پر چلانے والے تھے، اس لیے ایسے سہل[6] راستہ پر چلاتے تھے، جس پر عوام وخواص سب چل سکیں اور اگر قافلوں کا چلانے والا کسی ایسے مشکل راستہ پر قافلہ کو لے جائے جس پر وہ خود تو اپنی قوت سے چل سکتا ہو، لیکن قافلہ کی اکثریت اس راستہ کی مُتحمِّل[7] نہ ہو تو وہ قافلہ والوں کے اوپر مہربان شمار نہ ہوگا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عالی شان خود حق سُبحانہٗ وتقدّس نے یہ بتائی: ﴿ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ [سورۂ توبہ:۱۲۸] پوری آیت شریفہ کا ترجمہ اور مطلب یہ ہے: ''(اے لوگو!) تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں، جو تمہاری جنس سے ہیں، جن کو تمہاری مَضرت کی بات نہایت گراں[8] گزرتی ہے، تمہاری مَنفعت[9] کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں، (یہ بات تو سب کے ساتھ ہے، پھر بالخصوص) مومنین کے ساتھ تو بڑے شفیق اور مہربان ہیں''۔ پس اگر قافلہ کے قوی لوگ کسی مصلحت سے سخت راستہ کو اختیار کرلیں، تو قافلہ کا لے جانے والا ان کو نہ روکے گا۔ [روض]

یہی وجہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اماموں کو طویل[10] نماز پڑھانے پر نہایت شدت سے ڈانٹتے تھے اور یہ ارشاد فرماتے تھے کہ جو امام بنے، وہ ضرور ہلکی نماز پڑھے اور جو اپنی تنہا نماز پڑھے وہ جتنی چاہے

حل لغات: (۱) مناسب۔ (۲) مشکل۔ (۳) نفع حاصل کرنا۔ (۴) نقصان کو روکنا۔ (۵) تکلیف۔ (۶) آسان۔ (۷) برداشت کرنے والا۔ (۸) بھاری۔ (۹) فائدہ۔ (۱۰) لمبی۔

لمبی نماز پڑھے۔

تیسری بات جوان واقعات میں قابلِ لحاظ ہے اور وہ بھی حقیقت میں پہلی ہی بات پر مُتفرّع[1] ہے، وہ یہ ہے کہ بعض واقعات میں ایسی شدت ملتی ہے، جو سَرسَری نظر میں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے اور بظاہر یہ ناجائز معلوم ہوتا ہے، اس کے متعلق یہ بات ضرور سمجھ لینا چاہیے کہ یہ واقعات بمنزلۂ دوا کے ہیں اور دوا میں طبیب[2] حاذِق بسا اوقات سَنکھیا[3] بھی استعمال کرایا کرتا ہے، لیکن اس کا استعمال طبیب کی رائے کے موافق تو مناسب ہے، بلکہ بسا اوقات ضروری، لیکن بدوں[4] اس کے مشورہ کے ناجائز اور موجب ہَلاکت، اسی طرح ان واقعات میں جن حاذق طبیبوں نے ان دواؤں کا استعمال کیا ہے، اُن پر اعتراض اپنی نادانی اور فن سے ناواقفیت[5] پر مَبْنی[6] ہے، لیکن جو خود طبیب نہ ہو اور کسی طبیب کا اس کو مشورہ حاصل نہ ہو، اس کو ایسے اُمور جو شریعت مُطَہّرہ کے خلاف معلوم ہوتے ہوں، اختیار کرنا جائز نہیں ہیں۔ البتہ فن کے ائمہ[7] پر قواعد سے واقف لوگوں پر اعتراض میں جلدی کرنا بالخصوص ایسے لوگوں کی طرف سے جو خود واقفیت نہ رکھتے ہوں غلط چیز ہے اور ہَلاکت میں اپنے آپ کو ڈالنا ہر حال میں ناجائز نہیں ہے، اگر دینی مصلحت اس کی مُتقاضی[8] ہو تو پھر مُباح سے بھی آگے بڑھ جاتا ہے۔

حضور اقدس ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ دو شخصوں پر بڑا تعجب فرماتے ہیں، یعنی اس سے بہت راضی ہوتے ہیں۔ ایک وہ شخص جو اپنے نرم نرم بستر پر لحاف کے اندر محبوبہ بیوی کے ساتھ لپٹا ہوا لیٹا ہو اور ایک دم بَشاشت[9] کے ساتھ وہاں سے اُٹھ کر نماز کے لیے کھڑا ہو جائے حق تعالیٰ شانُہٗ فرشتوں کے سامنے اس شخص پر تفاخُر[10] فرماتے ہیں۔

دوسرا وہ شخص جو ایک لشکر کے ساتھ مل کر جہاد میں شرکت کر رہا ہو اور وہ لشکر شکست کھا کر بھاگنے لگے اور اس میں سے کوئی شخص بھاگنے میں اللہ جَلَّ شانُہٗ کا خوف کرے اور تنِ تنہا واپس ہو کر مقابلہ کرے، حتیٰ کہ شہید ہو جائے، تو حق تعالیٰ شانُہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ دیکھو! میرا یہ بندہ میرے انعامات میں رغبت اور میری ناراضی کے خوف سے لوٹا، حتیٰ کہ اس کا خون بھی بہا دیا گیا۔ [مشکوٰۃ]

اب یہ شخص جو تنہا لُوٹا ہے ظاہر ہے کہ مَرنے ہی کے واسطے لوٹا ہے کہ جب پورا لشکر شکست کھا کر بھاگنے لگا تو اس میں ایک آدمی کیا کر سکتا ہے، اس کے باوجود حق تعالیٰ شانُہٗ اس پر تفاخُر فرماتے ہیں۔

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے۔ آدمیوں کی زندگی میں بہترین زندگی اس شخص کی ہے، جو اپنے گھوڑے کی باگ ہاتھ میں رکھے، اللہ کے راستہ میں اس کی کمر پر اُڑا، اُڑا پھرے جہاں کہیں کوئی

حل لغات: (۱) ایک بات سے دوسری بات کا نکلنا۔ (۲) تجربہ کار ڈاکٹر یا حکیم۔ (۳) ایک قسم کا زہر۔ (۴) بغیر۔ (۵) جانکاری نہ ہونا۔ (۶) منحصر، موقوف۔ (۷) اماموں۔ (۸) تقاضا کرنے والی۔ (۹) چستی، خوشی۔ (۱۰) فخر کرنا۔

گھبراہٹ اور خوف کی بات سن لے فوراً اس کی طرف اڑ جائے، موت اور قتل کو ڈھونڈھتا پھرتا ہو، جہاں کہیں اس کا گمان ہو، وہیں پہونچ جائے۔ [مشکوۃ]

اگر یہ حضرات اللہ کے راستہ میں اپنے آپ کو خطرات میں ڈال دیں تو ان پر اعتراض مشکل ہے، بالخصوص جب کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد یہ بھی ہے: اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ کامل جہاد کرنے والا وہ ہے، جو اپنے نفس سے جہاد کرے۔ [مشکوۃ]

دوسری حدیث کے الفاظ ہیں: اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ هَوَاهُ۔ اصل مجاہد وہ ہے جو اپنی خواہش نفسانی سے جہاد کرے (اور اس کو مغلوب کرے)۔ [التشرف]

اسی لیے صوفیہ کی اصطلاح میں اس کا نام "جہادِ اکبر" ہے، خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس قسم کا مضمون نقل کیا گیا۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جہاد کی فضیلت بہت زیادہ ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ اس کا حاصل آدمی کی سب سے زیادہ محبوب چیز جان کو اللہ کے راستے میں خرچ کرنا ہے اور اللہ کی رضا کے واسطے اس پر سخت مشقتیں ڈالنا ہے اور اس جہاد سے بڑھ کر نفس کو طاعات کی پابندی پر مجبور کرنا ہے اور اس کو اس کی خواہشات سے بچانا ہے، اسی لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب ایک غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ۔ "ہم لوگ چھوٹے جہاد سے اب بڑے جہاد کی طرف لوٹ رہے ہیں"۔

ایک دوسری حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ لوگ غزوہ کرنے والے حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم بہت اچھا آنا آئے، کیونکہ جہادِ اَصغر سے جہادِ اَکبر کی طرف آئے یعنی مجاہدہ کرنا بندہ کا اپنی ہوائے نفسانی[1] سے۔ [التشرف:۲]

پس اگر یہ حضرات اس جہادِ اکبر میں اپنے آپ کو مشقتوں میں ڈالیں تو اس میں کوئی اشکال نہیں ہے، دشمن کے مغلوب کرنے کے واسطے اپنے آپ کو مشقتوں میں ڈالنا باعثِ اَجر ہے، نہ کہ باعثِ اعتراض، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے: أَعْدٰى عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِي بَيْنَ جَنْبَيْكَ [أخرجهُ البيهقي مرفوعًا كما في كنوز الحقائق، كذا في التشرف:۲] "تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے، جو تیرے پہلوؤں کے درمیان میں ہے"۔

لہٰذا اس بڑے دشمن کو مغلوب کرنے کے واسطے بھوکا رہنا پیاسا رہنا، خطرات میں اپنے کو ڈالنا، مشقتوں کو برداشت کرنا، جہاں تک کسی دوسرے اہم دینی کام کے نقصان کا سبب نہ بنے مرغوب ہے۔

حل لغات: (۱) نفسانی خواہشات۔

حق تعالیٰ شانہٗ ان مرحوموں کے طفیل سے ان کے فیوض و برکات کا کچھ حصہ اس ناپاک سیہ[1] کار کو بھی عطا فرمادے تو اس کی عطاوکرم سے بعید[2] نہیں کہ وہ کریم جس کو چاہے نواز دے۔

یہ رسالہ شوال ۱۳۶۶ھ میں نظام الدین کے قیام میں لکھا تھا، بعد میں اس میں ان حکایات کے اضافہ کا خیال ہوا لیکن سہارن پور واپسی کے بعد مشاغل کے ہجوم[3] نے کئی ماہ[4] تک اس کو اُٹھا کر دیکھنے کی بھی مُہلت نہ دی، آخر ربیع الثانی میں ان کے لکھنے کی نوبت آئی اور آج ۱۴/ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ جمعہ کو اس سے فراغت ہوئی۔ ناظرین سے اِستِدعا[5] ہے کہ کسی مبارک وقت میں یہ ناپاک یاد آ جائے تو دعا سے مدد کریں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَأَتْبَاعِہٖ إِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ بِرَحْمَتِكَ یَاأَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔ تَمَّتْ۔

زکریا کاندھلوی،
مقیم مظاہر علوم، سہارنپور

حل لغات: (۱) گنہگار۔ (۲) مشکل، دور۔ (۳) بہت زیادہ کام۔ (۴) مہینہ۔ (۵) درخواست۔